۴۸۶

مکمّل

اُردوئے معلّیٰ

ہر دو حصّہ مع ضمیمہ

یعنی

مجموعۂ رقعات اُردو نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں بہادر
نظام جنگ مرحوم المتخلص بہ غالب دہلوی

بفرمائش
شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

در مطبع کریمی واقع لاہور باہتمام میر امیر بخش منیجر چھپا

بار اوّل   تعداد جلد ۱۰۰۰

مطبوعات دکان شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

فریاد اُمت۔ از ڈاکٹر سر اقبال قیمت ۳/

نالۂ یتیم۔ " " " قیمت ۲/

قصاید قاآنی ردیف الف و ب مشمولہ امتحان منشی فاضل قیمت........ عہ/

رُباعیات ابو سعید ابو الخیر مشمولہ امتحان منشی فاضل و ایم۔ اے قیمت........ عہ/

رباعیات سحابی استر آبادی جو بی۔ اے کورس کا ایک حصہ ہے قیمت........ ۸/

مرو خمیس مشمولہ امتحان منشی فاضل و ایک حصہ بی۔ اے فارسی کورس قیمت...... ۱۲/

حدایق البلاغت مشمولہ امتحان منشی فاضل و ایم۔ اے سفید کاغذ قیمت ۱۲/ عثمانی کاغذ ۱۰/

ابو الفضل دفتر اول و سوم مشمولہ امتحان منشی فاضل قیمت.......... ۲ہم/

ترجمہ ابو الفضل دفتر اول از مولانا وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی رامپوری قیمت عہ/

تاریخ جہانکشائے نادری مشمولہ امتحان منشی فاضل۔ قیمت.......... عہ/

سہ نثر ظہوری۔ ظہوری کی نثر بہت مشہور ہے ضرور ملاحظہ فرماویں۔ قیمت...... ۵/

مخزن اسرار نظامی مشمولہ امتحان منشی فاضل و ایم۔ اے حضرت نظامی گنجوی کی مشہور مثنوی ہے قیمت سفید ۱۲/ عثمانی ۱۰/

مقامات حمیدی مشمولہ امتحان منشی فاضل قیمت ۲ہم/

اُردو ترجمہ مقامات حمیدی۔ " " قیمت ۲ہم/

غزلیات نظیری مشمولہ امتحان منشی فاضل نظیری نیشاپوری کا کلام۔ قیمت...... عہ/

مثنوی زہر عشق۔ مرزا شوق لکھنوی کی مشہور و معروف مثنوی۔ قیمت.......... ۲/

حکیم نباتات فارسی ڈرامہ مشمولہ امتحان منشی۔ قیمت.......... ۲/

شکوہ ہند۔ مولانا حالی کی مشہور و معروف نظم ۲/

چپ کی داد۔ " " " " " ۲/

مسدس حالی " " " " " ۸/

خلاصۃ شعر العجم حصہ سوم۔ قیمت...... ۶/

" " چہارم۔ قیمت...... ۸/

ملنے کا پتہ:۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

مرزا غالب دہلوی

اُن لوازمات میں جو کسی متمدن مُلک یا مہذب قوم کی عظمت وشان میں چار چاند بن کر چمکتے ہیں، اور جنکے بغیر کوئی قوم اور کوئی مُلک تہذیب وتمدّن میں حصّہ دار بننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، لٹریچر کو صفِ اوّل میں جگہ دی گئی ہے۔ اور اس زمانہ میں تو جبکہ ترقی کا معیار بہت اونچا ہو گیا ہے، اسکی اہمیّت کا احساس بدرجۂ غایت کیا جاتا ہے۔ لٹریچر یا علم ادب آجکل ایک آئینہ ہے جس میں انسانی سوسائٹی کی تصویر اور معاشرت ومدنیت کے اصلی خط وخال بلا کم وکاست نظر آتے ہیں کسی نے کہا ہے، اور سچ کہا ہے، کہ جو قوم علم ادب میں اوروں سے پیچھے ہو اُسے ہر بات میں پھسڈّی سمجھ لو۔ گویا قومی اعزاز اور کامیاب زندگی ایک ترقی یافتہ لٹریچر کے بغیر حاصل ہونا بعید از امکان ہے۔ مبارک ہیں وہ اقوام جو اس صفِ خاص میں دوسروں کیلئے سرمایۂ رشک بنی ہوئی ہیں، اور جن کے ہزاروں اور لاکھوں افراد اپنے چمنستان ادب میں ہمہ تن مصروف اور اُس کی بقا کا سامان مہیا کرنے پر ہر طرح جدوجہد کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں، اور قابلِ رحم ہیں ہم، ہماری قوم، اور ہمارا مُلک، جہاں قومی ادب کی خدمت کرنے کا خیال تو ایک حرف رہا، اُن بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی داد بھی عملی طور سے دینا امرِ محال سمجھا جاتا ہے جنھوں نے کسی ذاتی طمع کے بغیر، بے غرضی کے ساتھ، اپنی ہمدردانہ کارگزاریوں سے ہمارے لٹریچر کو درست کرنے میں، اپنی جانب سے، کوئی بات نہیں اُٹھا رکھی۔ ہم کاہل ومجہول ہونے کے ساتھ ہی ناشکر گزار بھی ہیں، اور ہماری یہ افسوسناک حالت اُسوقت سے قایم ہے جب سے ہم اپنی ادبی ولسانی ضروریات سے غافل ہوئے۔ سودا ہوں یا میر ذوق ہوں یا غالب یہ اُردو علمِ ادب کے حقیقی بہی خواہ اور خادم تھے لیکن ہماری حق ناشناسی اُن بزرگوں کا نام بھی عزت کے ساتھ لینے میں ہمیں متامل کرتی ہے۔ جو قومیں آج علم وفن میں ہم سے بہت آگے ہیں، اُنکو دیکھئے کہ وہ اپنے مشاہیر کے لافانی کارناموں کی شُہرت وبقا کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہے۔ اُن کے سپوت ہونے کی شہادت، اگر واقعاتِ عالم نہیں دیسکتے تو کیا ویسٹ منسٹر ایبے کی شاندار عمارت کے مجسّمے، کبھی نہ دینگے، جن کے

دلوں میں، اس عالمِ سکوت میں بھی، اپنے اخلاف کے سعادتمندانہ جذبات کو دیکھکر مسرت و اطمینان کی کیا کچھ کیفیت نہ پیدا ہوتی ہوگی۔ اگر روح کا دُنیا میں آکر اپنے گھر بار اور آل اولاد کی حالت کو دیکھنا صحیح ہے، تو معلوم نہیں کہ ہمارے اسلاف ہماری نالائقی سے کیا کیا متاثر نہ ہوتے ہونگے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے زندگی ہی میں ہم سے کیا پایا، جو اب مرنے کے بعد کوئی توقع کرینگے! سودا اور اسی قسم کے دو چار شعراء سے قطع نظر کس کو فراغبالی نصیب ہوئی؟ اور مُلکی قدردانی کے ہاتھوں کس کی الم آگیں پریشانیوں کا خاتمہ ہُوا؟ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غالب ایسا یکتا اور نامور شخص، جو نظم و نثر پر پورے طور پر قابو رکھنے کے ماسوا قوتِ متخیّلہ کی سحر آفرینیوں کی ایک زبردست مثال بھی تھا، اربابِ زمانہ کی بیوفائی اور ناقدردانی اور ابنائے وطن کی غیر مآل اندیشی سے ہمیشہ مفلوک و محتاج رہا، اور افکارِ دنیوی اور ترددات معاش سے اُسے بمشکل کسی دن اطمینان حاصل ہُوا، تو ہمیں ایک مُردہ اور اندھی قوم ہونے کا خیال پختہ ہوجاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ غالب کے عہد میں اسلامی حکومت عالمِ نزع میں تھی اور اسلامی سوسائٹی پر ادبار و فلاکت کی گھٹا چھا رہی تھی، لیکن کیا اُن حکمرانوں کے لئے، جنکی فضول خرچی اور عیش پسندی نے بالآخر سلطنت کا دیوالہ نکالدیا، یہ ناممکن تھا کہ غالب کو، کم از کم، شکم پروری کی فکر سے آزاد کردیتے۔

یہ بات ضرور ہے کہ "قدرِ مردم بعد از مردم"۔ اور شاید اُس عہد میں جبکہ کمیِ تعلیم اور خیالات اور ارادوں میں نقص اور کوتاہ نظری پیدا ہوجانے سے، غالب کی رفعتِ شان کو لوگوں نے نہ سمجھا لیکن مغربی تعلیم کے فیضان سے مستفید ہونے کے بعد، جبکہ ہم میں اصلی و نقلی کی تمیز آگئی ہے، ہم کونسا علمی قدردانی کا دریا بہا رہے ہیں۔ بیشک مغربی لٹریچر کے رموز آشنا ہونے کے بعد ہم میں سے اکثر غالب کی عظمت کو جان گئے ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ جب تک غالب کا دیوان اور اُن کی قبر اس مبتذل حالت میں رہیگی کہ اس ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے، اسوقت تک ہم اسلاف پرستی کے دربار میں نمایاں جگہ پانے کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

غالب کیا تھے؟ اور اُن کی شاعری کس درجہ کی ہے؟ اس کا جواب، جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائیگا اور ہمارے خیالات و جذبات میں صلاحیت پیدا ہوتی جائیگی، ووں ووں اُن کی ذاتی منزلت اور اُن کی شاعری کے مدارج پر روشنی پڑتی جائیگی۔ ولی سے لیکر آجتک اُردو شاعری نے کئی دَور طے کئے ہیں لیکن درجہ بدرجہ اصلاح و ترقی کے اسباب و نتائج پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ غالب ایسا فطرت شناس سخن گو آجتک پیدا نہیں ہُوا

یہ ممکن ہے کہ کسی ایک صنفِ کلام میں اُن کا درجہ کسی سے کم ہو لیکن اُردو شاعری پر لکیر کا فقیر بننے کا جو الزام عاید ہو رہا تھا اگر اُس کا کچھ ازالہ ہُوا ہے تو غالبؔ کے دماغ و قلم سے۔ خیالات کی جدت اور مضامین کی تازگی کی جو روح افزا کیفیت غالبؔ کے کلام میں موجود ہے، وہ کہیں اور مشکل ملے گی۔

یہ بات مسلّمہ ہے کہ شاعری بغیر مقامی رنگ کے اربابِ نظر کے سامنے کبھی وقار نہیں حاصل کر سکتی۔ اُردو اس بارے میں سب سے زیادہ بدقسمت ہے۔ ایک تو ہندوستان میں قدرتی طور پر وہ سامان مفقود ہیں جو ایک شاعر کے دل میں سچے جذبات موجزن کر سکیں، دوسرے ہمارے شعراء نے آنکھ بند کر کے فارسی کا تتبع کیا اور اس میں اس درجہ غلو ہوا کہ

بہادری کا میدان رستمؔ و سامؔ کو دیا حالانکہ وہ بھیمؔ و ارجنؔ کا حق تھا... حُسن و جمال کے شبستان میں لیلیٰؔ و شیریںؔ آگئیں، اور جب وہ آئیں تو رانجھے کی جگہ مجنوںؔ و فرہادؔ کیوں نہ آتے۔ مجنوں و فرہاد کی گنگا تو بہہ نہ سکیں مجبوراً جیحوں سیحوں ہندوستان میں آگئے۔ ہمانچل اور بندھیاچل کو چھوڑ کر کوہ بیستون قصرِ شیریں کوہ الوند سے سر پھوڑتے ہیں۔

مناظرِ قدرت کی تصویریں تو اُردو میں نام تک کو نہیں۔ اسکی کمی ایک حد تک ہندی شاعری میں بھی ہے، لیکن اسکی تلافی دوسری صورت میں ہو گئی ہے۔ اُردو میں اگر عشق و محبت ہی کے جذبات ہندی کی طرح نیچرل اور صحیح ہوتے تو اُس میں تاثیر کا کوئی اور ہی عالم ہوتا۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے اسلاف نے فارسی کی تقلید میں بھی ایجاد کا لُطف پیدا کر دیا ہے، اور جس چیز کو اُنہوں نے مستعار حاصل کیا اُسے بالآخر اپنا بنا لیا۔ یہ صفت عُقلا کی ذہنی و دماغی قابلیت کی دلیل ہے لیکن کاش وہ ذرا دُور بینی سے کام لیتے تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ جس چیز کو وہ ایرانؔ سے لائے وہ خود اُن کے پہلو میں موجود تھی۔ اُلفت و دوستی کی صبر شکن تصویریں جو ہندی میں کھنچی ہوئی ہیں، اُن کی طرف ہمارے شعراء نے نگاہ تک نہیں اُٹھائی، ورنہ عیب چینوں کیلئے گرفت کا اتنا موقع نہ ہوتا، اور اس کے اکثر نقائص دُور ہو جاتے۔

غالبؔ کی نظر وسیع اور بلند تھی ممکن نہ تھا کہ اُن کی آنکھ اُردو کی پست حالت پر نہ پڑتی۔ وہ ایجاد پسند تھے۔ تقلید سے وہ اسقدر متنفر تھے کہ جب اُنہیں یہ معلوم ہُوا کہ کوئی اور شخص بھی اسدؔ تخلص کرتا ہے تو آپنے اپنا تخلص اسدؔ سے بدل کر غالبؔ رکھ لیا۔ اس حالت میں کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی اُن غیر معمولی قوتوں سے کام نہ لیتے جو فطرت سے

ودیعت ہوئی تھیں، اور جن کے ذریعہ سے اُردو شاعری میں انقلاب آنا مقدر تھا۔ بیشک وہ پُرانے ڈھرّے سے جدا نہیں چلے، لیکن انہوں نے اپنے اچھوتے تخیّل کے زور سے ثابت کر دیا کہ اُردو شاعری میں ابھی بہت کچھ اصلاح و ترقی کی گنجایش ہے۔

قُدرت کے کرشمے عجیب ہوتے ہیں۔ غالبؔ جو آگرہ میں پیدا ہوئے اور جنکی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اصولاً نہ ہوئی تھی، جنہیں پانچ برس کی عُمر میں باپ، اور نو برس کی عمر میں شفیق چچا کی افسوسناک موت کا داغ اُٹھانا پڑا، اور جن میں ابتداہی سے وارستہ مزاجی پیدا ہوگئی تھی، اُن کو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک دن تلامیذ الرحمٰن کے شہ نشین پر صدر کی حیثیت سے متمکن ہونگے۔

خاندانی عظمت اور نسبی فضیلت کے لحاظ سے غالبؔ کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ ایبک قوم کے تُرک تھے اور اُن کا سلسلہ تور ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ سلجوقیوں کے انتزاع کے بعد ان کے جدّ بزرگوار ہندوستان آئے۔ شاہ عالم کا زمانہ تھا۔ اُسوقت سلطنت کا صرف ڈھانچہ باقی تھا۔ تاہم اُن کو فوج میں ایک عُہدہ مِل گیا۔ شاہ عالم کے بعد شطرنج حکومت کا تختہ اُلٹ گیا اور مُہرے اِدھر اُدھر ہوگئے۔ غالبؔ کے والد مرزا عبداللہ بیگ کو تلاشِ معاش کی ضرورت ہوئی۔ اُسوقت لکھنؤ متلاشیانِ روزگار کے خیال میں منزلِ مقصود تھا۔ سخی داتا آصف الدولہ کے خوان کرم سے اُنہیں بھی کچھ عرصہ تک ریزہ چینی کا موقع ملا۔ پھر وہاں سے نواب نظام علیخاں کے عہد میں حیدرآباد وارد ہوئے، جہاں اُنہیں ایک فوجی خدمت مِل گئی لیکن آب و دانہ وہاں کا بھی نہ تھا۔ بعض خانہ جنگیوں کی بدولت اُنہیں حیدرآباد کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ واپس آکر چندے آگرہ میں ٹھہرے، اور پھر راجہ بختاور سنگھ والی الور کے یہاں ملازمت پا گئے اور وہیں ایک معرکے میں کام آئے۔ راجگڈھ میں مدفون ہیں۔

باپ کے انتقال کے بعد غالبؔ کی غور و پرداخت اُن کے چچا نصراللہ بیگ نے اپنے ذمّہ لی۔ یہ بزمانۂ لارڈ لیک، جن کی مُلکی فتوحات تاریخ ہند میں جلی قلم سے لکھی رہینگی، سرکاری فوج میں عہدۂ رسالداری پر ممتاز تھے۔ بصلۂ خدمات انہیں ضلع آگرہ میں دو پرگنے مرحمت ہوئے تھے، جن کے محاصل سے وہ اپنی مدّتِ حیات تک فائدہ اُٹھاتے رہے۔ سنِ شعور تک غالبؔ آگرہ میں رہے۔ ۱۲۲۵ھ میں، جب یہ ۱۳ برس کے

تھے، ان کی شادی نواب مرزا الٰہی بخش معروف کی لڑکی کے ساتھ ہوگئی اور اس طرح تعلقات قایم ہونے کے بعد دہلی کی آمد و رفت جاری ہوگئی اور بالآخر مستقل طور سے یہیں آ رہے۔

غالب کی بیوی نہایت وفا کیش اور نیک بخت خاتون تھیں، ان کی خدمت میں وہ دل و جان سے ساعی رہتیں۔ مذہبی احتیاط اس درجہ تھی کہ غالب کے رندانہ طور و طریق کے خیال سے وہ اپنے کھانے پینے کے ظروف جُدا رکھتی تھیں۔ غالب کو بھی اُن سے محبت تھی، اور ان کا پاس کرتے تھے۔ غالب نے متاہلانہ زندگی کا تمسخر اکثر جگہ اپنے رقعات میں اُڑایا ہے لیکن ان کی اصلیت ذرا بھی نہیں۔ مولانا حالی یادگار غالب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے، مگر اُن کے کھانے اور دوا ٹھنڈائی اور جڑاول وغیرہ کا انتظام سب گھر سے ہوتا تھا۔ مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی، ہمیشہ وقت معین پر ایکبار وہ گھر میں ضرور جاتے تھے، اور بی بی اور اُن کے رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے اور اپنی جان سے بڑھکر اُن کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا۔ مگر چونکہ شوخی اور ظرافت اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، اُنکی زبان و قلم سے بی بی کی نسبت اکثر ایسی باتیں نکلجاتی تھیں جنکو ناواقف آدمی نفرت یا بےتعلقی پر محمول کرسکتا ہے

دہلی گو اُسوقت مٹ چکی تھی، پھر بھی وہ دہلی تھی۔ اور کوئی بات تو رہی ہوگی جسنے غالب کو ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ سسرال کی دلچسپیوں اور نئے رشتہ داروں کی کشش محبت کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی جو انہیں دہلی کھینچ لائی، اور یہ اُن ستودہ صفات بزرگوں کا مجمع تھا جو حکومت میں ضعف آجانے اور علوم و فنون کا چرچا تقریباً مفقود ہوجانے کے باوجود اپنے دم سے فضل و کمال کی پُشت پناہی کر رہے تھے۔ ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ کا عہد، ملکی حیثیت سے، خواہ کتنا ہی پُرخطر و تشویش ناک رہا ہو لیکن اسمیں شک نہیں کہ اسی زمانہ میں شعر و سخن کا وہ چرچا تھا کہ دہلی کا لڑکا لڑکا بزعم خود میر و سودا کا جانشین تھا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ حکمران کا رجحانِ طبع جس طرف ہوگا، عوام بھی اُسی طرف جھکیں گے۔ حضور نظام خلد مقام میر محبوب علیخاں مرحوم کو جو دلچسپی فنِ شعر گوئی سے تھی، اُسنے نہ صرف اطراف و اکنافِ ہند سے اچھے اچھے شاعروں کو اُنکے دارالخلافہ میں اکٹھا کر دیا تھا، بلکہ وہاں عام طور پر شعر و سخن کا وہ چرچا تھا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مشاعرے

روزمرّہ منعقد ہوتے تھے، جن میں سے بعض میں خود اعلیٰ حضرت مغفور کا کلام بھی آتا تھا۔ شاعروں کی بہ کثرت ہوتی کہ رات کے آٹھ بجے مشاعرہ کا آغاز ہوتا اور بسا اوقات صُبح کے دس بجے تک ہوتا رہتا۔ یہی حال دہلی کا رہا ہوگا۔ اور چونکہ اُسوقت شاعری لڑکوں کا کھیل نہیں سمجھی جاتی تھی، اور اساتذہ کے سامنے دریدہ وہنی سے یا وہ گوئی کی جرأت بھی ہر کس و ناکس کو نہیں ہوسکتی تھی، اسلئے یہ خیال بیجا نہیں کہ غالبؔ کو برگزیدہ اصحاب کی صحبت میں، خصوصیت کے ساتھ، وابستگی ہوئی ہوگی۔ جب تک ذوقؔ زندہ تھے، ظفرؔ کے کلام کی اصلاح دیتے رہے۔ اُنکے انتقال کے بعد یہ مشورۂ سخن کی عزّت غالبؔ کے حصّہ میں آئی۔ اس سرافرازی سے پیشتر ہی غالبؔ کی رسائی دربارِ مُعلّیٰ میں ہوچکی تھی۔ سہرے کا قضیہ بھی اسی زمانہ کی بات ہے، جب ذوقؔ مرحوم حینِ حیات تھے۔ بادشاہ سلامت بھی غالبؔ پر خاص طور سے مہربان تھے، اور انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ سہرے کے معاملہ میں البتہ غالبؔ سے کسی قدر کشیدہ خاطری ہوگئی تھی لیکن ان کی "معذرت" کے بعد شاید معاملہ بالکل رفع دفع ہوگیا تھا۔ سنہ ۱۲۶۶ھ میں بادشاہ نے انہیں نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کے خطاب اور چھ پارچہ خلعت سے ممتاز فرمایا۔ خاندانِ تیموریہ کی تاریخ مرتب کرنے کا کام بھی ان کے سپرد کیا گیا، اور اس کے عوض ۵۰ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ غالبؔ کے قطعات و رباعیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے مقربانِ شاہی کی طرح ان کے یہاں بھی، بادشاہ کی جانب سے، ہدائے اور تحفے آیا کرتے تھے۔ ایک قطعہ میں "بیسنی روٹی" کا شکریہ ہے، ایک رباعی میں شاہ پسند دال" کا اور ایک دوسری میں "سیم کے بیجوں" کی رسید ہے۔ اس التفات آمیز توجہ کے باوجود غالبؔ کی وہ قدر نہیں کی گئی جس کا مستحق ایسے اعلیٰ پایہ کا اہلِ کمال قدرتی طور پر ہوسکتا ہے۔ تاہم غالبؔ ایسے آزاد منش اور بے فکرے آدمی کے لئے جو کچھ تھا بہت تھا۔ وہ اسی کو بڑی قدر دانی سمجھتے تھے کہ حضور نے قصیدہ سُن کر یہ تو فرمایا کہ "مرزا تم پڑھتے خوب ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ غالبؔ نے اُسوقت کی سوسائٹی کا رنگ خوب بھانپ لیا تھا۔ پھر وہ ناقدروں سے حوصلہ افزائی کی کیا اُمید کرسکتے تھے؟ اس کے علاوہ بادشاہ کو بھی جانتے تھے کہ اس کی وقعت شاہ شطرنج سے زیادہ نہیں۔ وہ بہت بڑے ظرف کے آدمی تھے، لیکن انسان سب تکالیف برداشت کرسکتا ہے، مگر پیٹ کی آگ نہیں بجھا سکتا۔ اس سے وہ مجبور ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ کا جو تھوڑا بہت وظیفہ مقرر

تھا، وہ بھی سلطنت کی بے انتظامیوں اور عمال کی غفلت کاریوں سے اُنہیں وقت پر نہیں مِلتا تھا۔ ورنہ یہ کہنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی ؎

میری تنخواہ جو مقرر ہے	اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مُردہ کی چھ ماہی ایک	خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات	اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ	تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

انسان کا فطری خاصّہ ہے کہ وہ اپنے کاموں کی داد طلب کرے۔ شہرت پسندی اور نمایش سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ غالب نے بھی، باوصف زمانہ کا حال پورے طور پر جاننے کے، بہادر شاہ سے اس بات کی تمنّا کی تھی کہ شاہجہاں نے کلیم کو سیم وزر سے وزن کیا تھا، آپ میرے کلام ہی کو کلیم کے کلام کے ساتھ تول لیں! اللہ اللہ! کیا حسرت بھری خواہش ہے، اور اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ کی ناقدری نے اس شاعر بے بدل کے دل پر نایابی اور حرماں نصیبی کا کس قدر گہرا نقش بٹھا دیا تھا۔ اپنی چیز کو کون بُرا سمجھتا ہے، اور کون اپنی سُبکی چاہتا ہے، اور اس پر غالب ایسا خود دار شخص! وہ اپنے آگے کلیم کیا معنی، کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا کہ اُن کی دماغ سوزی اور جگر کاوی کی داد عملاً ملنا محال ہے تو یہی تمنّا کی کہ کاش اُن کا کلام ہی کلیم کے کلام کے مقابل میں لایا جا سکے!

شاہی تقرب گو حقیقی معنوں میں برائے نام ہی کیوں نہ رہا ہو لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کے سبب سے غالب کو ایک طرح کی بیفکری تھی۔ پر غدر کے ہنگامہ کے بعد یہ تعلق قطع ہو جانے پر وہ ہیچ مُچ فلاکت و عُسرت کا شکار بن گئے۔ اِدھر بادشاہ کی طرف سے جو وظیفہ مقرر تھا وہ بند ہو گیا، اُدھر برٹش گورنمنٹ سے جو پنشن ملتی تھی وہ بھی بعض شکوک کی بنا پر مسدود ہو گئی۔ باپ دادا کی کمائی اور ننہال کی دولت پہلے ہی پھونکی جا چکی تھی۔ اب کیا تھا، نام اللہ کا۔ ایک جگہ خود لکھتے ہیں:۔

اس ناداری کے زمانہ میں جسقدر کپڑا، اوڑھنا اور بچھونا، گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا گیا۔ گویا اور لوگ روٹی کھاتے تھے، اور میں کپڑا کھاتا تھا۔

دو سال تک اپنے ہی قول کے مطابق "کپڑے" کھا کھا کر بسر کی۔ لیکن پھر رامپور کے شریف پرور اور علم دوست نواب یوسف علیخاں مرحوم نے، جو فنِ شعر گوئی میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور غالب کے شاگرد بھی تھے، ان کا سَو روپیہ ماہانہ کا استمراری وظیفہ مقرر کر دیا، جو ان کے آخر دم تک جاری رہا۔ غالب بھی نواب رامپور کے اُستاد تھے، اسلئے گرامی قدر شاگرد اُنہیں بہت عزت کی نظر سے دیکھتا تھا، اور دونوں میں نہایت بے تکلفانہ روابط قایم تھے۔ نواب چونکہ معارف پرور اور شعر نواز بھی تھے، اسلئے غالب کی توقیر بدرجۂ کمال ملحوظ خاطر رہتی تھی میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں اس باب میں وہ خود روشنی ڈالتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

قرارداد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینہ ہے سَو روپیہ مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب میں جو وہاں گیا تو سَو روپیہ مہینہ بنام دعوت اور دیا یعنی رامپور میں رہوں تو دو سَو روپیہ پاؤں اور دلّی میں رہوں تو سَو روپے۔ بھائی! سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ مُلاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم، جس طرح احباب میں رسم ہے، وہ صورت ملاقات کی ہے۔

نواب یوسف علیخاں مغفور کے انتقال پر غالب بتقریب ادائے تعزیت رامپور گئے، اُسوقت مسندِ حکومت پر نواب کلب علیخاں ایسا فراخ حوصلہ اور قدرشناس امیر متمکن تھا۔ اُنہوں نے بھی ان پر خاص الطاف و عنایات فرمائے اور جو تنخواہ ان کے لئے عہدِ سابقہ میں معیّن تھی، وہ جاری رکھی جو زندگی بھر انہیں ملتی رہی۔

رامپور کا وظیفہ اور سرکاری پنشن، بقدر ساڑھے سو روپیہ سالانہ کے جو اُن کے چچا کی خدمات کے صلہ میں ان کو اور دوسرے ورثاء کو ملتی تھی اور جو تین سال تک بند رہنے کے بعد رفع شبہات ہونے پر بدستور جاری ہو گئی تھی، یہ دونوں رقمیں اسقدر تھیں کہ غالب متوسط زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن اُن کے خیالات بلند ہاتھ کھلا ہُوا تھا۔ ہمیشہ تنگدستی کی مصیبت میں مبتلا رہے اور عُسرت نے کبھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اس کے ساتھ وہ شگفتہ طبیعت واقع ہوئے تھے، ان تکالیف کو خیال میں نہ لاتے تھے، اور اس عالی ظرفی سے انہیں جھیلتے تھے کہ پیشانی تک میلی نہ ہوتی تھی۔

غالب کے ہندو دوستوں اور شاگردوں کی معقول تعداد تھی، اور یہ اُن کے آڑے وقت میں ہمیشہ کام آتے رہے۔ غدر کے بعد جب انہیں فاقہ کشی کی نوبت آچکی تھی، تو جن لوگوں نے ان کی خبرگیری کا بار اپنے سر لیا، وہ ان کے ہندو احباب تھے۔ مسلمان اُس ہنگامہ کے بعد ایسے کھوئے گئے تھے کہ خود اپنی خبر نہ رکھتے تھے۔ اور ایک طرح سے دہلی مسلمانوں سے بالکل خالی تھی۔ اگر ہندوؤں نے غالب سے ہمدردی نہ کی ہوتی تو معلوم نہیں اُنہیں کیا پیش آتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کس درجہ خوشگوار تھے۔

ہندو شاگردوں نے اپنے اُستاد کی خدمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان میں سے اکثر اُنہیں مستقل امداد دیتے تھے، جیسا کہ "اُردوئے معلیٰ" کے اکثر خطوط سے ثابت ہوتا ہے۔ غالب بھی ان کو اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے تھے۔ وہ حریص و طامع نہ تھے لیکن اُن کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ شاگردوں کے پیشکش کو وہ کس بے تکلفی سے قبول کرتے تھے، گویا وہ خود اُنہیں کا تھا۔ دیکھئے منشی ہرگوپال تفتہ کو ایک خط میں کس اسلوب سے لکھتے ہیں:۔

سنو روپیہ کی ہنڈوی وصول کرلی۔ ۲۴ روپیہ داروغہ کی معرفت اُٹھے تھے، وہ دئے۔ پچاس روپے محل میں بھیج دیئے۔ ۲۶ باقی رہے، وہ بکس میں رکھ لئے ..... خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے ......

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی زندگی گوناگوں آلام و تکالیف کا مجموعہ تھی، اور زمانہ کی بیوفائی اور ناقدری کے ساتھ اُن کی فضول خرچی و مے پرستی سونے پر سہاگے کا کام دے گئی۔ اوائلِ سن میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھا۔ شعور کے درجہ پر پہنچنے نہ پائے تھے کہ چچا مفارقت کر گئے۔ دہلی میں آکر رہے۔ بادشاہ سے مددِ معاش کے طور پر تاریخ نویسی کا کام ان کے ذمے کیا، اور یہ پچاس روپیہ ماہوار پانے لگے، لیکن بہت جلد اُنہیں اس سے ہاتھ دھونا پڑا۔ غدر میں منجھلا اور مصائب کے چھوٹے بھائی کی وفات کا حادثہ ایسے عالم میں واقع ہوا کہ جب نفسی نفسی کا عالم تھا۔ مرزا یوسف ان کا نام تھا، اور تیس برس کی عمر سے وہ مجنون ہو گئے تھے۔ جب غالب دہلی آئے تو اُنہیں بھی ہمراہ لیتے آئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں یہ ایک جداگانہ مکان میں رہتے تھے، وہیں انتقال کیا۔ اُس وقت نہ کفن کا کپڑا مل سکتا تھا، نہ غسال و گورکن تھے۔ اُنہیں کے ہمسایوں نے

جیسے تیسے تجہیز و تکفین کی رسم ادا کی۔ غالب کو اُن سے بیحد محبت تھی اور بہت چاہتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی

میرزا یوسف ہے، غالب! یوسفِ ثانی مجھے

بھائی کے انتقال کی تاریخ "دریغ دیوانہ" نکالی ہے اور اس میں "آہ" کے اعداد کا تخرجہ کیا ہے۔
اس حادثہ کا اثر غالب پر ناگفتہ بہ پڑا۔ انہیں اس کس مپرسی اور بیکسی کی موت کا اور بھی قلق تھا۔

اولاد کی جانب سے بھی غالب بہت بدقسمت تھے۔ سات بچے ہوئے لیکن زندگی کسی نے نہ پائی۔ زین العابدین خاں عارف (جو اُن کی بیوی کے بھانجے تھے) کے دونوں لڑکوں کو جنہیں صغر سنی ہی میں یتیمی کا داغ اُٹھانا پڑا تھا آغوش میں لے لیا تھا اور اُن کے ساتھ غایت اُلفت کرتے تھے۔ یہ دونوں ہونہار اور صاحبِ اقبال تھے۔ لیکن غالب کی وفات کے بعد ہی، یہ دونوں بھی، عین عنفوانِ شباب میں گزر گئے۔

زین العابدین خاں عارف، جن کا مرثیہ دیوان غالب کے بہتر نشتروں میں نہایت درد انگیز چیز ہے نہایت خوش فکر و نازک خیال سخنگو تھے۔ غالب اُن کو بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ اُن کا حسرتناک نوحہ اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اُن کی جوانا مرگی غالب کے لئے فی الواقع غیر متوقع مصیبت ثابت ہوئی ہوگی۔ غور کیجئے یہ اشعار کس الم آگیں کیفیت اور قیامت آفریں حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں ؎

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور	تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے	کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہاں اے فلکِ پیر! جواں تھا ابھی عارف	کیا تیرا بگڑتا، جو نہ مرتا کوئی دن اور؟
تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے	کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھ سے تمہیں نفرت سہی، نیر سے لڑائی	بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

ناداں ہو، جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب

قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

ان ناگوار صدموں، اور دنیوی افکار، اور اُن کی بے اعتدالی نے، وقت سے پہلے، غالب کے دل و

دماغ کو ضعیف اور قویٰ کو مضمحل کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ اُن کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ مردان خانہ سے بمشکل گھر میں جا سکتے تھے۔ چلنا پھرنا بہت کم کر دیا تھا۔ ثقلِ سماعت کی شکایت بڑھ گئی تھی۔ ان سختیوں کے مقابلہ میں اگر وہ اپنی موت کے ہر وقت متمنی رہتے تھے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی، جو اسوقت اپنی عام شہرت اور اجتہادی قابلیت کی بدولت، فارسی کے بہترین شاعر کی حیثیت سے مستغنی عن التوصیف ہیں، غالب مرحوم سے اپنی ملاقات کا حال یوں بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ ان واقعات سے غالب کی اخیر عمر کے حالات پر صحیح اور سچی روشنی پڑتی ہے، اسلئے یہ خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ جناب عزیز فرماتے ہیں:-

ایک مرتبہ ہم لکھنؤ سے کشمیر جا رہے تھے۔ اتفاق سے کچھ دیر کے لئے دہلی اُتر پڑے۔ سرائے میں قیام کیا۔ پھر اسٹیشن پر جانے کے لئے اڈے سے بگھی منگوائی۔ ابھی بگھی آئی تھی کہ یکایک ہم کو خیال ہوا کہ حسنِ اتفاق سے دہلی آنا ہوا ہے تو میرزا غالب سے بھی ملاقات کر لینی چاہئے۔ فوراً بلیماروں کا محلہ دریافت کر کے جانے کو مستعد ہوئے۔ کچھ دُور چلکر لوگوں سے پتہ دریافت کیا۔ اس میں ایک صاحب ملاقاتی مل گئے۔ خیریت پوچھنے کے بعد کہنے لگے، چلئے میں مرزا صاحب سے ملاقات کرا دوں۔ مرزا صاحب کا مکان پختہ تھا۔ ایک بڑا پھاٹک تھا، جس کی بغل میں ایک کمرا، اور کمرے میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ایک نحیف الجثہ آدمی، گندمی رنگ، اسّی بیاسی برس کا ضعیف العمر لیٹا ہوا۔ ایک مجلد کتاب سینے پر رکھے آنکھیں گڑ دئے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ یہ مرزا غالب دہلوی ہیں، جو بگمان غالب دیوان قاآنی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

ہم نے سلام کیا، لیکن بہرے اسقدر تھے کہ اُن کے کان تک آواز نہ گئی۔ آخر کھڑے کھڑے واپس آنے کا قصد کیا تھا کہ غالب نے چارپائی کی پٹی کے سہارے سے، کروٹ بدلی، اور ہماری طرف دیکھا۔ ہم نے سلام کیا۔ بمشکل چارپائی سے اُتر کر فرش پر بیٹھے۔ ہم کو بھی اپنے پاس بٹھایا۔ قلمدان اور کاغذ سامنے رکھدیا اور کہا "آنکھوں سے کسی قدر سوجھتا بھی ہے لیکن کانوں سے بالکل سُنائی نہیں دیتا۔ جو کچھ میں پوچھوں، اُس کا جواب لکھ کر دو۔" نام ونشان پوچھا۔ ہمارے ساتھ جو صاحب گئے تھے، ہر چند انہوں نے تعارف کرانے کی کوشش کی مگر بے سُود ہوئی۔ جب ہم نے نام و پتہ لکھا تو کہا "مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہو تو ضرور کچھ نہ کچھ کہتے ہو گے۔ کچھ اپنا کلام

بھی سناؤ"۔ ہم نے کہا "ہم تو آپکا کلام زبانِ مبارک سے سُننے کی غرض سے آئے تھے۔ بہت دیر تک اپنا کلام سُنایا کئے۔ پھر اصرار کیا کہ تم بھی کچھ سناؤ۔ ہم نے یہ مطلع سُنایا ؎

مہہ مصراست داغ از رشکِ مہتابے کہ من دارم
زلیخا کور شد از حسرتِ خوابے کہ من دارم

عجیب لُطف اور مزے سے اِس مطلع کو دُہرایا اور حد سے زیادہ تعریف کی۔ پھر آدمی سے کہا "کھانا لاؤ"۔ ہم سمجھے یہ بہ خیال مہماں نوازی تکلیف کر رہے ہیں۔ لکھدیا کہ ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے دہلی اُتر پڑے تھے۔ ریل کا وقت بالکل قریب ہے، اور گھبی سرائے میں کھڑی ہے، اسباب بندھا ہُوا رکھا ہے۔ پا برکاب آپ سے ملنے آئے تھے، اب اجازت چاہتے ہیں۔ کہنے لگے "آپ کی غایت اس تکلیف فرمائی سے یہی تھی کہ میری صورت اور کیفیت ملاحظہ فرمائیں ضعف کی حالت دیکھی کہ اُٹھنا بیٹھنا دشوار ہے۔ بصارت کی حالت دیکھی کہ آدمی کو پہچانتا نہیں ہوں۔ سماعت کی کیفیت ملاحظہ کی کہ کوئی کتنا چیخئے مجھ کو خبر نہیں ہوتی۔ غزل پڑھنے کا انداز ملاحظہ کیا، کلام سُنا۔ اب ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ میں کیا کھاتا ہوں، اور کتنا کھاتا ہوں۔ اس کو بھی ملاحظہ کرتے جائیے"۔ اتنے میں کھانا آیا، دو پھلکے اور ایک طشتری میں بھنا ہُوا گوشت جس میں کچھ میوہ بھی پڑا ہُوا تھا۔ پھلکے کا باریک پرت لیکر دو چار نوالے بمشکل کھائے۔ اور کھانا بڑھا دیا۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس مقدار خوراک پر کیونکر بسر کرتے ہیں.....[۵۱]

"مرنے سے کئی برس پہلے چلنا پھرنا موقوف ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات پلنگ پر پڑے رہتے تھے۔ غذا کچھ نہ رہی تھی۔ چھ چھ سات سات دن میں اجابت ہوتی تھی۔ طشت چوکی پلنگ کے پاس ہی کسی قدر اوجھل میں لگی رہتی تھی۔ جب حاجت معلوم ہوتی تھی، تو پردہ ہو جاتا تھا۔ آپ بغیر استعانت کسی نوکر چاکر کے کپڑے اُتار کر بیٹھے ہی بیٹھے کھسکتے ہوئے چوکی پر پہنچتے تھے۔ پلنگ پر سے چوکی تک جانا، چوکی پر چڑھ بیٹھنا، چوکی پر دیر تک بیٹھے رہنا اور پھر چوکی سے اُتر کر پلنگ تک آنا ایک بڑی منزل طے کرنے کے برابر تھا"[۵۲]

اِس عالم میں بھی خطوط نویسی کا سلسلہ قائم تھا۔ "جس روز انتقال ہو گا، اُس سے شاید ایکدن پہلے...

---

۵۱ یہ حالات ہمیں خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کی اعانت سے دستیاب ہوئے ہیں۔

۵۲ ملاحظہ ہو "یادگار غالب" صفحہ ۹۹-۱۰۰

نواب علاء الدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ انہوں نے لوہارو سے حال پوچھا تھا اُسکے جواب میں ایک فقرہ اور ایک فارسی شعر، جو غالباً شیخ سعدی کا تھا، لکھوایا۔ فقرہ یہ تھا میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ایک آدھ روز میں ہمسایوں سے پوچھنا" مرنے سے پہلے اکثر یہ شعر ورد زبان رہتا تھا ؎

دم واپسیں بر سر راہ ہے　　عزیزو، اب اللہ ہی اللہ ہے

اس افسوسناک اور پُر صعب حالت کا اندازہ کیجئے اور پھر ان کا یہ شعر پڑھئے، تو عبرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے، اور اس عالم ہستی کے مصائب کا نقش دل پر گہرا جم جاتا ہے۔ اللہ اللہ! کس مایوسی اور ارمان کے ساتھ کہتے ہیں ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

آخر ان مصیبتوں کے خاتمے کا وقت آگیا، اور ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو اس جہانِ فانی سے رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ غالب کی ولادت شبِ ہشتم ماہِ رجب المرجب ۱۲۱۲ھ کو ہوئی تھی اس حساب سے ۷۳ برس اور چار مہینے کی عمر پائی۔ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہٗ العزیز کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ "آہ غالب بمرد" مادۂ تاریخ وفات ہے۔

غالب ذاتی عادات و خصائل کے لحاظ سے اُن تمام اوصاف کا دلپذیر مجموعہ تھے، جو ایک شریف اور وضعدار آدمی کی زندگی کا جزو لاینفک ہوسکتے ہیں۔ اخلاق، مروت، فراخدلی، انکسار، حفظ وضع، نیک مزاجی، یہ صفات ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ وہ انتہا درجہ کے خوددار تھے۔ ان کی زندگی خواہ کیسی ہی گذری ہو، لیکن انہوں نے کسی سے دب کر بات نہیں کی۔ خاندانی عزت کو آخر وقت تک نباہا۔ وہ اپنے ملنے والوں سے ٹوٹ کر ملتے تھے۔ کسی کا تمردانہ برتاؤ اُن کی گردن کو کبھی جھکا نہیں سکتا تھا۔ اپنی آن کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے، اور کبھی کوئی بات ایسی نہ کرتے تھے جس سے اُن کی وقعت میں کمی آنے کا احتمال ہو۔

سفر کلکتہ کے اثناء میں اُنہیں چند روز لکھنؤ بھی رہنا پڑا تھا۔ نصیر الدین حیدر کا زمانہ تھا۔ رؤساء و عوام بہت خاطر سے پیش آئے۔ روشن الدولہ سے بھی، جو نائب سلطنت تھے، ملاقات کی صورت نکل آئی تھی لیکن

محض اسوجہ سے عملاً ظہور پذیر نہ ہوئی کہ غالب نے اس کے متعلق یہ دو شرطیں پیش کی تھیں کہ (۱) نائب میری تعظیم دیں، اور (۲) میں نذر سے معاف رکھا جاؤں۔

اسی طرح دہلی کالج کی پروفیسری کا واقعہ ہے۔ کالج کے لئے ایک فارسی پروفیسر کی نئی جگہ قایم ہوئی تھی، اور کسی قابل شخص کا انتخاب ہونے والا تھا۔ مسٹر طامسن، سکرٹری گورنمنٹ ہند، اس کام پر مامور تھے۔ اُنہوں نے غالب کو طلب کیا۔ یہ پالکی پر سوار ہو کر اُن کی فرودگاہ پر پہنچے، اور اس انتظار میں کھڑے رہے کہ صاحب سکرٹری اُن کی پیشوائی کرینگے۔ مسٹر طامسن کو جب یہ معلوم ہُوا تو وہ باہر آئے، اور اُن سے کہا کہ "جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائیں گے تو آپکا اُسی طرح استقبال کیا جائیگا۔ لیکن اسوقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں۔ اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے کہا کہ "گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اسلئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو، نہ اسلئے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے۔" صاحب نے جواب دیا کہ "ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔" غالب یہ کہکر چلے آئے کہ "مجھ کو اس ملازمت سے معاف رکھا جائے۔"[۱۵]

مروت کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے انکار کا لفظ اُن کی زبان سے نکلتا۔ جو شخص غزل بغرض اصلاح لاتا اُسے کبھی مایوس نہ کرتے۔ آخر عمر میں بھی، جب کہ آنکھوں سے بینائی بھی رخصت ہو چلی تھی، خط و کتابت اور اصلاحِ کلام کا سلسلہ جاری تھا۔

دوستوں کے حفظِ مراتب کا انہیں بہت خیال رہتا تھا، اور چونکہ وہ بہت فراخ مشرب واقع ہوئے تھے، اس لئے ہر کس و ناکس سے بلا تفریقِ عقاید ملتے تھے۔ شاگردوں سے اُنہیں پدرانہ نسبت تھی۔ اہل و عیال کے حقوق کا بھی کماحقہ خیال رکھتے تھے۔

شراب نوشی کی مذموم عادت اُنہیں ضرور تھی، لیکن اس کے نقصانات کے وہ خود قائل تھے۔ اُنکے بعض خیالات میں الحاد کی جھلک، بادی النظر میں، موجود ہے لیکن وہ صوفی منش اور صاف دل شخص تھے۔ ظرافت کا مادّہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اکثر اُن کے تمسخر و استہزا کو لوگ امر واقعی سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

---

۱۵ آب حیات صفحہ ۴۸۷

طبیعت میں آزادی اسقدر تھی کہ دہلی میں متواتر پچاس سال کے قریب قیام پذیر رہنے کے باوجود اپنا ذاتی مکان کوئی نہیں بنوایا۔ کرایہ کے مکانات لیکر رہا کرتے تھے۔

ظریف ایسے تھے کہ بمشکل کوئی بات ظرافت کی چاشنی سے خالی ہوتی۔ انہیں شطرنج اور چوسر کھیلنے کی عادت تھی، اور کبھی کبھی بازی لگا کر کھیلتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کوتوالِ شہر کو، جو اِن سے عداوت رکھتا تھا، بدلہ لینے کا موقع مِل گیا، اور انہیں تین ماہ تک قید میں رہنا پڑا۔ رہائی کے بعد میاں کالے صاحب[۱] کے مکان میں رہتے تھے۔ یہ واقعہ مرزا غالب ایسے وضعدار آدمی کے لیے موت سے کم نہ تھا، اور اس کا ملال واقعی اُنہیں ایک عرصہ تک رہا۔ لیکن اس کے باوجود بھی فطری ظرافت بدستور قایم تھی۔ ایک صاحب نے آکر رہائی کی مبارکباد عرض کی۔ آپنے فرمایا "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گورے کی قید میں تھے اب کالے کی قید میں ہوں"۔

مختصر یہ کہ عجب خوبی کے آدمی تھے۔ ایسے پاک نفس لوگ روز بروز نہیں پیدا ہوتے۔ غالب کی موت سے جہاں ہندوستان کو ایک نامور شاعر کھونا پڑا، وہاں اُردو شاعری کو ایک بے غرض محسن اور حقیقی سرپرست سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اگر غالب کو کچھ چین، زندگی میں حاصل ہُوا ہوتا اور چند روز باطمینان کٹے ہوتے تو معلوم نہیں کہ اُن کی دماغی سحر آفرینیاں ادبِ اُردو میں کن کن جواہر ریزوں کا اضافہ کرتیں۔ بیشک ایک طرف ہم بدنصیب ہیں اور دوسری طرف ہماری شاعری، جسے سوہاگ ہی میں سوگ کے کپڑے زیبِ تن کرتے پڑے۔

آزادیب

---

[۱] "یادگار غالب" صفحہ ۳۱۔ حضرت محمد نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب مولانا شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔

دیباچہ من تصنیف شاعرِ شیریں مقال ناثرِ عدیم المثال جناب میر مہدی صاحب المتخلص بہ مجروح شاگرد رشید جناب مرزا اسد اللہ خان غالب مدظلہم

ستایش داورِ جہان آفرین آسان نہیں کیونکر بیان ہو اور نعت حضرت خاتم المرسلین مشکل ہے زبان کیا مردِ میدان ہو وہ دریائے ذخار ہے یہ محیط ناپیدا کنار ہے وہاں ذہن نارسا اور فہم بے سروپا ہے عقل معترف بعجز و قصور و خرد ناچار و مجبور پھر اس صورت میں قلم مقطوع اللسان کیا نگارش کرے سوائے اسکے کہ اصل مطلب گذارش کرے اور وہ یہ ہے کہ سخنورانِ خرد پیشہ اور خردمندان درست اندیشہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے کلام عرب کی شیرینی اور زبان عجم کی نمکینی گوش زدِ خاص و عام ہے اور ہر عقیل و فہیم اسی بات پر متفق الکلام ہے مگر یہ جو زبان اُردو نے ہندوستان میں رواج پایا ہے یہ بھی ترکیب کی خوبی اور حسن کی اسلوبی میں اُنہیں زبانوں کے ہم پایہ ہے اگر فصحائے عرب و عجم کما حقہ اس زبان کی ماہیت پر عبور پائیں تو اپنی زبان سے زیادہ اس کی تحسین فرمائیں ہر چند ابتدائے رواج سے ہر عہد میں کاملانِ عصر اس معشوقۂ خود فریب کی آراستگی و پیراستگی میں سعی فراوان اور کوشش بے پایان کرتے آئے ہیں مگر بالفعل اس زمانہ میں اس زبان کی خوبی کا یہ مرتبہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہو گیا ہے اب یہ بدر الوز بدرجۂ کمال ہے آگے بیم زوال ہے خصوصاً زبانِ اہلِ دہلی کہ اُردوئے معلے بولنا اُن کا حصہ ہے۔ ہر چند بعض حضرات کو اس بات کا غصہ ہے مگر جو صاحب کہ فہم سلیم و ذہن مستقیم و طبیع رسا و مزاج انصاف آشنا رکھتے ہیں

وہ اس امر کو مان جاتے ہیں معوج الذہن و کج رائے یوں ہی باتیں بناتے ہیں بھلا دہلی کا اسقدر کیونکر مرتبہ نہ ہو جب اس عدیم النظیر کا یہ شہر ہنوچہر مسکن و ماوا ہو جس کی طبع وقاد نے عقدہ ہائے معانی کو وا کیا ہے جسکے ذہن نقاد نے پست و بلند شاہِ راہ سخن کو ہموار و مصفا کیا ہے فصاحت اگر لعل ناب ہے تو وہ اس کی آب و تاب ہے اور بلاغت اگر گوہر بے بہا ہے تو وہ اُس کی آبروئے جوہر فزا ہے معنی اگر گل ہے تو وہ اُس کی شمیم روح فزا ہے۔ اور سخن اگر آئینہ ہے تو وہ اُس کی صیقل جلوہ نما ہے۔ اسکا سینہ بے کینہ نکات حکمیہ کا گنجینہ اُس کا قلب باصفا اسرار علیہ کا دفینہ شعر و شاعری کی اُس کی ذات نے بڑی رونق بڑھائی ہے اُردو نے اس کی زبان پر گذر کر عزت پائی ہے جسقدر تعریف کہ برمز و ایما آئی ہے یہ جناب **نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خان صاحب غالب** تخلص کی ذات بابرکات کی خوبیوں کا ایک ادنیٰ شمہ ہے ؎

میرا اُستاد کہ ہے جس کا سخن عالمگیر   ہے ظہوری کا ظہور اور نظیری کا نظیر

حضرت کا جو سخن ہے وہ دُرعدن جو بات ہے از رہ معنی کرامات ہے یہ نثر کی نگینی یہ نظم کی شیرینی یہ غزل کی فصاحت یہ قصیدہ کی متانت یہ لفظوں کی محبوبی یہ ترکیب کی خوش اسلوبی یہ جدت معانی یہ طلاقت لسانی یہ سلاست عبارت یہ روانی مطالب دیکھی نہ سُنی سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں۔ باتیں ہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں۔ نثر نثار پر نظم انجم قربان حسن تقریر پہ تحریر شعاع سے نثار کرنے کو آفتاب زیر داماں گفتار شکر بار کو جادو کہوں سحر کہوں حیران ہوں کیا کہوں۔ لاحول ولا قوۃ کیا سودائیوں کی باتیں کرتا ہوں کہا جادو ہے کیا سحر کا اثر ہے گفتار اعجاز طراز کے رشک سے ہندوستان میں نہ جادو ہے نہ سحر ہے ہاں بابل کے کسی کونے میں چھپا ہو تو کیا خبر ہے۔ بھلا اس عبارت فصاحت نشان کا کیسا بیان ہو جس کی صفائی استعارات کی خجلت سے دُرشاہوار پانی پانی جس کی نگینی فقرات سے جگر خون لعل رمانی نہیں نہیں یہ ستایش کچھ سرمایۂ نازش نہیں کیا موتی کیا لعل اُن کی وجہ قدر و مقدار یعنی آب و تاب اندک تغیر میں نایاب ہے اور یہ قیامت تک یکساں۔ نہ یہ ستان سرمایۂ سخن کو فیض رسان عبارت متین کی کیفیت دیکھ کر جامی تو کیا فلاطون خم نشین کے نشے ہرن ہوتے ہیں اور اُس کے

ادراک غوامض میں اپنی عقل وخرد کھوتے ہیں۔ جہاں ایسے ایسے سرخوشان خمستان معنی جرعہ خوار بادہ
گفتار اور نشہ حسن بیان سے سرشار ہوں پھر ہم سے نارسیدہ اُس تختگی مطالب کو کیا پائیں کہاں سے
ایسی قوت متخیلہ لائیں سوائے اس کے کہ یہ راہ باریک دیکھ کر قدم لڑکھڑائیں اور اپنی نافہمی پر عرق
انفعال میں غوطہ کھائیں مگر افسوس کہ اس جنس گراں ارز کا کوئی خریدار نہ ہُوا اور اس یوسف مصر
سخندانی کا کوئی طالب دیدار نہ ہُوا حضرت کا ظہور حضرت اکبر شاہ کے عہد میں ہوتا شاہ عباس والئے
ایران کے عصر میں ہوتا۔ نظیری اپنا نظیر دیکھ لیتا۔ ظہوری کو فن شعر میں اپنا حریف غالب نظر آجاتا۔
خیر اب ہم یوں دل خوش کرتے ہیں کہ اگر حضرت اُسوقت میں زینت بخش جہان ہوتے تو ہم کہاں ہوتے
یہ ہمارے طالع کی خوبی یہ ہماری خوش نصیبی کہ ایسے منتخب روزگار کے جمال باکمال سے مقتبس
انوار فیض ہوئے اور شرف قدمبوسی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

جب حضرت کو دیکھ لیا گویا سب سخندانان پیشینہ کو دیکھ لیا۔ جب حضرت کا کلام سُن لیا سب کا
کلام سُن لیا مبین میرے قول کی یہ اُردو کی تحریر ہے کہ سہل الممتنع کیا بلکہ ممتنع النظیر ہے۔ اس اُردو کا
نیا انداز ہے کہ جس کے دیکھنے سے روح کو اہتزاز ہے جو کہ بعد تکمیل ہوجانے کلیاتِ نظم ونثر فارسی کہ
وہ ہر ایک آویزہ گوش فصاحت و پیرایۂ گلوے بلاغت ہے اور ہندوستان سے ایران تک ہر ایک
نکتہ سنج کے وردِ زبان ہے مدت سے حضرت کو اس طرز نو ایجاد اُردو سے لگاؤ ہے اور خط وکتابت
میں اسی کا برتاؤ ہے جب شائقین ہنر دوست نے اس نمک ہندی کا مزہ چکھا ہر ایک سرمایۂ لذت
مائدہ سخن سمجھ کر طلبگار وخواستگار ہُوا اسواسطے منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر کہ یہ صاحب اخلاق و
مروت میں یکتا اور علم دوست وہنر آشنا ملازمین ومعززین سرکار سے ہیں اور اب پنشن دار ہیں علم فارسی
کو خوب جانتے ہیں۔ اشعار بھی اُسی زبان میں فرماتے ہیں منشی صاحب کے اشعار قابل دید ہیں۔
جناب مرزا صاحب قبلہ کے شاگرد رشید ہیں چنانچہ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ع

در معرکہ بیغمیم کہ جوہر داریم

اُن کی طبع والا نے یہ اقتضا کیا کہ یہ گوہر ہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہو کر زینت بخش

عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہوکر ایکجا گلدستہ ہوں تا اس کے رواح روح پرور
سے دماغ نکتہ سرایان غیرت چمن ہو اسواسطے **میر فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی**
نے سعی بے پایان اور **لالہ بہاری لال صاحب** منشی مطبع مذکور نے کوشش فراوان سے اکثر
خطوط جمع کئے اور قصد انطباع کیا اور **اردوئے معلےٰ** نام رکھا گیا اور ان خطوں کو دو حصّوں
پر منقسم کیا پہلے حصّے میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیئے تا کہ طلبائے مدرسہ فائدہ اُٹھائیں۔
دوسرے حصّہ میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تا کہ سخنوران معنی یاب اُسکے دیکھنے سے
مزا پائیں اور منشی صاحب موصوف نے اِس ہیچمدان خاکسار یعنی مجروح دل افگار سے اُس کا دیباچہ
لکھنے کو فرمایا۔ بندہ یہ سُن کر حیران ہُوا کہ یارب دُر شاہوار کے سامنے خزف ریزہ دن کا کیا اعتبار اور
لعل و زمرد میں پتھر کے ٹکڑوں کا کیا وقار مگر الامر فوق الادب سمجھ کر اور اپنے کو اسی خوان نعمت کا ذلہ
چین جانکر یہ چند سطریں لکھیں بقول عرفی

چو ذرہ گرچہ حقیریم نیستم ایں بس — کہ آفتاب بود نقطۂ مقابل ما

حصّہ اوّل

رقعہ بنام نواب میر غلام بابا خان بہادر

نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ فقیر اسداللہ عرض کرتا ہے کہ آپکے خط کے آنے نے میری آبرو بڑھائی حق تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے ۳۶ درفش کاویانی کی رسید پہنچی حسب ارشاد کے اب اور نہ بھیجونگا قبلہ غرض شہرت ہے اِس قلمرو میں جتنے جلدیں تقسیم کی ہیں اِس مُلک میں آپ بانٹ دیں اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودھ گجرات میں سید احمد حسن صاحب مودودی اور میر ابراہیم علی خان صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجئے گا۔ اور ۶ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجئے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔ خواجہ بدرالدین خان میرے بھتیجے نے بوستانِ خیال کو اُردو میں لکھا ہے اُس کا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونیوالا ہے اسکے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں آپ یا آپکے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔ والسلام مع الاکرام۔

میاں سیف الحق سیّاح کو سلام ۲۲ر مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سُبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم بُرہانہ۔ جناب مستطاب نواب میر غلام بابا خان بہادر سے بتوسط میاں داد خاں صاحب شناسائی بہم پہنچی لیکن واہ اوّل ساغر و دردی کیا جگر خون کن اتفاق ہے پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا اُس میں خبر مرگ۔ اب میں جو اسکا جواب لکھوں اور یہ میرا پہلا خط ہوگا لامحالہ مضامین اندوہ انگیز ہونگے نہ نامۂ شوق نہ محبّت نامہ صرف تعزیت نامہ صر بر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ہے۔ ہے ہے نواب میر جعفر علیخان جیسا امیر روشن گہر نام آور روشناس اعیان ہند و انگلنڈ وسط جوانی یعنی ۴۶ برس کی عمر میں یوں مرجائے ع نخل چمن

سرورِی افتادہ پا ہائے۔ سچ تو یوں ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے مجموعِ اہلِ ہند ماتم دار و سوگوار ہوں
تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا مگر اسکے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں اور کیا کروں قطعہ سال
رحلت نواب غفران مآب جب دل خار خار غم سے پُر خون ہوا ہے یوں موزوں ہوا ہے ؎

گردید نہاں مہر جہانتاب و دریغ — شد تیرہ جہان بچشم احباب دریغ
این واقعہ را از روے زاری غالب — تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

از روے زاری زاء ہوز کے عدد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۱ھ پیدا ہوتے ہیں فہذا المطلوب شریک
بوم ماتم منشی میاں داد خانصاحب کو سلام یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عنایت فرمائے مخلصان زاد مجدہٗ۔ شکر یادآوری و روان
پروری بجا لاتا ہوں پہلے اس سے آپ کا مودت نامہ پہونچا ہے وہ میرے خط کے جواب میں تھا اس کا
جواب نہیں لکھا گیا پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہونچا خط کیا تھا خوان دعوت تھا مینے کھانے بھی
کھائے میوے بھی کھائے ناچ بھی دیکھا گانا بھی سُنا خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالایق درویش
گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔ صاحب ریاست و امارت میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں
بسبب فرطِ محبت اخبار میں تمہاری افزایش عز و جاہ دیکھ کر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی ظفر نامہ بد
بہت مبارک لفظ ہے انشاء اللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے ع کارت بکام جملہ جہاں باد
کہ خواہی ۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۲ر اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب قبلہ بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپکا پہنچا آپ جو فرماتے ہیں
کو تو اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کرو آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا اب وہ طاقت
بھی زائل ہو گئی ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا بینائی ضعیف ہو گئی متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں
عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آ گئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھتے گئے یہ
حُسن اتفاق ہے کہ کل آپکا خط آیا آج ہی ایک دوست میرا آ گیا کہ یہ سطریں لکھوا دیں اور یہ آپ بھی
نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہو گیا ہے منشی صاحب کی محبت اور اُنکے توسط سے

آپ کی محبت دل و جان میں اسقدر سما گئی ہے جیسا اہل اسلام میں ملکہ ایمان کا پس ایسی محبت کا موقوف ہونا کبھی ممکن نہیں امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمدگر کی شرح کے بعد ہجوم غم ہائے نہانی کا ذکر کیا کروں جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے پس اللہ ہی اللہ ہے سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہئے گا اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔ نجات کا طالب۔ غالب روز چہار شنبہ ۶ر اپریل ۱۸۶۶ء۔ فقط

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر زاد مجدہٗ عرض کیا جاتا ہے کہ آپکا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ دو لفافے ایک دن پہنچے۔ سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں مبارک ہو اور مبارک ہو نظارہ بزم جمشیدی سے محروم رہونگا مگر میرا حصہ مجھ کو پہنچ رہیگا خاطر جمع ہے۔ کیوں حضرت صاحبزادہ کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں۔ نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی سید مہابت علیخاں عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپ کے خط میں توضیح نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھئے پسند آنے نہ آنے کی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے جواب کا طالب غالب۔ ۹ر ماہ اگست ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ ستودہ بہر زبان و نامور بہر دیار نواب صاحب شفیق کرم گستر مرتضوی تبار نواب میر غلام بابا خاں بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن مبارک و ہمایون ہو۔ رقعہ گلگون نے بہار کی سیر دکھلائی۔ بسواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج۔ کانوں سے بہرہ۔ ضعف بصارت ضعف دماغ۔ ضعف دل۔ ضعف معدہ۔ اِن سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں۔ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ناگاہ قولنج کے دورے کی شدت ہوتی ہے۔ طاقت جسم میں۔ حالت جان میں نہیں۔ آنا میرا سورت تک کسی صورت حیز امکان میں نہیں۔ خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ لکھی سیدانی صاحب کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیے۔ مادہ خجستہ بہار ذہن

میں آیا سات عدد کم پائے۔ خجستہ بہار پر ادب کے اعداد بڑھائے شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے۔ بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے صرف جوش محبت سے چار مصرعہ موزون ہوئے ہیں۔ گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف ۔ راقم اسد اللہ خاں غالب ۱۴۔ نومبر ۱۸۶۶ء

سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصوّر خاکسار کا خاکہ اُتار کر دربار کا نقشہ اُتارنے کو اکبر آباد گئے ہیں وہ آجائیں تو شغل تصویر تمام ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ قطعہ

خجستہ جشن دبستان نشینی بیگم | بفیض ہمت نواب دین و اقبالش
چو از بے ادب آموزیست خوش باشد | اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عالی شان والا دودمان زاد مجدکم۔ سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو از روے اخبار بمبئی آپ کی افزائش عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے متواتر شکر الٰہی بجا لایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا کیا لکھوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب اور کس طرح کی نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایون کرے۔ قطعہ

فتح سیّد غلام بابا خان | خود نشان دوام اقبال ست
هم ازین رو بود که غالب گفت | که ظفر نامهٔ ابد سال ست

بہار باغ جاہ و جلال جاودان باد۔ اسد اللہ خان غالب۔ فقط

ایضاً۔ جناب نواب صاحب میں آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکی یاد آوری کا ممنون اور آپکے دوام دولت کا دعاگو ہوں اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری ہیں مقرر آپ تک پہنچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں خدا آپکو ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میری اوقات شبا روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں

تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیونکر ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پھر دمبدم پیشاب کو اُٹھنا ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنی مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۴ھ شروع ہوئے ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے۔ اب کے رجب کے مہینے سے سترواں سال شروع ہوگا ستر ابہتر ابہرا بوڑھا اپاہج آدمی ہوں جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے میں کسی لایق نہیں۔ نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۱۳ مئی ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ بجناب نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجا لاتا ہوں پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر۔ اور پھر سید۔ نظر ان تین امور پر اس ارمغان کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا خدائے عالم آرائے آپ کو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپکا حامی و مددگار رہے ظاہر الوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہوگیا خیر یہاں بن جائیگی والسلام بالوف الاحترام۔ خوشنودی احباب کا طالب غالب۔ سہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۷ء۔

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امیدگاہ درویشان زاد افضالکم۔ آپ کا بندہ منت پذیر غالب خونین صفیر یوں نواسنج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عز ورود لایا اور مژدہ قبول سے میرا رتبہ بڑھایا جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا ہے اگر اس کو قدردانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں البتہ آپ نے از راہ حق پسندی سخن کی قدردانی اور میری قدر افزائی کی ہے جو اغلاط فارسی دانان ہند کے ذہن میں راسخ ہوگئے تھے اُن کو دفع کیا ہے تو کیا برائی کی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے گمنام اپنی شہرت کیلئے مجھ سے لڑتے ہیں واہ واہ اپنے امیدوار لئے کو ناحق آنکھ بگڑتے ہیں عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا آپ کا دادا اور میرا آقا خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے بس اب اسکے چھپ جانے میں دیر کیا ہے نجات کا طالب غالب۔ صبح یکشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء

بنام منشی میاں داد خاں المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیاح

سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خاں سے میں بہت شرمندہ ہوں کہ انکے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے۔ اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں اس خط کے جواب میں ہیں۔ جو بنارس سے آیا ہے۔ بھائی بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے ایک مثنوی میں نے اُس کی تعریف میں لکھی ہے۔ اور چراغ دیر اس کا نام رکھا ہے وہ فارسی دیوان میں موجود ہے سکو دیکھنا اشرف حسین خانصاحب میرے دوست ہیں فتنہ و فساد کے زمانہ سے بہت پہلے اُن کا خط اور کچھ ان کا کلام میرے پاس آیا ہے تم اُن کو میرا سلام کہنا اور مَیں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے بنارس تک کے سفر کی سرگذشت لکھی ہے اسی طرح آیندہ بھی لکھتے رہو گے. مَیں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں ؎

اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ در نظر گذرد ‌ ‌ ‌ زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسر نہیں نہ سہی ذکر العیش نصف العیش پر قناعت کی میاں داد خاں سیاح کی سرگذشت سیر و سفر ہی نہ سہی۔ غزل تمہاری رہنے دیتا ہوں اسکے دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے جیسا تم نے وعدہ کیا ہے جب اور غزلیں بھیجو گے اُنکے ساتھ اُس کو بھی دیکھ لونگا بلکہ احتیاط مقتضی اسکا ہے کہ اُن غزلوں کے ساتھ اس غزل کو بھی لکھ بھیجنا۔ ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے ضعف سستی۔ کاہلی۔ گرانجانی۔ گرانی۔ رکاب میں پاؤں ہے باگ پر ہاتھ ہے بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے زاد راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر۔ اگر باز پُرس ہوئی تو سقر مقر ہے اور ہاویہ زاویہ ہے دوزخ جاوید ہے اور ہم ہیں ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے ‌ ‌ ‌ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

اللہ اللہ اللہ۔ نجات کا طالب غالب۔ صبح دوشنبہ ۳۱ دسمبر ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ صاحب یہ سر پیٹنے کی جگہ ہے کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا اور میرا کوئی خط تم کو نہیں

پہونچتا۔ سنو چھوٹے صاحب کا خط آیا اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجزائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید تھی
مینے اُسکے جواب میں لکھا کہ اس کتاب کا چھاپہ یہاں ہی شروع ہوگیا انشاءاللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک مجلد
آپکے واسطے اور ایک مجلد منشی میاں داد خاں کیواسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا اب تم نواب صاحب سے
میرا سلام کہو اور یہ اپنے نام کا خط اُن کو پڑھا دو۔ اور ایک پتہ تم کو دیتا ہوں نواب صاحب کا جو خط
طلب کتاب کے باب میں آیا تھا اُس میں مندرج تھا کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں تم اجزائے کتاب کا
پارسل اس پتہ سے سورت بھیجنا بھائی میں نے اُسی پتہ سے خط بھیجا تھا۔ نہ پہونچے تو میرا کیا گناہ بیڈ
خط گاہ گاہ تلف بھی ہوجاتا ہے نظر اِس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تا کہ ضائع نہ ہونے کا
احتمال قوی رہے۔ فقط صبح دوشنبہ ۴ ربیع الثانی۔ مطابق ۷ ستمبر سال حال غالب

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سلمکم اللہ تعالیٰ فقیر کی طرف سے
دعا سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خان سے کہا گیا تھا کہ تم
تصویر کے پہونچنے کی اطلاع دیدینا سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے اطلاع دی ہے حال
تصویر کا یہ کہ مینے اُسے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اسکا سبب نہ
معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی خیر دیدار تو میسر ہوا گفتار ہی اگر خدا چاہیگا تو سُن لینگے
دیکھو منشی صاحب آئینہ کی تصویر کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں مگر فقیر اِس کا معتقد نہیں اب دیکھو
حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے آگے پہنچے اور پنجے کا پتہ نہیں مکالمہ ایک طرف مصافحہ
کی بھی حسرت رہگئی اسوقت جُداگانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت
سلام اور اشتیاق کہنا بلکہ یہ خط اُن کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں۔ مَیں سادات کا نیازمند اور علیؑ کا غلام
ہوں۔ ع بندہ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما + نجات کا طالب۔ غالب ۱۱ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ ہجری

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت نشان منشی میاں داد خاں سیاح طال عمرہٗ۔ درویش گوشہ نشین
غالب حزین کی دعائے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنؤ کی ویرانی پر دل جلتا ہے
مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فساد کے [illegible] ہو جائینگی بازار اچھے نکل

آئینگے جو دیکھیگا وہ داد دیگا۔ اور دلی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے یہاں فساد در فساد چلا
جائیگا۔ شہر کی صورت سوائے اِس بازار کے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری
دروازہ تک ہے سراسر بگڑ گئی اور بگڑتی جاتی ہے دیوان کا چھاپا کیسا وہ شخص ناآشنا موسوم بہ
عظیم الدین جسنے مجھ سے دیوان منگا بھیجا آدمی نہیں بھوت ہے پلید ہے غول ہے قصہ مختصر
سخت نامعقول ہے مجھ کو اُس کے اوپر انطباع دیوان نامطبوع ہے اب میں اُس سے دیوان
مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے تم بھی دُعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

دوشنبہ ۱۱۔ جون ۱۸۶۰ء۔ غالب

ایضاً۔ صاحب مہربانی نامہ کہ گویا الفاظ اُس کے سراسر نواب میر غلام بابا خان صاحب کی زبانی
تھے پہنچا جواب لکھتا ہوں اور پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں ایک قرن یا ۱۲ برس سے فردوس مکان
نواب یوسف علی خان والی رام پور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ
بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے اُس مغفور کی اندانہ دانی دیکھئے کہ مجھ سے کبھی اُس روپیہ کی رسید نہیں لی
اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے میں خط کا جواب لکھ بھیجتا اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی
ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنشن مسدود۔ یہ
بزرگوار وجہ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گاہ گاہ بھیجتا رہا تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست
ہوئی۔ رئیس حال کو خدا بدولت و اقبال ابداً مو بداً سلامت رکھے۔ وجہ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے
بحسب دستور قدیم اپنے خط میں بھیجا جاتا ہے فتوح کی رسم دیکھئے جاری رہے یا نہیں۔ میرے
پاس روپیہ کہاں جو قاطع برہان کو دوبارہ چھپواؤں پہلے بھی نواب مغفور نے دو سو روپے بھیجے
تھے تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی وجہ مقرری کے
ساتھ دو سو پہونچینگے۔ وہ آخر اپریل ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے۔ اپریل کا روپیہ رئیس حال سے
ملنے پایا مصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا یاد دلاؤں گا مگر اُس مرحوم کا وعدہ سررشتہ دفتر سے تھا
جو از روئے دفتر اُس کی تصدیق ہو۔ بہرحال ناکر ہیں ہوں۔ اگر اسباب نے مساعدت کی فہو المراد ورنہ

ع انچہ مادرکار داریم اکثر سے درکار نیست۔ منشی صاحب اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔ نجات کا طالب۔ غالب۔ ۳۰۔ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ منشی صاحب شفیق بدل مہربان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر غالب علیشاہ کی دعا پہونچے۔ پرسوں نواب صاحب کا خط اور کل تمہارا خط آیا۔ صاحب ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے لطائف غیبی کی ۱۵ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیج کر منگوائیں پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیج کر ٹوپیاں منگوائیں۔ میں نے تمہارے بھیجے ہوئے روپیوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیجدیں۔ چاہے تم پہنو چاہو چھوٹے صاحب کی نذر کرو۔ جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے قلق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہیگی لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں ایک نئی بات سنو۔ محمد مرزا خان میرے نسبی بھائی کا نواسہ ہے اُسنے ایک اخبار نکالا ہے مسمیٰ بہ اشرف الاخبار۔ اسکا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں اسکو پڑھ کر معلوم کر لوگے کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھپا یا گیا ہے اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گذر جائے اور اُس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جاوے اور تم اُن کی طرف سے حکم خریداری ابتداء جنوری ۱۸۶۶ء سے بنام محمد مرزا خان لکھوا اور وہ خط اُس پتہ سے دِلّی روانہ کرو جو اُن کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔ حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ اُنہوں نے مجھے شرمندہ کیا اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں میں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل علیل۔ فقیر حقیر آدمی ہوں یہ اُنکی بزرگی ان کی خوبی اُن کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے۔ اور اُن مقدمات میں جن کل الوجوہ اُن کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔ ہاں صاحب برادر بجان برابر میرزا معین الدین حسین خاں بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے پہلے برخوردار شہاب الدین خان سے پوچھو وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرتے چلے آؤ۔

فقط - دیدار کا طالب - غالب - سہ شنبہ ۶ رشوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ر فروری ۱۸۶۶ء

ایضاً - صاحب کل آپ کا خط آیا میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میاں سیاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں بھول گئے ہیں - پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو مینے نہیں پایا ورنہ کیا امکان تھا کہ جواب نہ لکھتا - جناب منشی میر امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں لیکن اُن کے محامد و مکارم سُنتا ہوں جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں لیکن مینے اُن کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا - اغنیا کے واسطے اچھے ہیں - ہائے مولوی محمد محسن اور مولوی عبد الکریم اس عہد میں اگر اُن بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں اپنی قسمت کو روتا - وقت گذر جاتا ہے بات رہ جاتی ہے - ہاں خان صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اُسنے رہائی کیوں نہ پائی - اور وہاں جزیرہ میں اُس کا کیا حال ہے - گذارا کس طرح ہوتا ہے - غالب جمعہ ۴ ر ماہ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً - آیئے بیٹھئے مولانا سیاح سلام علیکم - مزاج مُبارک - سورت کا پہونچنا بہرصورت مبارک ہو بھائی میرا دل بہت خوش ہوا کہ تم اپنے وطن پہونچے لیکن تم کو چین کہاں خدا جانے کے ہفتے یا کے مہینے ٹھہر و گے اور پھر سیاحت کو نکلو گے - جی میں کہو گے آؤ اب دکن کی سیر کریں - حیدر آباد اور اورنگ آباد دو نو شہر اچھے ہیں اُن کو دیکھیں میرزا معین الدین حسین خان اور میرزا محمد حسین خان یہ دونوں بیٹے ہیں نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے اور قدرت اللہ بیگ خان ابن عم تھے نواب احمد بخش خاں کے اور معین الدین حسین خان کی بہن منسوب ہے بھائی ضیاء الدین خان سے یہاں کوئی امر نیا نہیں واقع وہی حالات و اطوار ہیں جو دیکھ گئے ہو مسجد جامع کے باب میں کچھ عرضیں لاہور سے آئی تھیں یہاں سے انکے جواب گئے ہیں یقین ہے کہ واگذار کا حکم آئے اور مسلمانوں کو ملجائے ہنوز بدستور پہرا بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا - والسلام مع الاکرام -

صبح شنبہ ۲ - ذیقعدہ ۸۳ء معاً غالب

ایضاً - نور چشم اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالب نیمجان کی دعا پہونچے واقعی

تمہارے دو خط آئے ہیں۔ آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے تو اُس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں۔ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہتے ہیں سو اُنکے اخبار میں مینے اپنا مفصّل حال چھپوا دیا ہے اور اس میں مینے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے اُس پر کسی نے عمل نہ کیا اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا۔ اپاہج پورا بہرا۔ آدھا اندھا دن رات پڑا رہتا ہوں حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت۔ چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سُرعت بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا وہ شہر سے چلا گیا ایک انگریز ہے وہ کھینچتا ہے مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اُتر دں۔ پالکی میں بیٹھوں اور اُسکے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹہ کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں۔ اب تم از راہ مہربانی میر ابراہیم علی خان بہادر اور حکیم سیّد احمد حسن صاحب کو اور جب کلبِ علی سے آجائیں تو نواب غلام بابا خان کو یہ خط پڑھوا دینا۔ تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اُس کا مرجانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے۔ والسلام ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء غالب

ایضاً۔ خان صاحب سعادت و اقبال نشان میاں داد خان سیّاح کو فقیر گوشہ نشین کا سلام پہنچے تمہارا کوئی خط سوائے اس خط کے جسکا جواب لکھتا ہوں ہرگز نہیں پہونچا بہت دن سے مجھ کو خیال تھا کہ مولانا سیّاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ کل ناگاہ تمہارا خط پہونچا آج اُس کا جواب لکھتا ہوں مُہر میں تو کھود نے کا نہیں جو اسقدر عُذر چاہتے ہو کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت۔ میں

احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خان سے میرا سلام کہئے اور وہ نگین معہ نقشہ بے تکلف بھیجدیجئے
آپکے حکم کی تعمیل اور اس نگین کی درستی ہو جاویگی۔ خاطر عاطر جمع رہے زیادہ کیا لکھوں اجی سیاح صاحب
ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ اگر میر غلام بابا خان
صاحب کو مُہر کھدوانی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ تمہارا خط گویا میر غلام
بابا خان کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا کہ انہیں کو اس کا جواب لکھوں اور اُنکے نام کا خط بھیجوں
مگر پھر سوچا کہ تم آزردہ ہو جاؤ گے تمہیں کو خط لکھا۔ بھائی یہ طریقہ فراموش کاری کا اچھا نہیں گاہ گاہ
خط لکھا کرو۔ والسلام۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ۔ یکم مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب یہ کیا اتفاق ہے کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا ہے

کس زبان مرا نمی فہمد بہ عزیزاں چہ التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں قاطع برہان کو دوبارہ چھپوایا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مدد دیں
یعنی سو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی بھلا یہ میرے کس کام کی چار
دن سوچا کیا کہ پھیر دوں پھر سوچا کہ بُرا مانیں گے آخر کو گھڑی رکھ لی اور یہ خیال کیا کہ کتاب کے
انطباع کے بعد سو جلدیں بھیج دونگا۔ اسی خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط
گھڑی کی رسید کا پہونچتا ہے اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کنجی نہیں آئی ظاہراً اسکے وہاں
رکھی رہ گئی [illegible] تین جلدیں لطائف غیبی کی دو پارسلوں میں آگے بھیجی ہیں جسکی قیمت دس روپیہ مجھ کو پہنچ
گئی۔ اب کمال ایک جلد اپنی طرف سے بھیجتا ہے رسید جلد لکھو۔ غالب ۳۔ دسمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سعادت و اقبال نشان سعید الحق منشی میاں داد خان سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہونچے
خط میں آپنے بہت سے مطالب لکھے مگر تین کتابوں کی دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی یہ ایک پارسل
جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے اس میں وہی لطائف غیبی ہے جس کو میں نے اپنے مطالعہ میں
رکھ کر صحیح کیا ہے اسکے بھیجنے سے یہ مدعا کہ تم اُن تین رسالوں کو اسکے مطابق صحیح کر لو اگر چھوٹے
صاحب نے رکھ لیا ہے تو اُن سے مستعار لیکر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ اُنکے نذر کر دو۔

صاحب بیٹے لپنے صرف زر سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں ہیں بیٹے مول لیں تیس تم کو دلوا دیں ہیں بھائی ضیاء الدین نے لیں دس مصطفے خاں صاحب نے لیں باقی کا حال مجھے نہیں معلوم۔ دیکھو سیف الحق شیخ سعدی کا قول کیا سچا ہے ؎

اگر دنیا نباشد دردمندم — وگر باشد بمہرش پائے بندم
بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست — کہ رنج خاطرست ارہست ورنیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے۔ جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے۔ میں تو میر غلام بابا خاں کا دوست ہوں۔ اُن کی دعا مانگتا ہوں۔ آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں وہ مجھ کو لکھا کریں غربیلہ کی ہندی نخرہ ہے فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔ نجات کا طالب۔ غالب پنجم شعبان ۱۲۸۱ھ

ایضاً۔ بھائی سیف الحق تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب بڑودہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ لپنے پر اُنکے عتاب کی پاتا تو اُن سے عذر کرتا۔ اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں تو میں کیا کروں تم برا نہ مانو کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں تو اُسنے سچ کہا اور اگر میں اچھا ہوں اور اُسنے برا کہا تو اُس کو خدا کے حوالے کرو ؎

غالب برا نہ مان جو دشمن برا کہیں — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کھچا کھچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی عکس کی تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاویگی تو وہ ورق بھیجدوں گا اجی وہ تو بیٹے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی دوستانہ اختلاط تھا کہ بمبئی میں بہرا ہوں گا ناکیا سنوں گا۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں۔ غذا ۵ ماشہ آٹا کھانا کیا کھاؤں بمبئی۔ سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں اگر وہاں آتا اور شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔ نجات کا طالب غالب ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے خط کے پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی۔ ٹوپیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ

آئیں لیکن ضائع نہ گئیں میرے شفیق اور تمہارے مربی کے صرف میں آئیں۔ تم کو اور ٹوپیاں بھیجونگا
معذور سے سخت ناچار ہوں۔ وعدہ ہی وعدہ ہے وفا کا نام نہیں۔ کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے
خط کے پہنچنے سے دو دن پہلے میر فخر الدین نے ارسال کر دیا ٹکٹ انکے حوالے کر دیئے۔ حضرت بہتان
لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے۔ نواب صاحب کو سلام کہنا
اور میری زبانی کہنا کہ ٹوپیوں کو میرا ارمغان سمجھنا۔ سیف الحق کی نذر تصور نہ کرنا+

نجات کا طالب۔ غالب ۲۵ جنوری ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ اقبال نشان سیف الحق کو دعا پہنچے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب
کی خریداری کے آپ کے پاس پہونچتے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروائیے اور اطراف و جوانب
دور و نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی
اطلاع کا خط میر فخر الدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں جو صاحب
فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اس کے خریدنے کی اطلاع کا خط جو صاحب فقط کتاب کے خریدار
ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالب ۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ مولانا سیف الحق اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔
بھلا یہ تو فرمائیے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں اگلے پانچ روپے
پر میں بے مزہ ہوا تھا یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے۔ بہرحال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں اور کاہے کے
ہیں۔ اِس رقعہ کا جواب جلد لکھو ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائینگی۔ عنایت کا طالب غالب ۲۳۔ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر اسد اللہ کا سلام کل
سہ شنبہ ۲۰ فروری صبح کے وقت چھ پارسل ۳۶ درفش کاویانی کے نواب میر غلام بابا خان صاحب
کی خدمت میں ارسال کئے کل ہی شام کے وقت آپکا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ خیر اب
اور نہ بھیجوں گا۔ صاحب یہ تم نے پانچ روپے کے ٹکٹ کیوں بھیجے۔ میں نہ کتاب فروش نہ دلال یہ
حرکت مجھے پسند نہ آئی اور تم نے برا کیا حضرت ۱۶ جلدیں لطائف غیبی کی بیچ کر اس کے پان

سات دن کے بعد میں نامہ غالب کا پارسل ارسال کیا ہے لطائف کی رسید تم نے بھیجدی یقین
ہے کہ نامۂ غالب کا پارسل بھی پہنچ جائیگا۔ گھبراؤ نہیں نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام
اور اشتیاقِ مُلاقات عرض کرنا۔ نجات کا طالب غالب ۲۱ فروری ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب وہی جہان وہی زمین وہی آسمان وہی سورت وہی دلّی وہی نواب میر غلام
باباخان وہی سیف الحق سیاح وہی غالب نیجان انگریزی ڈاک جاری ہرکاروں کو ریل کی سواری
ربیع الاوّل میں تمہارا خط آیا ربیع الثانی جمادی الاوّل جمادی الثانی رجب آج شعبان کی ۲۶
ہے صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں ۸ بج گئے ہیں اسوقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا نہ کوئی نواب
صاحب کا عنایت نامہ واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو اور اس خط میں ترک نامہ و
پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں خدا کرے پارسل
پہنچ جائے اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور
عتاب کی وجہ دریافت کرکے لکھنا۔ نجات کا طالب غالب ۳ جنوری ۱۸۶۶ء خط بیرنگ ہے تمہارا اور پارسل پہنچا

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط پہنچا لکھنؤ کا کیا کہنا ہے وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ وہ سرکار امیر
تھی جو بے سروپا وہاں پہونچا امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں ہیں بہت خوشی سے تم کو اطلاع
دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصب ناانصاف سے ہاتھ آگیا اور میں نے نورچشم منشی شیونرائن کو بھیجدیا
یقین کُلی ہے کہ وہ چھاپینگے جہاں تم ہو گے ایک نسخہ تم کو پہنچ جائیگا جلد بقیہ جاوٴ تمہیدی یہ ہے کہ ہم کو
اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھتے رہو۔ اور اپنے مسکن کا پتہ ہم پر
ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی شرمندہ بھی ہیں۔

راقم اسد اللہ خاں مرقومہ شنبہ۔ روز عید۔ مطابق ۳۰۔ جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت واقبال نشان سیف الحق میاں داد خان تم سلامت رہو۔ تمہارے خط
کے صفحہ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں تاکہ تم اپنے خط کے پہونچنے پر اطلاع پاؤ۔ نامۂ غالب صاحب مطبع نے
اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپے جو میں مول لیکر بھیجوں اور تم سے اسکی قیمت مانگوں ملنے آپ

تین سو جلدیں چھپوائیں دُور و نزدیک بانٹ دیں آج یکشنبہ ہے پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے یہ نسخے
اب میرے پاس باقی ہیں کل تمہیں بھیجدونگا۔ ہاں صاحب سَو روپیہ کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول
ہوا کاپی آج شروع ہوگئی ہے جس دن نوٹ پہنچا اس کے دوسرے دن روپیہ مِلگیا تیسرے دن میں نے
تم کو تمہارے رجسٹری وار خط کا جواب لکھ بھیجا یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری
خواہش کے نواب صاحب کو دکھا دیا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے اس کا جواب بھی آج
تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور سچ کہتے ہو۔ رحیم بیگ کا وطن اصلی شہر سنبھل اور فی الحال
میرٹھ میں مقیم اور معلمی اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی
کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔ راقم غالب علی شاہ۔ یکشنبہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق
ہیں جس زمانہ میں وہ دلّی آئے تھے میری ان کی مُلاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے دوست ہیں شاگرد
نہیں اور ہرگز قصیدہ اُنہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری
خستگی اور تہمت زدگی کا انتقام لیا بہرحال مَیں تمہارا احسانمند ہوں۔ اگر تم وہاں نہ ہوتے تو میری اُو
میر منشی کی صفائی نہ ہوتی ان دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ والی رامپور کا بھی
بہت سا کلام یُوں ہی دھرا ہُوا ہے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ
دھری ہوئی ہیں خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھونگا تو یہ بھی دیکھی جائینگی جب
حال یہ ہو کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں۔ اگر میرا حال درست ہوتا تو جناب مولوی
عبدالغفور خاں صاحب نساخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا اور اس خدمتگذاری کو اپنی سعادت سمجھتا
آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھا دیں۔

نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ جناب منشی صاحب آپکا خط مُہری لفٹنٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہُوا تھا پہنچا اسکے بھیجنے
کی کچھ ضرورت نہ تھی جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے

اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا ایسے ایسے پچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں مجھ کو تو چھ آنے کے پیسوں کا افسوس ہے جو تم نے بابت محصول دیئے۔

راقم اسد اللہ مرقوم ۱۰ ؍ فروری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صاحب میرا سلام تمہارا خط پہونچا دو نو غزلیں دیکھیں خوش ہوا فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں اور فن شعر میں اگر اس شیوہ کی رعایت کی جاوے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے۔ یاد کرو کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو خصوصاً روزمرہ اُردو میں دو تو غزلیں لفظاً اور معنیً بے عیب ہیں کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفرین صد ہزار آفرین۔ میرے غلام بابا خان صاحب واقعی ایسے ہی ہیں جیسے تم لکھتے ہو سیاحت میں دس ہزار آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں جو تم ایک شخص کے مداح ہو تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے لاریب فیہ کیا فرمائش کردں اور کیا تم سے منگاؤں وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں انگور سے کم عزیز نہیں لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہونچنے کی، کیا صورت مالدہ کا آم یہاں پیوندی اور ولایتی کرکے مشہور ہے اچھا ہوتا ہے کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا سورت سے دلّی آم بھیجنے محض تکلف ہے۔ روپیہ کے آم اور چار روپیہ محصول ڈاک اور پھر سنو میں سے شاید دس پہنچیں میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا۔ یہاں دیسی آم انواع واقسام کے بہت پاکیزہ اور لذیذ اور خوشبو افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔ اے لو آج بریلی سے ایک کھنگی ایک دوست کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکرے۔ ہر ٹوکرے میں سنو آم۔ کلو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے دو سنو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایکسو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے۔ اوائل جون ماہ حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل رہی ہے شنبہ ۱۷ جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب میں تم سے شرمندہ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا ہر چند ڈھونڈھا نہ پایا بڑی بات یہ ہے کہ اسقدر

مجھ کو یاد ہے کہ اُسی وقت میں نے اُن اشعار کو سراسر دیکھ لیا تھا اشعار سب ہموار تھے تم اندیشہ نہ کرا
اور قصیدہ نذر گذرانو اور مع الخیر وطن کو جاؤ لیکن بھائی وطن پہنچ کر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے
گھر کا پتہ لکھنا تاکہ میں اُس نشان سے تم کو خط بھیجوں نواب میر غلام بابا خان صاحب کو فقیر کی
طرف سے سلام کہنا فقط۔ صبح سہ شنبہ ۱۸۔ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان۔ شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر کوئی خط تمہارا
جواب طلب نہ تھا اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اُٹھایا۔ کیا کروں ایک برس سے عوارض فساد
خون میں مبتلا ہوں بدن پھوڑوں کی کثرت سے سروِ چراغان ہوگیا ہے۔ طاقت نے جواب دیا
دن رات لیٹا رہتا ہوں کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اُتر بیٹھتا ہوں کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر
پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے اُتر کے پیشاب کیا جاتا ہے بیت الخلا
جانا ایک مصیبت ہے طشت چوکی سہی مگر کئی قدم جانا پھر آنا کیا ایسا آسان ہے۔ ایک کم ستر برس
کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں بہت جیا کہاں تک جیوں گا اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو
جناب نواب سید غلام بابا خان صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارکباد
دینا اور یہ قطعہ تاریخ نذر کرنا۔ قطعہ

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ بہر فرازِ لوح گردون گردۂ تمثال دست
فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب از میر ناز و طرب فرزند فرخ سال دست

سنہ ۱۲۸۰ء ناز کے نون کے پچاس اور طرب کی طوے کے نو فرزند فرخ فال پر بڑھانے ہونگے
غالب روز پنجشنبہ ۱۶ اگست سنہ ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خان سیاح سیف الحق سلمکم اللہ تعالیٰ
اور سلام اور شکر اور سپاس تمہارا خط مرقومہ ۳۰ اگست پرسوں بروز جمعہ ۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ء کو پہنچا
دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے مندرجہ اُس کے ایک سرکار سے وصول ہوگئے چھوٹے
صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی اس صرف میں میرا کام ہوا اور اُن کا نام ہوا

اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ میں نے اُن کو دیکھا نہ اُنھوں نے مجھ کو دیکھا نہ میرا کوئی حق
اُن پر ثابت نہ اُن کو کوئی خدمت مجھ سے یعنی منظور خیر نفیر ہوں جب تک جیونگا دُعا دوں گا۔ تمام عمر
ممنون اور شرمندہ رہونگا تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آ جائے تو اس کا
انطباع شروع ہو جائے۔ تم نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو اور عرض کرو کہ آج تک
کسی بھائی یا کسی دوست کا روپے پیسے کا احسانمند نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اُٹھایا تو اپنے آقا
یعنی علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند کا وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے
پڑھانے والے مُلّا ئے مکتب دار کا خط ہے رحیم بیگ اُسکا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا
ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے اُس کی تحریر میں نے دیکھی تم کو بھی بھیجوں گا مگر ایک بڑے مزے
کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جنکو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہرحال اب اُس کے
جواب کی فکر نہ کرنا۔ فقط والسلام والاکرام۔ نجات کا طالب غالب۔ دو شنبہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً گ۔ صاحب میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے اور عزیزانِ وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے اور
مع الخیر والعافیۃ اپنے محسن و مربّی کی خدمت میں پھر آ پہنچے۔ نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا اور
کہنا کہ اِس خط میں سلام صرف و فور اشتیاق سے لکھا ہے محبّت نامہ جداگانہ جلد بھیجوں گا۔ اجی ہاں
میاں سیف الحق رامپور سے آ کر تین سو جلدیں درفش کاویانی کی تیار پائیں۔ نواب میر غلام بابا خانصاحب
سے حصّہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا پشتارہ بنایا اُس پر ٹاٹ لپٹوایا۔ ڈاک گھر بھجوایا مسترد آیا سرکاری
ڈاک والوں نے ہرگز اسکا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے پمفلٹ پاکٹ والے۔ ریل والے متفق اللفظ
اسکے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں وہ مجھ کو
لکھو۔ مدعا یہ ہے کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں تک پہنچ جائے۔ اس خط کا جواب جسقدر جلد لکھو گے
مجھ پر زیادہ احسان کرو گے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ۔ ۲۳ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً گ۔ بھائی تم جیتے رہو اور مراتب علیا کو پہنچو لو ایک ہنسی کی بات سنو۔ تمہارا خط منشی گنھیا لال کے
نام کا میرے پاس آیا۔ ہرچند میں نے خیال کیا اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا نہ وہ انکی کہ مجھ سے

کہہ نہ دیا کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیج دینا۔ بےخبری میں جو خط آیا ہیں نہ نام سے واقف نہ مقام سے واقف۔ خط پھیر نہ دوں تو کیا کروں خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ بھائی مرزا محمد حسین خان کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں کیا خوب بیان ہے فرماتے ہیں کہ میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔ انصاف کرو دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات۔ مَیں نسیان کا پتلا میرا قصور کیا۔ بہرحال یہ شریف ہیں اور عزیز روزگار کئے ہوئے ہیں صاحب بیٹے اودھ اخبار میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں اُن کی افزایش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے کہ بحوالہ اودھ اخبار لکھوں اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں۔ زیادہ زیادہ

اسد اللہ خاں غالب ۳۱۔ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالب کی دُعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا اور ایک خط چھوٹے صاحب کا پہنچا۔ تمہارے خط میں بھی پچاس روپے کے دو نوٹ پہونچے سو روپے وصول ہوگئے آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کو شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا میں اب محض نکما ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں ازانجملہ تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں میر ابراہیم علی خان صاحب میر عالم علیخان صاحب۔ نواب عباس علی خان رئیس حال رامپور کے حقیقی ماموں۔ غرضکہ انہیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں جس دن ذرا افاقت پاؤں گا تو ان سب کاغذ کو دیکھوں گا

۲۳ر اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق منشی میاں داد خان سیاح کو غالب ناتوان نیم جان کی دعا پہنچے۔ بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا جب حال یہ ہے تو کہو صاحب میں اشعار کو اصلاح

کیونکر دوں۔ اور پھر اس موسم میں کہ گرمی سے سر کا بھیجا پگلا جاتا ہے دھوپ کے دیکھنے کی تاب
نہیں رات کو صحن میں سوتا ہوں صبح کو دو آدمی ہاتھوں پر لیکر دالان میں لے آتے ہیں ایک کوٹھری
ہے اندھیری اس میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اُس گوشۂ تاریک میں پڑا رہتا ہوں۔ شام کو پھر
دو آدمی بدستور لیجا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں تمہاری غزلیں۔ میر ابراہیم علی خان بہادر کی
غزلیں۔ میر عالم علی خان کی غزلیں حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی
غزلیں یہ سب ایک جگہ دھری ہوئی ہیں اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گذر گئی
تو سب غزلوں کو دیکھونگا تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصوّر صاحب میرے دوست میرے
چہرے کی تصویر اُتار کر لیگئے اس کو تین مہینے ہوئے آجتک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے
مینے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروانا بھی ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں عید کے دن وہ آئے
تھے مینے اُن سے کہا کہ بھائی میری شبیہہ کھینچ دو۔ وعدہ کیا تھا کہ کل تو نہیں پرسوں اسباب
کھینچنے کا لیکر آؤنگا۔ شوال ذیقعدہ ذی الحجہ محرم یہ پانچواں مہینہ ہے آجتک نہیں آئے آغا
غلام حسین خان صاحب کا قطعہ پہنچا اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے اب اصلاح
دے کون۔ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ
بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا اُس کو موقع و محل بتا دیا جو میں کہتا گیا اس طرح وہ بناتا گیا۔
وہ قطعہ کا کاغذ بعد اصلاح کے اکمل المطابع میں بھیجدیا۔ ہفتہ آیندہ میں تم بھی دیکھ لوگے۔

مرگ ناگاہ کا طالب غالب ۱۱ جون ۱۸۶۶ء

بنام مولوی منشی حبیب اللہ خاں المتخلص بہ ذکا

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۲ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے
اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے۔ ظاہرا معاملہ عالم ارواح ہے اسباب ظاہری کو
اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے وقت پر پہنچیگا استر ہتیرا

اُردو میں ترجمہ پیر خرف ہے میری تہتر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہوا حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہوگیا۔ اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں رسمی پرسشِ مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپئے بھر شراب۔ اور اسی قدر گلاب خرف ہوں پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ روسیاہ ہوں۔ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم　　القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اسوقت کچھ افاقت تھی ایک اور خط ضروری لکھنا تھا جس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا اکر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔ ناچار اب کتابت جداگانہ لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے اور حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہیں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا سلطنت ضعیف ہوگئی تھی صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خان بہادر لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جاکر نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے کھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خان بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا اُس نے مجھے پالا ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا صوبہ داری کمشنری ہوگئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر عین حیات علاوہ

سال بھر میزبانی کی تھی کہ بمرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی وہ
اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ ۱۸۳۰ء میں
کلکتے گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا
گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ سرپیچ۔ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم خلعت ملا۔ زاں بعد
جب دلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت
دونوں بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد بند
چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرضکہ یہ خلعت ریاست کا ہے عوض خدمت نہیں۔ انعامی نہیں۔ معوج
الذہن نہیں ہوں۔ غلط فہم نہیں ہوں۔ بدگمان نہیں ہوں۔ جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا۔
دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بری
طرح کیا تھا۔ کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطالب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض
یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور یہ نہ جانا کہ تم مجھے دل سے
چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط کو پہچان کر
کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی
مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

ایضاً۔ بندہ پرور تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گرسنہ دم۔ کوتہ قلم نہ لکھے تو بے ادب بات ہے ولہ
خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خان کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد
مشاہدہ آپ کو بھیجا جائیگا۔ خان صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح
بھیجے جائینگے۔ ہا ہا ہا محرق قاطع کا تمہارے پاس پہنچنا ع کالے کہ خواستم ز خدا شد میسرم ٭ میں اس
خرافات کا جواب کیا لکھتا مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں
اسکے عیوب ظاہر کئے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور
منصف ہو محرق کو دیکھ کر جانوگے کہ مولف اس کا احمق ہے اور جب وہ احمق واضح ہو یا ان سوالات

عبدالکریم اور لطائف غیبی کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور محرق کو ڈھونڈا لا تو معلوم ہوا کہ بھیجا بھی ہے۔ دافع ہذیان۔ سوالات۔ لطائف غیبی۔ تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں یقین ہے کہ بتقدیم و تاخیر یک دو روز نظر انور سے گذریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بفور ورود لکھئے گا جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہونچے تو اس کی رسید رقم کیجائیگی۔ چار نسخے پارسل میں ہیں دو آپ لیجئے اور دو محمد نجیب خاں صاحب کو دیجئے۔ دو شنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء غالب

ایضاً۔ میرے مشفق میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کے ماننے والے مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے میرے محب۔ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے آگے ناتوان تھا اب نیمجان ہوں آگے بہرا تھا اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے۔ رعشہ و ضعف بصر جہاں چار سطریں لکھیں انگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں حروف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا بہت جیا اب زندگی برسوں کی نہیں مہینوں اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تمہارا پہونچا اس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا متواتر دوسرا خط مع غزل آیا غزل کو دیکھا سب شعر اچھے اور لطیف حافظ کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا غرضکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خط رجسٹری دار آیا گویا ستارہ دنبالہ دار آیا حیران کہ ماجرا کیا ہے۔ بارے کھولا اور دیکھا خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو وہیں رہ جائے تو وہ رہجائے ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر کیا مجال ہے جو مجھ تک نہ پہنچے وہانکے ڈاک کے کارپردازوں کو اختیار ہے مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں اس کا یہ حال ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو جواب خط کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۵۔ ذی حجہ ۱۲۸۲ھ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ مولانا ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اسکے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا

پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا اس میں اپنے اپنے خط کا جواب نہ پایا ناچار اس خط کے جواب کی نگارش
اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ نہ فطرت کیا دانہ اس تحریر کے
آنے پر مصروف رکھی گئی بارے وہ کل نظر فروز اور طبیعت اسکے مشاہدہ سے طرب اندوز ہوئی اب
درنگ ورزی کی تقصیر معاف کیجئے اور اپنے دونوں نگارشوں کا جواب لیجئے۔ صاحب تاریخ انطباع
کلیات خوب لکھی ہے مگر ہزار حیف کہ بعد از اتمام انطباع پہنچی اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور
تم چراغ دودمان مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے گویا یہ جملہ تمہاری
زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے طالب ہو۔ اس شیوہ میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش
میری قبول ہوتا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں واقعۂ حال دلنشین کرتا ہوں
جناب مولوی مؤیدالدین خان صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت و صفت
مرعی تھی کہ وہ مقتضی اسکی ہوئی کہ ہم میں اور اُن میں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یونہی
بلکہ روز افزوں رہیگا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یُوں نہ ہوتا تو میں
اُنکے نام کا خط تمہارے خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی
صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات
کی پارسل کا اُن کے پاس اور اُنکے ذریعہ عنایت سے اُس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار
الملک بہادر کی نظر سے گذرنا اور جو کچھ اسکے گذرنے کے بعد واقع ہو دریافت کرکے مجھ کو مطلع
فرمائیں۔ جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء غالب ۔

ایضاً۔ منشی صاحب لطافت نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خان کو غالب سوختہ
اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا پڑھ کر دل خوش ہوا تم میری بات پوچھتے ہو مگر میں کیا لکھوں ہاتھ
میں رعشہ۔ اُنگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے تو
اُس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے
موتی کی روح کو اُس کی بُو پہنچتی ہے ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں۔ غذا کو پہلے مقدار غذا کی تو لو یہ

منحصر تھی اب ماشون پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پہ ہے۔ بھائی اسمیں کچھ مبالغہ نہیں ہے بالکل میرا یہی حال ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی مرگ کا طالب غالب دوم شوال ۱۲۸۵ھ

ایضاً۔ جان غالب تم نے بہت دن سے مجھکو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گذر گئی اُس کا جواب تو سکوم چھوڑ کر لکھنا تھا مؤید برہان میرے پاس بھی آگئی ہے اور میں اسکی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں وہ تمہارے پاس بھیجونگا شرط موت بشر آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اسکا جواب میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو میں اب قریب مرگ ہوں تمنا بالکل مفقود اور امراض مستولی بہتر برس کی عمر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میاں محمد میران کو دعا۔ جواب کا طالب غالب ۱۴ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ بندہ پرور آج تمہارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی بیٹھے اسکا جواب ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط۔ اور مہینہ بیس دن میں پارسل پہنچیگا خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیگا آپکے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ بیٹھے پارسل کب آپکے پاس بھیجا اور کب آپکو لکھا کہ آپ یہ پارسل مؤید الدین خان کو دیجئے گا پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپکو اسکے رسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی مؤید الدین خان صاحب سے ملئے اور میرا خط آپکے نام کا ہے انہیں دکھائیے اور اُن سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی ہی نہیں جو میں یہ تصور کر دوں کہ اُردو عبارت سے استنباط مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہرحال اب مدعا سمجھ لیجئے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے۔ اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھئے۔

داد کا طالب غالب ۵ جمادی الاول ونوزدہم اکتوبر روز ورود نامی نامہ

ایضاً۔ بندہ پرور کل آپکا تلطف نامہ پہنچا آج میں پانچ طرز نو جس کا نقشہ میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں آپکے خط کا دوسرا ورق ہے پہچان لیجئے۔ اور معلوم کیجئے کہ آپکا مجموعہ کلام معجز نظام اور اسکے بعد

پیہم دو خط پہونچے ہیں صحیفۂ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں بلکہ اُسی خط میں محمد نجیب خان کو سلام اور ارمغان
کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید بیٹنے لکھ دی ہے پارسل کے سرنامہ سے میرا نام مٹا نہیں
پارسل تلف ہُوا نہیں آٹھ دس روز ہوئے ہونگے کہ وہ مجلد اُسی پارسل ہیں کہ اس کو روگردان کر لیا
ہے بعد ادائے محصول آپکا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے یقین ہے کہ بعد آپکے خط کی روانگی کے آپکے پاس
پہنچ گیا ہوگا۔ ہاں صاحب خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اُس
حکم کے کہ میں اُس کو مولوی صاحب پاس پہنچاؤں بیٹنے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری
مُلاقات نہیں صرف اتحاد معنوی کے اقتضا سے اُنہوں نے واقع ہذیان لکھ کر فن سخن میں مجھ کو
مدد دی ہے منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک انکے شاگرد اور میرے آشنا ہیں اُن کو وہ خط بجنسہ بھیجدیا
یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دینگے انہیں کے اظہار سے دریافت ہُوا ہے کہ مولوی
صاحب مرشدآباد بنگالہ میں ہیں نواب ناظم نے اُن کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک
ایک قدردان پایا۔ غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی ؎

کسم بجو و نہ پذیرفت و و ہر بازم بُرد چو نامۂ کہ بود نانوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے ولیعہد خسرو دہلی میرزا فتح ملک بہادر مغفور کے قصیدہ کا اور دیکھو ایک رباعی میری ؎

دستم بہ کلید مخزنے می بایست ور بود تہی بہ دامنے می بایست
یا ہیچ گہم بکس نیفتادے کار یا خود بزمانہ چوں منے می بایست

اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ دوست روحانی و برادر ایمانی مولوی حبیب اللہ خان منشی کو فقیر غالب کا سلام تم نے
یوسف علی خان کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا اور اُن کا تخلص اور اُن کا خطاب کس سے معلوم کیا بغیر
نشان محلّہ کے اُن کو خط کیونکر بھیجا اور وہ خط اُن کو کیونکر پہونچا ع حیرت اندر حیرت ست اے یار من ٭
پہلے یہ تو کہو کہ درفش کاویانی اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہونچا ہے یا نہیں اگر پہونچا تو
مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی ؎

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخۂ درخصوصِ گفتگوے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو اور دیباچۂ ثانی جدید کی داد دو۔ اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع دو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔ زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنے رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہترواں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا۔ اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بن کر اٹھتا ہوں تو پنڈلیاں لرزتی ہیں معہذا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے اٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا بعد اراقہ بول بے توقف نیند آجاتی ہے ماہ ـــ کی آمد نا کا خرچ ہر مہینے میں مالعہ ر کا گھاٹا۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں۔ مردن ناگوار بدیہی ہے۔ مرنا کیونکر گوارا ہوگا۔ جواب خط کا طالب غالب۔ شنبہ از روے جنتری ۲۶ اور از روے رویت ۲۵۔ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴۔ دسمبر ۱۸۶۶ء بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں +

ایضاً۔ جان جانان بلکہ جان مولوی منشی حبیب اللہ خان کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ و سرور سینہ منشی محمد میران کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کے ظہور کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادہ کی طرف سے لکھی ہے الخط الجبینہ تمہاری تھی اب تم بتاؤ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے۔ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا ظاہرا اب تم نے وطن سے بلایا ہے مفصل لکھو کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے یہ اکیلا آیا ہے یا تمہاری ماں کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے ہاں صاحب محمد میران یہ اشتفسی اس کا ہے کہ آپ تو سمجھتے ہوں منشاء افراط پرسش و وفور محبت ہے نہ فضولی۔ یوسف علی خان شریف و عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپیہ مہینہ پاتے تھے جہاں سلطنت گئی وہاں وہ تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں ریختہ کہتے ہیں

پیشہ ہیں مضطر ہیں۔ ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ انکا باپ میرا دوست تھا۔ میں اُن کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینہ مقرر کر دیا ہے مگر بسبب کثرت عیال وہ اُن کو مکتفی نہیں۔ تم اُن کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے تو کیا کرو گے صاحب میں بعین عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اُس کا مؤید بُرہان ہے۔ اُس رسالہ میں وفع کئے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کئے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں پس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اُس دوست کو اور چار جلدیں درفش کاویانی علاوہ اوراق مذکور بھیج دے۔ اسی زمانہ میں تین چار ورق خوب یاد ہے کہ درفش کی جلدیں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے درفش کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع درفش زینت طاق نسیان ہیں دو ورق اس لفافہ میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے اور بس۔ ہاں صاحب اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ مکان تنگ ست جہان تنگ ست مع مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکن وسیع پھر مہینہ بھر بعد اُسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپیہ مہینہ بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے اور اُن کے شاگرد وضیع تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے آپ سے اس روداد کی تفصیل اور جواب و اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں بسبیل استعجال۔ دوشنبہ ۱۶ شعبان ۱۲۸۳ھ ہجری

بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب میرزا تفتہ

آج منگل کے دن ۵۔ اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تمہارا اور ایک خط بابو صاحب کا لایا۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے

مگر ایک امر میں حیران ہوں کہ کیا کروں یعنی اُنہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا میرے پاس بھیجا ہے اور مجھ کو یہ لکھا ہے کہ اُس کو اُلٹا میرے پاس بھیجدینا حالانکہ خود لکھتے ہیں کہ میں اپریل کی چوتھی کو سپاٹو یا آبو جاؤنگا۔ اور آج پانچویں ہے۔ بس وہ تو کل روانہ ہو گئے اب میں وہ خط کس کے پاس بھیجوں۔ ناچار تم کو لکھتا ہوں کہ میں خط کو اپنے پاس رہنے دونگا جب وہ آ کر مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع دینگے تب وہ خط اُن کو بھیجوں گا تم کو تردد نہ ہو کہ کیا خط ہے۔ خط نہیں بینڈ صولال کا تھا عرضی تھی۔ بنام مہاراجہ بیکنٹھ باشی سعادت[1] بابو صاحب پر مشتمل کہ اُسنے لکھا تھا کہ ہردیو سنگھ جانی جی کا دیوان اور ایک شاعر دہلی کا دیوان مہاراجہ جے پور کے پاس لایا ہے اور جانی کی درستی روزگار جے پور کی سرکار میں کرتا ہے اور اسکے بھیجنے کی یہ وجہ کہ پہلے اُن کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ کسی نے ایسا کہا ہے میں نے ان کو لکھا تھا کہ تم کو میرے سر کی قسم اب ہردیو سنگھ کو بلوالیں امر جزوی کے واسطے امر کلی کا بگاڑ نہیں چاہتا اُس کے جواب میں اُنہوں نے وہ عرضی بھیجی اور لکھ بھیجا کہ راجہ مرنے والا ایسا نہ تھا کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا اُسنے یہ عرضی گذرتے ہی میرے پاس بھیجدی فقط بارے خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی مگر اپنی فکر پڑی یعنی بابو صاحب آبو ہونگے۔ اگر ہردیو سنگھ پھر کر آئیگا تو وہ بغیر اُن کے ملے اور اُن کے کہے مجھ تک کاہے کو آئیگا۔ خیر وہ بھی لکھتا ہے کہ راول پنڈی گیا ہوا ہے اُس کے آنے پر رخصت ہوگی۔ دیکھئے وہ کب آوے اور کیا فرض ہے کہ اُس کے آتے ہی رخصت ہو ہی جائے۔ تمہاری غزل پہنچی۔ یہ البتہ کچھ دیر سے پہونچے گی تمہارے پاس گھبرانا نہیں۔ والدعا از اسد اللہ نگاشتہ۔ سہ شنبہ روز ورود نامہ ومرسلہ چہار شنبہ ششم اپریل ۱۸۵۳ء جواب طلب۔

ایضاً۔ تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ غزل نے صحت کر لی۔ جانی کا اُس سے آنا معلوم ہوا آویں تو میرا سلام کہنا۔ [illegible] میں پایہ عالی نہیں رکھتا مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی تمہاری ہمت پر سو ہزار

[1] سعادت بکسر اوّل [illegible]

آفرین ہے۔ جے پور سے مجھ کو اگر دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض رفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی
زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ یہ پانسو تو بھائی تمہاری جان کی قسم متفرقات میں جا کر سو
ڈیڑھ سو بچ رہینگے۔ سو وہ میرے صرف میں آوینگے۔ مہاجنوں کا سودی جو قرض ہے وہ بقدر
پندرہ سولہ سئے کے باقی رہیگا اور وہ جو سو بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے وہ صرف انگریزی
سوداگر کے دینے تھے قیمت اُس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمہارے مشرب میں حلال
ہے سو وہ دیئے گئے یقین کہ آجکل میں بابو صاحب کا خط مع ہنڈوی آجائے۔ بابو صاحب کے
جو خطوط ضروری اور کاغذ ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے وہ بعینہ پنجشنبہ ۲۶ مئی کو
پارسل میں اُن کے پاس روانہ کر دیئے اور اُس میں لکھ بھیجا کہ ہنڈوی اور میرے بھیجے ہوئے لفافے
جلد بھیجدو۔ پنجشنبہ ۱۵ دن آج پورے ہوئے۔ از اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ نہم جون ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ بھائی جس دن تم کو خط بھیجا تیسرے دن ہر دیو سنگھ کی عرضی اور پچیس روپے کی رسید
اور پانسو کی ہنڈوی پہونچی۔ تم سمجھے بابو صاحب نے پچیس روپے ہر دیو سنگھ کو دیئے اور مجھ سے
مجرا نہ لیئے بہر حال ہنڈوی ۱۲ دن کی میعادی تھی ۶ دن گذر گئے تھے ۶ دن باقی تھے مجھ کو صبر کہاں
مِتّی کاٹ کر روپے لے لیئے قرض متفرق سب ادا ہوا بہت سبکدوش ہو گیا آج میرے پاس
۱۱عہ نقد بکس میں اور ۴ بوتل شراب اور ۳ شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ الحمد للہ
علیٰ احسانہ بھائی صاحب آ گئے ہوں تو میر قاسم علی خان کا خط اُن کو دیدو اور میرا سلام کہو اور پھر
مجھ کو لکھو تا کہ میں اُن کو خط لکھوں۔ بابو صاحب بھرت پور آ جائیں تو آپ کاہلی نہ کیجئے گا۔ اور اُنکے
پاس جائیے گا کہ وہ تمہارے جویائے دیدار ہیں۔ اسد اللہ سہ شنبہ ۱۴ جون ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صاحب کیوں مجھے یاد کیا کیوں خط لکھنے کی تکلیف اُٹھائی پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو جیتا
رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی قمر الدین خان کا سلام بھی آیا اور بھائی منشی نبی بخش کی خیر و عافیت بھی
معلوم ہوئی وہ تو پنشن کی فکر میں تھے ظاہرا یوں مناسب دیکھا ہو گا کہ نوکری کی خواہش کی حق تعالیٰ
اُن کی جو مراد ہو بر لاوے اُن کو میرا سلام کہہ دینا بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا مولوی قمر الدین خان کو بھی سلام

کہنا تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو۔ چار جزو ہیں تو۔ بیس جزو ہیں تو بے تکلف بھیج دو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا۔ صرف سخن فہم رہ گیا ہوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتانے کی گون کا ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھنا شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر وہ اجزا جلد بھیج دو۔

غالب یکشنبہ ۱۲ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارے اوراق مثنوی کا پیکٹ پرسوں ۱۵ اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی صاحب کی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں اُس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہیں معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول طبع ہوئی یا نہیں نہیں معلوم بھائی نبی بخش صاحب کہاں ہیں اور کس طرح ہیں اور کس خیال میں ہیں نہیں معلوم مولوی قمر الدین خان الہ آباد سے آ گئے یا نہیں۔ اگر نہیں آئے تو وہ وہاں کیوں متوقف ہیں میر منشی قدیم وہاں پہنچ گئے اپنا کام کرنے لگے یا کر رہے ہیں آپ کو بتاکید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھیے اور جلد لکھیے۔ اس خط کے بھیجنے تک اغلب ہے کہ پارسل پہنچ جائے۔ اُس کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے گا۔ اب ایک اور سنو میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے۔ اور کوئی لفظ عربی نہ آئے جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے وہ عربی۔ انگریزی۔ ہندی جو ہیں وہ لکھ دیے ہیں مثلاً تمہارا نام منشی ہرگوپال منشی لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا۔ اس کی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے۔ دو میرا خط چھپا اس قدر میں ہے نہ چھپا انگنجایش۔ اوراق بے سطر ہیں اس طرح کہ کسی صفحہ میں ۲۰ سطر اور کسی میں ۲۲ سطر اور کسی میں ۲۱ سطر بھی آ سکے چالیس ۴۰ صفحے ۲۰ ورق ہیں۔ اگر ۲۱ سطر کے مسطر سے کوئی گنجایش لکھے تو شاید ۵ جزو میں آ جائے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے سنتا ہوں کہ آگرے میں [illegible] چھاپے خانے ہیں [illegible] اگر وہیں اس کو چھاپا جا سکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تمہید سے [illegible]

بے نوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں لیکن صاحب مطبع اتنے پر کیوں مانیگا۔ اور البتہ چاہیئے۔ اگر ہزار نہ ہوں تو پانسو جلد تو چھاپی جائے یقین ہے کہ پانسو سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں ۳ ر۔ ۴ ر قیمت پڑے۔ کاپی تو ایک ہی ہوگی رہا کاغذ وہ بھی بہت نہ لگے گا لکھائی متن کی تو آپکو معلوم ہوگئی حاشیہ پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائینگے۔ بہرحال اگر ممکن ہو تو اسکا تکدمہ کرو اور حساب معلوم کر کے مجھ کو لکھو اگر منشی قمرالدین خان آگئے ہوں تو ان کو بھی شریکِ مصلحت کر لو۔ ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اُس مطلب خاص کا جواب یہ سب ایک خط میں پاؤں ضرور ضرور ضرور۔ غالب نگاشتہ و روان داشتہ۔ شنبہ ہفدہم اگست ۱۸۵۸ء جواب طلب واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا گیا۔

ایضاً۔ للہ الشکر تمہارا خط آیا اور دل سودا زدہ نے آرام پایا تم میرا خط اچھی طرح پڑھا نہیں کرتے۔ مینے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجائے مینے یہ لکھا تھا کہ عبارت اسقدر ہے کہ دو جزو میں آجائے لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو بہرحال اس نمونہ کی تقطیع اور حاشیہ مطبوع ہے لغات کے معنے حاشیہ پر چڑھیں اسکی روش دلآویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔ رباعی حاشیہ پر لکھدی اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ ان کو بتائے ہیں ضرور لکھوا دینا مینے جو تم کو میرزائی کا خطاب دیا ہے اُن فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔ بہت ضروری یہ امر ہے اور مَیں منشی شیونرائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں تیسرے صفحہ کے آخر یا چوتھے صفحے کے اوّل یہ جملہ ہے۔ اگر دم دیگر بہ نہیب مباش بهم زند نہیب کی جگہ نواے بناو بنا بہ نواے مباش بهم زند نہیب لفظ عربی ہے۔ اگر رہجائیگا تو لوگ مجھ پر اعتراض کرینگے تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے اور اسی جگہ نواے لکھدیا جائے۔ رائے امید سنگھ نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی حق تعالیٰ ان کو اس کارسازی اور فقیر نوازی کا اجر دے صاحب کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آپڑا ہے اور پھر کام کیسا کہ جس میں میری جان اُلجھی ہوئی ہے اور مینے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے خدا کے واسطے پہلو تہی نہ کرو اور بدل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی

ہو گیا ہے۔ چھ جلد اُن کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبداللطیف کا کرو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ
میں تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں تصحیح بھائی کریں تزئین تم کرو۔ کہتا ہوں مگر نہیں جانتا کہ تزئین
کیونکر کیا چاہیے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی کی قلم پھیر دیتے ہیں تاکہ حروف
روشن ہو جائیں۔ سیاہ قلم سے جدول بھی کھچ جاتی ہے پھر جلد بھی پُر تکلف بن سکتی ہے بھتیجے کی
دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری اُن کی میرے کس دن کام آوے گی۔ میرزا تفتہ تم بڑے بے درد ہو
دلّی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تم اُس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نجیب بند تو میسّر نہیں صحاف
اور نقاش کہاں شہر آباد ہوتا تو میں آپکو تکلیف کیوں دیتا یہیں سب درستی میری آنکھوں کے
سامنے ہو جاتی قصہ مختصر یہ عبارت منشی عبداللطیف کو پڑھا دو میں تو اُنکے باپ کو اپنا حقیقی بھائی
جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں تو کیا عجب ہے دو روپے فی جلد اس سے
زیادہ کا مقدور نہیں جب مجھ کو لکھو گے ہنڈوی بھیج دوں گا چھ روپے آٹھ روپے دس روپے علاوہ
روپے میاں کو سمجھا دینا لکھو ہاں طرف نگریں چھپی اچھی بنے۔ نہایت بارہ روپیہ میں چھ جلدیں تیار
ہوں منشی شیو نرائن کو سمجھا دینا کہ زنہار عرف نہ لکھیں نام اور تخلص بس ساتھ اُسکے خطابی کا لکھنا
نامناسب بلکہ مضر ہے مگر ہاں نام کے بعد لفظ بہادر کا اور بہادر کے لفظ کے بعد تخلص اسد اللہ خان
بہادر غالب۔ بھائی تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی کہیں وہ پارسل میں سے گر تو نہ گئے ہوں
دیکھو کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے اور اُنکے چھاپنے کی ممانعت ضرور ہے
مگر میں اُس کی عبارت کیا بتاؤں صاحب مطبع اس امر کو آگے وہیں آخر کتاب پر لکھ دیں منشی جی سے
نثر لکھوا لو منشی عبداللطیف کو یہ خط پڑھا دو۔ نجیب کی جگہ نرا بنا دو۔ صاحب مطبع کو میرا پتہ بتا دو
خاتمہ پر ممانعت کا حکم صاحب مطبع سے لکھوا دو برخوردار عبداللطیف سے تعداد روپیہ کی دریافت
کر کے مجھ کو لکھ بھیجو۔ اپنی مثنوی کی رسید لکھو اپنے جان و دل مصروف ہونے کا اقرار کرو۔ اِن
سب امور کی مجھے خبر دو۔ غالب جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء ہنگام نیم روز

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دو لفافے تمہارے مع کل پرتے پہنچے ہیں حاشیہ پر لکھے ہوئے نجیب کے

لفظ کو چھیل کر بنوا ے بنا دیا ہو گا۔ برخوردار منشی عبداللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہو گا اُن کی
سعادتمندی سے یقین ہے کہ میری التماس قبول کریں اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جاتی اور چھاپا ہونا
شروع ہو گیا ہو گا۔ اگر پتھر بڑا ہے تو چاہئے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد
منطبع ہو جائے۔ بھائی منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں مجھ پر مہربان اور حسن کلام کے
قدردان ہیں اُن کی تصحیح میں بے پروائی کرینگے تو کیا میری تفضیح کے روادار ہونگے۔ بھائی تم نے بھی
اور منشی شیونرائن صاحب نے بھی لکھا ہے میں ایک عبارت لکھتا ہوں اگر پسند آئے تو خاتمہ عبارت میں
چھاپ دو نامہ نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے کہ یہ جو میری سرگزشت کی داستان ہے اُس کو میں نے
مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ اور صاحبان
مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں اپنے مطبع میں اُسکے چھاپنے پر جرأت نہ کریں۔ اسکے
سوا اگر کوئی طرح کی تحریر منظور ہو تو منشی شیونرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں
یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب دو امر ضروری الاظہار تھے اسواسطے یہ خط لکھا ہے۔ ایک تو
اُردو عبارت دوسرے یہ کہ میرے شفیق مکرم سید مکرم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اور اُنہوں
نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں تم کو چاہئے کہ ان سے کہدو
بلکہ یہ عبارت ان کو دکھا دو۔ بندہ پرور نواب عطاء اللہ خان میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں اُنکے
فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دونو صاحب صحیح و سالم ہیں شہر سے باہر دو چار
کوس پر کوئی گانوں ہے وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور اُنکے مکانات
قرق ہیں ضبط ہو گئے ہیں نہ واگذاشت کا حکم ہے ۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے۔ بھائی تضمین گلستان چھپوا کر کیا فایدہ
اُٹھایا ہے جو انطباع سنبلستان سے نفع اُٹھاؤ گے۔ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگر چہ قلیل ہو
اور اگر روپیہ لینا منظور ہے تو ہرگز اندیشہ نہ کرو اور درخواست دیدو۔ بعد نو مہینے کے روپیہ تم کو ملجائیگا
یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہو گا۔ اگر ایسا نا ہوا بھی تو ہوتے ہوتے اُسکو مدت چاہئے

رستخیز بیجا ہو چکا۔ اب ہو تو رستخیز ہو یعنی قیامت اور اُس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہو گی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو یہی رستخیز کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں احتمال فتنہ سال آیندہ پر رہا سو بھی موہوم یہاں میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ شخص والی رامپور کا اُستاد تھا اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ ہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو گئے تھے مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا اور سو روپیہ مہینہ کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے ان کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ یہ تو سب سُن لیا اب تم اصل حقیقت سُنو۔ نواب یوسف علی خاں بہادر تخمیناً تیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینہ ماہ بماہ بھیجتے ہیں بُلاتے رہتے تھے اب میں گیا دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا وہ سو روپیہ مہینہ یہاں رہوں وہاں رہوں خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔ غالب ۲۱۔ مارچ ۱۸۶۰ء۔

ایضاً۔ کیوں صاحب کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلّی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں بھلا اگر یہ حکم ہُوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جائے بہرحال ع کس نشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم۔ کل جمعہ کے دن ۱۲ تاریخ نومبر کو ۳۴ جلدیں چھپی ہوئی برخوردار شیو نرائن کی بھیجیں۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ سیاہی۔ چھاپا سب خوب۔ دل خوش ہُوا اور شیو نرائن کو دعا دی سات کتابیں عزیز امام علی صاحب کی تحویل میں ہیں وہ بھی یقین ہے کہ اُن کو پہنچ جائیں۔ معلوم نہیں منشی شیو نرائن نے اندور کو واسطے راجا امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ہیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔ صاحب اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رہو گے آگرہ کب جاؤ گے۔ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب۔

ایضاً۔ صاحب ۲۰ اپریل کو ایک خط [illegible] ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں آج ۳ ہے یقین ہے

خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہونگے۔ ایک امر ضروری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اسوقت
روانہ کرتا ہوں۔ ایک میرا دوست اور تمہارا ہمدرد ہے اُسنے اپنے حقیقی بھتیجے کو بیٹا کر لیا تھا۔ اٹھارہ انیس
برس کی عمر قوم کا کھتری۔ خوبصورت وضعدار نوجوان ۱۲۷۵ھ میں بیمار پڑ کر مر گیا اب اُس کا باپ مجھ سے
آرزو کرتا ہے کہ ایک تاریخ اسکے مرنے کی لکھوں ایسی کہ وہ فقط تاریخ نہ ہو بلکہ مرثیہ ہو کہ وہ اُس کو پڑھ
پڑھ کر رویا کرے سو بھائی اس سائل کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شعر متروک معہذا یہ واقعہ تمہارے
حسب حال ہے جو خونچکان شعر تم نکالو گے وہ مجھ سے کہاں نکلینگے بطریق مثنوی بیس تیس شعر لکھ دو
مصرع آخر میں مادۂ تاریخ ڈال دو۔ نام اُس کا برج موہن تھا۔ اور اس کو بابو بابو کہتے تھے چنانچہ میں بحر
ہزج مسدس مخبون میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں چاہو اُس کو آغاز میں رہنے دو اور آیندہ اُسی بحر میں
اور اشعار لکھ لو۔ چاہو کوئی اور طرح نکالو لیکن یہ خیال میں رہے کہ سائل کو متوفی کے نام کا درج ہونا
منظور ہے اور بابو برج موہن سوائے اس بحر کے یا بحر رمل کے اور بحر میں نہیں آسکتا وہ شعر میرا یہ ہے

برم چوں نام بابو برج موہن — چکد خونِ دلِ ریش از لبِ من

غالب۔ نگاشتہ۔ روز جمعہ سی ام۔ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ بھائی تمہارا وہ خط جس میں اوراق مثنوی ملفوف تھے پہونچا۔ اوراق مثنوی اوراق دستنبو کے ساتھ
پہنچ گئے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا صاحب تم نے
مرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا۔ بات اتنی تھی کہ وہ مجھ کو لکھ بھیجتے کہ نثر آئی اور مرزا صاحب نے پسند کی
اب اُن سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپکے شکر بجا لانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ چھاپے کے باب میں جو لکھے
لکھا وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے تب جانو گے کہ اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں
اسواسطے ہے کہ اس میں سے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجونگا۔ اور ایک جلد بذریعہ
اُن کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کروں گا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اسکا
اطلاع کیوں نا مطبوع ہو گا۔ جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا وہ کون ملا تھا جسنے تم کو پڑھایا
ع گرچہ عمل کار خردمند نیست۔ عمل کار اہل کار۔ یہ شعر شیخ سعدی کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے ع

جو بجز خردمند مفرما عمل (یعنی خدمت و اعمال سوائے علما و عقلا کے اور کی تفویض نہ کر) پھر خود کہتا
ہے ع گرچہ عمل کار خردمند نیست (یعنی اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا
کام نہیں۔ اور عقل سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالے) عمل الگ ہے اور کار دیگر مضاف ہے
بطرف خردمند کے ورنہ دُہائی خدا کی عمل کار اہل کار کے معنی پر نہیں آتا۔ مگر قتیل اور واقف یا اور پورب کے
ملکیوں کی فارسی ؎

ایضاً۔ میری جان کیا سمجھے ہو سب مخلوقات تفتہ و غالب کیونکر بن جائیں ع ہر کسے را بہر کارے ساختند ؎
انت ستا سو ستا مصری میٹھی نمک سلونا کبھی کسی شے کا مزا نہ بدلیگا۔ اب جو میں اُس شخص کو نصیحت
کروں وہ کیا نہ سمجھے گا کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمن کون ہے اور مجھ سے اُس سے کیا ہم ردائے
پیشہ جانیگا کہ تفتہ نے لکھا ہوگا۔ میں اس کی نظروں میں سبک ہو جاؤنگا اور تم سے وہ اور بھی سرگراں
ہو جائیگا اور یہ جو تم لکھتے ہو کہ تم نے اُس شخص کو اپنے [illegible] یزداں [illegible] گنتا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم
کو مسلمان یا ہندو یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں دوسرا مانے یا نہ مانے۔ باقی
رہی وہ عزیز داری جس کو اہل دنیا قرابت کہتے ہیں اُس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط
ہے اور اُس کے مراتب و مدارج ہیں۔ [illegible] اس دستور پر دیکھو تو مجھ کو اُس شخص سے خس برابر
علاقہ عزیز داری کا نہیں۔ اور حسن اخلاق اگر عزیز یہ قصیدہ کہہ دیا تو کیا ہوتا ہے۔ زین العابدین خان
عارف میرے ساتھ کا شخص [illegible] کے ساتھ کا [illegible] اُس کو پوچھا تو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے
آدمیت نہ ہوئی تو اب اُس کی رعایت [illegible] بیجا ہے [illegible] اور نواب مصطفیٰ خان سے تمام
پہلے ہی دریافت کر چکے ہیں۔ اب تمہارے خط سے اور [illegible] معلوم ہو گیا۔ حق تعالیٰ
شاد و خوش و خرم رکھے۔ [illegible] جمعہ ۲۲ [illegible] ؎

ایضاً۔ صاحب [illegible] تمہارا خط [illegible] خوش [illegible] کہتا ہوں کہ تمہارے کلام کی
تحسین کرنے والے [illegible] اپنے فہم کی تعریف [illegible] جواب میں [illegible] سے ہوں اگر
مصطفیٰ خان کی [illegible] وہاں سے آیا آج تم کو

خط بھجوایا۔ محررہ و مرسلہ چہار شنبہ ۲۶ جنوری ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط بانٹا کرتا ہے آیا اور اُسنے پارسل موم جامے میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے اُس کی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پیم فلٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگے ہوئے مگر اُس کے آگے کالی مُہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا ہرکارہ نے کہا کہ بھر دلوائیے۔ دلوا دئے اور پارسل لے لیا مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی اور اُس کو بیرنگ خطوں کے ڈاک میں بھیجدیا۔ وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں یعنی منشی بھگوان پرشاد مثل خوان میرا سلام قبول کریں۔ غالب ۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے مکالمہ ہے۔ آج صبح کو ایک بھیج چکا ہوں اب اسوقت تمہارا خط اور آیا سنو صاحب لفظ مبارک میم حا میم دال اُس کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ یعنی محمد اسد اللہ خاں نہیں لکھا جاتا میں نے بھی توقف کر دیا ہے۔ رہا میرزا و مولانا و نواب اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔ بھائی کو کہنا اُن کے خط کا جواب صبح کو روانہ کر چکا ہوں مرزا تفتہ اب تم تین جلدہائے کتاب کے باب میں برادرزادہ سعادتمند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہربان کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں خط تمام کر کے خیال میں آیا کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے تم پر بھی ظاہر کر دوں صاحب وہاں ایک اخبار موسوم بہ آفتاب عالمتاب نکلتا ہے اُسکے مہتمم نے التزام کیا ہے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے حالات لکھتا ہے نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ہے حکیم احسن اللہ خاں یہ چاہتے ہیں کہ سابق کے جو اوراق ہیں جب سے ہوں وہ چھاپہ خانہ میں مسودہ رہتے ہیں اُس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے اُجرت جو کچھ آئیگی وہ بھیجی جائیگی۔ اور ابتدائے ۱۸۵۵ء سے اُن کا نام خریداروں میں لکھا جائے وہ ہفتے کے دو نمبر اُن کو ایک لفافہ میں بھیجدیئے جائیں اور پھر ہر مہینے ہفتہ در ہفتہ اُن کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں اور ابتک آثار قبول

ظاہر نہیں ہوئے۔ نہ لفافے حکیم صاحب پاس پہنچے نہ اُن صفحات کی نقل میرے پاس آئی ہاں مگر
اس میں سعی ضرور ہے۔ اور ہاں صاحب آفتاب عالمتاب کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے۔ مگر آپ
مجھ کو لکھیں کہ مفید خلائق کا مطبع کہاں ہے عجب ہے کہ ان صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب
نہیں لکھا۔ فرمایش حکیم احسن اللہ خان صاحب کی بہت اہم ہے بعد الملاقات میرا سلام کہہ کر اُس کا
جواب بلکہ وہ اخبار اُن سے بھجوائیے۔ جمعہ ۔ ستمبر

ایضاً۔ بھائی بیٹے مانا تمھاری شاعری کو میں جانتا ہوں کہ کوئی دم تم کو فکر سخن سے فرصت نہ ہوگی پر جو
تم نے التزام کیا ہے تسجیع کی صنعت کا اور دولخت شعر لکھنے کا اس میں ضرور نشست معنی بھی ملحوظ رکھا
کرو۔ اور جو کچھ لکھو اُس کو دوبارہ سہ بارہ دیکھا کرو کیوں صاحب بہ ذریعہ ڈاک پوسٹ پیڈ بھیجا اور وہ بھی
دلی سے سکندر آباد کو آیا۔ خاتم کے سوا اور میرے سوا کس نے کیا لکھا ہوگا کیا ہنسی آتی ہے تمھاری باتوں
پر۔ شہنام کو جیتا رکھے اور جو کچھ تم چاہو تم کو دے۔ جانی جی کی بڑی شکایت ہے میں تم کو لکھا چاہتا تھا کہ ان کا
حال لکھو تمھارے خط سے معلوم ہوا تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں یقین ہے کہ اجمیر میں ہونگے
کہ خط نہیں پہنچا جاتا اور وہاں مقیم نہیں ہیں خدا جانے کب پہنچیں بہر حال تم بھرت پور سے قریب ہو
[illegible] ان کے متوسلوں کو جانتے ہو اور اگر ہو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگوالو اور جو کچھ تم کو معلوم ہو وہ بھی
مجھ کو لکھو۔ منشی صاحب یعنی منشی عبد اللطیف کل یہاں آگئے کل اُن کا خط مجھ کو آیا تھا آج اُس کا
جواب بھی روانہ کر دیا۔ اسد اللہ۔ یکشنبہ ۱۰ اگست ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ بھائی آج مجھ کو بڑی تشویش ہے اور یہ خط میں تم کو کمال سراسیمگی میں لکھتا ہوں جس دن یہ
خط پہنچے اگر وقت ڈاک کا ہو تو اسی وقت جواب لکھ کر روانہ کرو اور اگر وقت نہ ہو تو چار ونا چار دوسرے
دن [illegible] اضطراب [illegible] ہے کہ کئی دن سے [illegible] بھرت پور کی بیماری کی خبر سنی جاتی
تھی کل [illegible] ہے بھرت پور سے قریب ہو یقین ہے کہ تم کو تحقیق حال معلوم
ہو [illegible] مجھ کو [illegible] بھائی [illegible] اسی علاقہ میں تم بھی شامل
ہو [illegible] ایک قانون وضع کیا ہے یعنی [illegible] مرتا ہے مرکا

اُس ریاست پر قابض و متصرف ہو کر رئیس زادہ کے بالغ ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے۔ سرکاری بندوبست میں کوئی قدیم الخدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اِس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے مگر یہ وکیل ہیں معلوم نہیں مختار کون ہے اور ہمارے بابو صاحب میں اور اس مختار میں صحبت کیسی ہے رانی سے اُن کی کیا صورت ہے تم اگرچہ بابو صاحب کی محبت کا علاقہ رکھتے ہو لیکن انہوں نے ازراہ دور اندیشی تم کو متوسل اُس سرکار کا کر رکھا ہے اور تم مستغنیانہ اور لاابالیانہ زندگی بسر کرتے تھے زنہار اب وہ روش نہ رکھنا۔ اب تم کو یہ لازم آپڑا ہے۔ جانی جی کے ساتھ روشناس حکام والا مقام ہونا۔ پس چاہئے کول کی آرایش کا ترک کرنا اور خواہی نخواہی بابو صاحب کے ہمراہ رہنا میری رائے میں یوں آیا ہے اور میں نہیں لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے اور مصلحت کیا ہے جانی جی بھرت پور آئے ہیں یا اجمیر میں ہیں کس فکر میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں واسطے خدا کے نہ مختصر نہ سرسری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو اور جو صورت ہو مجھ کو لکھو اور جلد کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے کل شام کو میں نے سنا آج صبح قلعہ نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر ازراہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے تم بھی اِس کا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں اور پوسٹ پیڈ پڑا رہتا ہے جب اس محلہ میں جانا ہوتا ہے تو اُس کو بھی لیجاتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں کہ پریشان ہوں۔ نوشتہ چاشتگاہ دوشنبہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء ضروری جواب طلب ٭

ایضاً۔ میاں مرزا تفتہ ہزار آفرین کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور تسلسل معنی سلاست الفاظ ایک مصرع میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا یہ بھی محل فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے وہ مصرع یہ ہے ع چاک گردیدم و از جیب بداماں رفتم پہلا مصرع تمہارا اگر اُس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا۔ خدا تم کو اتنا جلائے کہ ایک دیوان ۲۰ جزو قصائد کا کہہ لو۔ مگر خبردار قصائد بقیہ حروف تہجی نہ جمع کرنا صاحب مجھے اِس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اُس کا وطن اور پیشہ اب لکھا ہے سابق کا تمہارا لکھا ہوا سب یاد ہے۔ میں نے اُس کو دوست بطریق طنز لکھا ہے۔ بہرحال وہ جو میں نے خاقانی کا شعر لکھ کر اُس کو بھیجا اُس کی ماں مرے اگر میرے اُس خط کا

جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا۔ داغ کہنہ حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گذرا۔ اور جس دن گذرا اُسی دن پانچہزار روپیہ کے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ مظفر الدولہ مرحوم لکھنؤ سے آئے اُنھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار مینے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو کہ میرے قصیدہ پر کیا گذری۔ اُنھوں نے جواب لکھا کہ پانچہزار ملے۔ تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دئے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیجدو کیا اُسنے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا۔ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو۔ مینے لکھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے اس کے جواب میں اُنھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو۔ اُس کا مضمون یہ ہو کہ مینے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گذرا مگر مینے نہیں جانا کہ اُس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ ناسخ ہوں اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر اُن کا کھایا ہوا روپیہ اُن کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجدونگا۔ بھائی یہ خط لکھ کر مینے ڈاک میں روانہ کیا آج خط روانہ ہوا تیسرے دن شہر میں خبر اُڑی کہ نصیر الدین حیدر مرگیا اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے۔ غالب دوشنبہ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ آؤ مرزا تفتہ میرے گلے لگ جاؤ۔ بیٹھو اور میری حقیقت سنو۔ یکشنبہ کو مولوی مظہر الحق آئے تھے اُن سے سب حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو اُن کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم کپتان صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دونو دیوان تمھارے اور نشتر عشق اور ایک تذکرہ اور یہ چار کتابیں [illegible] کپتان صاحب تم سے بہت خوش اور تمھارے بہت معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں [illegible] کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ [illegible] التفات کا یہ کہ تمھارا [illegible] اچھی طرح سے لکھینگے باقی بانجیر شاہ سلامت اں اُن کے تحت میں [illegible] کے علاقے ہیں۔ اگر تمھاری اجازت ہو تو اس امر میں اُن سے کلام کروں [illegible] میرا کلام کیوں نہیں [illegible]

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی   بدست مرگ ولے برتر از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا تھا اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں سب مضمحل ہیں حواس سراسر
مختل ہیں حافظہ گویا کبھی نہ تھا شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی رئیس رامپور سو روپے مہینہ
دیتے ہیں سال گذشتہ اُن کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے اور میں اپنے میں حواس نہیں
پاتا متوقع ہوں کہ اس خدمت سے معاف رہوں جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے عوض خدمات
سابقہ میں شمار کیجیے تو میں سکہ لمبر سہی ورنہ خیرات خوار سہی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط خدمت ہے تو جو آپ کی
مرضی ہے وہی میری قسمت ہے۔ برس دن سے اُن کا کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرری نومبر تک آئی اب
دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے آج تک نواب صاحب از راہ جوانمردی دیئے جاتے ہیں اور بھائی تمہاری
مشق چشم بد دور صاف ہو گئی رطب و یابس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نہ خواہی تمہارا
عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو میری جان میرے بعد کیا کرو گے میں چراغ دم صبح و آفتاب
سر کوہ ہوں اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ ۱۴۔ رجب نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ مرزا تفتہ عجب اتفاق ہوا پنجشنبہ کے دن ۲۲ اپریل کو کلیان خط ڈاک میں ڈالکر آیا اُس کے
متعاقب پارسل کا ہرکارہ آیا اور تمہارا بھیجا ہوا پاکٹ لایا رسید لکھنی میں نے زاید سمجھی اور اُس کا
دیکھنا شروع کیا۔ بیکار محض اور تنہا ہوں پانچ پہر کا دن میری بڑی دل لگی ہو گئی خوب دیکھا سچ تو
یوں ہے کہ ان اشعار میں میں نے بہت حظ اُٹھایا۔ جیتے رہو۔ تمہارا دم غنیمت ہے۔ بھائی کا حال
مفصل لکھو پنشن کے طالب ہیں یا نوکری کے منشی عبد اللطیف کہاں ہے اور کس طرح ہے۔ علاقہ
بنا ہوا ہے یا جاتا رہا۔ صاحب لفٹنٹ گورنری کا محکمہ بالکل الہ آباد کو گیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے منشی
غلام غوث صاحب کہاں ہیں۔ نوکر ہیں یا مستعفی عدالت دیوانی کا محکمہ یہیں رہیگا۔ یا الہ آباد جائیگا۔ اس کا
اور گورنری کے محکمہ کا ساتھ ہے۔ چاہیے یہ بھی وہیں جائے آج تمہارے اشعار کا کاغذ بہم فلٹ پاکٹ
اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پانچ چار دن میں
پہنچ جائے۔ غالب یکشنبہ ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ مرزا تفتہ۔ ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجب مفرط کے موجب نشاط مفرط ہو گا۔ میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا بارے وہ نقشہ پنشن واروں کا جو یہاں سے بن کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ شخص پنشن پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجرا کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا۔ میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ ماہ آئندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہو گا۔ دیکھا چاہیے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔ غالب ۱۶۔ اپریل ۱۸۶۰ء۔

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا۔ میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔ امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ تیرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔ وہ جو مصرع تم نے لکھا ہے وہ حکیم سنائی کا ہے اور وہ نقل حدیقہ میں مرقوم ہے ؎

پسرے با پدر بزاری گفت ۔۔۔ کہ مرا یار شو بہرہ جفت

گفت با بازنا مکن و زن نہ ۔۔۔ پند از خلق گیر و از من نہ

ورنہ تا گر بگیرت سستے ۔۔۔ بہ ادب کو گرفت چوں تو بسے

زن کنی ہر گزت رہا نکند ۔۔۔ ور تو گیرد ازیش چہا نکند

بس تو اب تہ سکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤ گے۔ بنک گھر کا رسید پیہ اٹھا چکے ہو اب کہاں کھاؤ گے میاں نہ میرے سمجھانے کو زنہار ہے نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے۔ ایک شخص ہے کہ وہ چلا جاتا ہے جو ہوتا ہے وہ ہوا جاتا ہے آپ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبد القادر بیدل خوب کہتا ہے ؎

غیبت چہ و چہ دولت اسباب کدام ۔۔۔ زیں ہو سہا بلند یا کہ بسی گزرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست۔ نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ

زندہ جئے جاتا ہوں باتیں کئے جاتا ہوں روٹی روز کھاتا ہوں شراب گاہ پئے جاتا ہوں جب
موت آئیگی مر رہونگا نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بسبیل حکایت ہے بارے جہاں رہو
جس طرح رہو ہر ہفتہ میں ایکبار خط لکھا کرو۔ یکشنبہ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ دیکھو صاحب یہ باتیں ہم کو پسند نہیں ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو۔ اور مزا
یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے لطف اس میں ہے
کہ میں بھی سچا اور تم بھی سچے آجتک راے امید سنگھ یہیں ہیں اور ابھی نہیں جائینگے تمہارا مدعا حاصل
ہوگیا ہے جسدن وہ آئے تھے اُسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے میں بھول گیا اور اُس خط میں تم کو نہ
لکھا۔ صاحب وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی مجلد مرزا الفتہ کے دیوان کے اور کئی نسخے تضمین اشعار گلستان
کے اُن کی خواہش کے بموجب کوئی پارسی ہے بمبئی میں اسکے پاس بھیجدئے ہیں یقین ہے کہ وہ ایران
کو ارسال کریگا۔ امید سنگھ نے اُس پارسی کا نام بھی لیا تھا میں بھول گیا۔ اب جو تم کو اُس خیال میں
مبتلا پایا تو اُن کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں دو بار اُن کے گھر گیا بھی ہوں مگر
محلہ کا نام نہیں جانتا میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھ
بھیجونگا میر بادشاہ صاحب سے عند الملاقات میری دعا کہدینا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لکھنے کے
قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا تخلص کرتے آگئے اُن کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگاہ
مجھ سے آکر ملے اور تمہارا حال پوچھتے رہے میں نے کہدیا کہ بخیر و عافیت سکندر آباد میں ہیں۔ جب
میں نے اُن سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں اُنھوں نے کہا صاحب وہ بزرگ اور اُستاد ہیں میں انکا
شاگرد ہوں کہیں مدرسہ کے علاقوں میں نوکر ہیں بسبیل ڈاک آئے تھے اور آج ہی بسبیل ڈاک
انبالہ کو گئے۔ انبالہ اُن کا وطن ہے اور نوکر بھی وہ اُسی ضلع میں ہیں۔ غالب نگاشتہ دوشنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے خدا اُن کو
سلامت رکھے کل مرزا صاحب کے خط میں اُن کو ایک مصرع کسی اُستاد کا لکھ چکا ہوں میں سراسر اُنکا
ممنون احسان ہوں میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہونچنے کی اطلاع دینا میرے نام کا کوئی لفافہ

ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اُس پر کیا بجوگ پڑا۔ ظاہرا انہوں نے پوسٹ پیڈ بھیجا ہوگا پھر پوسٹ
پیڈ بھی کیوں تلف ہو۔ شیہہ بمعنی صدائے اسپ لغت فارسی ہے بشین معجمہ و یائے معروف و ہائے
ہوز مفتوح و ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اس کو صہیل کہتے ہیں۔ سیہہ کوئی لغت نہیں ہے نہ عربی
نہ فارسی اگر غنیمت کے کلام میں سیہہ لکھا ہے تو کاتب کی غلطی ہے غنیمت کا کیا گناہ۔ درخور زیبے
ہندسہ گاہے شمار یافت۔ اصل مصرع یوں ہے۔ بیٹے سہو سے خدا جانے کیوں لکھدیا ہے بھائی
مہرخوان کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار
سے رکھیں یعنی عرف حاشیہ پر شوق سے لکھواؤ مگر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس عبارت سے جو تمہارے ذکر
میں ہے پہلے مہرخوان کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں مکرر لکھنے کی حاجت کیا ہے اور اگر لکھ بھی دو
تو قباحت کیا ہے بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں۔ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا صاحبان
کونسل کی رائے ولایت آگرہ یعنی میرے حکم میں منظور و مقبول۔ نام میرا جس طرح چھپا ہو لکھدو۔

بنام آنکہ او نامے ندارد بہر نامے کہ خوانے سر برآرد

شفیق با تحقیق مولانا مہر ذرہ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو خط لکھ چکا ہوں آج یا کل پہنچ جائیگا
رات سے ایک بات اور خیال میں آئی ہے مگر چونکہ محکم و کار فرمائی ہے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں ڈرتے
ڈرتے عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں طلائی لوح کی ولایت کے واسطے تیار ہونگی اور
دہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہونگی اُن کی صورت یہی ٹھہری ہے کہ سیاہ قلم کی
لوح اور انگریزی جلد۔ کیوں بھائی صاحب قرار داد اور تجویز یہی ہے اب یہ پوچھا جاتا ہے کہ یہ چار جلدیں
کس کس کی نذر ہیں۔ نواب گورنر جنرل بہادر۔ چیف کمشنر بہادر۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی۔ ڈپٹی کمشنر بہادر
دہلی۔ یہ کیا میری بدنصیبی ہے کہ جناب ایڈمنسٹن صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انہیں
کی معرفت بھیجوں گا۔ نہ صاحب ایک جلد اُن کی خدمت ضروری ہے آپ گنجائش نکالکر جیسی یہ چار
جلدیں بنوائیں ایک اور بھی ایسی ہی بنوا لیں یقین ہے کہ آپ میری بات کو پسند فرمائینگے اور چار کی
جگہ پانچ بنوائینگے۔ یہ عرض مقبول اور گستاخی کا عذر خواہ ہوں معاف ہو۔ بھائی مرزا تفتہ کو

مرزا صاحب کے خط میں سے اُس مادہ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں، ایک قطعہ مرزا صاحب کا ایک قطعہ تمہارا بلکہ ایک قطعہ مولانا حقیر سے بھی لکھواؤ۔ صبح پنجشنبہ۔ سی ام۔ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اجی مرزا تفتہ تم نے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبویا ہائے کیا بُری کاپی ہے اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ تم یہاں ہوتے۔ اور بیگمات قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے۔ پائینچے لیر لیر۔ جوتی ٹوٹی یہ مبالغہ نہیں۔ بلکہ بے تکلف سنبلستان ایک معشوق خوبرو ہے بدلباس ہے۔ بہر حال دونوں لڑکوں کو دونوں جلدیں دیدیں اور معلم کو حکم دیا کہ اسی کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔ مرقومہ صبح شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۶۱ء

غالب

ایضاً۔ آج پنجشنبہ کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں کیا تماشہ ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی بیٹے کتب کا پہنچنا تم کو لکھا تھا اس کا تم نے ذکر نہ لکھا صاحب ۳۳ کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ہوئی موافق اُن کی تحریر کے آج شام تک اور بمطابق منشی شیو نرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائینگی اور بھی منشی شیو نرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی اطلاع دی ہے منشی نبی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ہیں۔ شاید میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں میر قاسم علی صاحب کی بددلی کا حال معلوم ہو یہ میرے بڑے دوست ہیں دلی ان دنوں میں آئے تھے مجھ سے مل گئے ہیں اُن کو ایک کتاب ضرور بھیج دینا۔ بھائی میں ہرگز نہیں جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے منصف ہوں کچھ اُن کے خاندان کا حال اور اُن کے والد کا نام لکھو تو میں غور کروں ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں

پنجشنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء وقت دوپہر

ایضاً۔ بندہ پرور ایک مہربانی نامہ سکندر آباد سے اور ایک علیگڈھ سے پہنچا یقین ہے کہ بابو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حال لکھیں گے اور تم موافق اپنے وعدہ کے مجھ کو لکھوگے اب جب اس

جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہ جانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائیگی اور میرے
کمال کو دھبّا لگ جائیگا۔ یہ لفظ عربی ہے۔ ہر چند مسودہ میں بنا دیا تھا لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا
لکھتے ہو کہ مرزا صاحب دو جلدیں درست کرینگے یہ تو صورت اور ہے یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپیہ کی
لاگت میں بکارسازی و ہنر پردازی برخوردار منشی عبد اللطیف چاہیں تھیں منتظر تھا کہ اب اُن کا قبول
کرنا مجھ کو لکھو گے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ ظاہرا عبد اللطیف نے پہلوتہی کی۔ مرزا صاحب اگر
کفیل ہوئے تھے تو چھ جلدیں بنواتے نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے۔ کہ دو بہت پر تکلف
اور چار بہ نسبت اُس کے کچھ کم اگر یوں ہے تو بہ مدعائے دلی میرا ہے مگر اطلاع ضرور ہے۔ رائے
امید سنگھ کے نام کا خط باحتیاط رہنے دو جب وہ آئیں اُن کو دیدو۔ جو تم لکھتے ہو کہ نیب کا لفظ لکھ
دیا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع
ہو جائیں۔ ہمارے منشی شیو نرائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہا
کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں۔ میرزا تفتہ سنو ان دنوں میں میرے
محسن حکیم احسن اللہ خان آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوئے ہیں اور بموجب اُنکے کہنے کے
برادر دینی مولانا مہر کو لکھا ہے حضرت نے لا و نعم جواب میں نہیں لکھا تم اُن سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۸۵۸ء
سے خریدار ہیں آج ۱۶ ستمبر کی ہے۔ دو نمبر اخبار کے حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ خان چند کے کوچہ کا
پتہ لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں اور حکیم احسن اللہ خان کا نام خریداروں میں
لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے
کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے اُس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کر کے ارسال کریں کاتب کی
اُجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیجدی جائیگی۔ بھائی تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو
اور مجھ کو اطلاع دو۔ نیب کے نیبت سے مرا جاتا ہوں اُس کی درستی کی خبر بھیجو۔ باقی جو چھاپے کے حالات
ہوں اُس کی آگہی ضرور ہے۔ غالب پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میری جان آخر ٹیکے ہدایات کو نہ سمجھے ہیں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں میں یہ

لکھا تھا کہ بشرط اقامت بلاؤنگا اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری تو بے تمہارے
نہ رہونگا نہ رہونگا زنہار نہ رہوں گا۔ منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلّی اور دلّی سے رامپور
پہنچا تلف نہیں ہُوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے اور اگر دلّی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دیکر اُنکے
اشعار بھیج دونگا۔ بے صبر کو ایک بار مہینہ بھر صبر چاہیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہُوا ہے از بسکہ یہاں کے
حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی تم اُسی رقعہ کو اُنکے
پاس بھیج دینا۔ غالب سہ شنبہ ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۰ء۔

ایضاً۔ کیوں صاحب مجھ سے کیوں خفا ہو آج مہینہ بھر ہو گیا ہوگا یا بعد دو چار دن کے ہو جائیگا کہ
آپکا خط نہیں آیا انصاف کرو کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار
دوست نہ ہوتے ہوں اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالمکند اس کا بیٹا یہ دو شخص ہیں
کہ گاہ گاہ آتے ہیں اس سے گذر کر لکھنو اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے
تھے ان دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں رہ آمد خطوط کی موقوف صرف
تم تین صاحبوں کے آنے کی توقع اُس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم ہو کہ ہر مہینے
میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنے پر لازم کرلو ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا اگر کچھ
کام آپڑا تو دو خط تین خط ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایکبار بھیجی۔ بھائی صاحب کا
بھی خط دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا۔ اس کا جواب بھیج دیا گیا۔ مولوی قمر الدین خان یقین ہے کہ الہ آباد
گئے ہوں کس واسطے کہ مجھ کو شی میں لکھا تھا کہ اوائل جون میں جاؤنگا۔ بہرحال اگر آپ آزردہ نہیں تو
جس دن میرا خط پہنچے اُس کے دوسرے دن اُس کا جواب لکھئے۔ اپنی خیر و عافیت منشی صاحب کی
خیر و عافیت مولوی صاحب کا احوال اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ
الفاقاً مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجہ جو وہاں آیا ہُوا ہے اُس کی حقیقت دھولپور کا رنگ
صاحبان عالیشان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پر ہے۔ آگرہ کا حال کیا ہے وہاں کے
رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں۔ غالب نگاشتہ شنبہ ۱۹ جون سنہ ۱۸۵۸ء۔

ایضاً۔ برخوردار میرزا تفتہ دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا تم سچے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آگیا کہ پنشن داران ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دو بار بطریق ششماہہ فصل بفصل پایا کریں ناچار ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو یہ سود ۶ مہینے تک اسی طرح کٹوا دینا پڑیگا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جائیگی ؎

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک　　خلق کا ہے اُسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات　　اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

دس گیارہ برس سے اُس نگنا میں رہتا تھا سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا گیا اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جسنے لیا ہے اُسنے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کردو۔ مکان کہیں ملے تو میں اُٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مڈ لگادی وہ صحن بالا خانے کا جس کا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول اس میں پاڑ بندھ گئی رات کو وہیں سویا گرمی کی شدت پاڑ کا قرب۔ گمان یہ گذرتا تھا کہ کٹکھڑا ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملیگی تین راتیں اسی طرح گذریں دوشنبہ ۹ رجولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا جان بچ گئی یہ مکان بہ نسبت اُس مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلہ وہی بلی ماروں کا اگرچہ ہے یوں کہ میں اگر اور محلہ میں جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتے یعنی اب اکثر خطوط لال کنوئیں کے پتے سے آتے ہیں اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہرحال تم وہی دلی بلی ماروں کا محلہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ درپیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کئے جائینگے خاطر عاطر جمع رہے۔ صبح جمعہ ۲۰ رجولائی سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہرگوپال تفتہ تحریر میں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں اب ضرور آپڑا ہے کہ ہم بھی جواب اُسی انداز سے لکھیں۔ سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خان مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس آرہے ہیں اور دمبدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں

پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جب اُن عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا
نہیں کھانے دیتے مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں
کہیں پانی لڑھاتے ہیں کہیں خاک اُڑاتے ہیں میں تنگ آتا ہوں تو اُن معنوی پوتوں سے
کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔ آپ ان کو جلد میرے پاس بسبیل ڈاک بھیج دیجئے
کہ میں ان کو دیکھوں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد ان کو تمہارے پاس بسبیل ڈاک بھیج دونگا حق تعالیٰ
تمہارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے اور اُن کو دولت اقبال دے اور تم کو ان کے سر پر سلامت
رکھے اور تمہارے معنوی بچوں یعنی نتائج طبع کو شہرت فروغ عزت اور قبول عطا فرماوے
بابو صاحب کے نام کا خط اُن کے خط کے جواب میں پہنچا ہے اُن کو دے دیجئے گا اور اُن صاحب
بابو صاحب اور تم آپ کو جانتے ہو تو مجھ کو اطلاع کرنا اور تاریخ روانگی الہ آباد [illegible]
والدعا۔ اسد اللہ نگاشتہ [illegible] جون [illegible]

ایضاً۔ شفیق بالتحقیق منشی ہرگوپال تفتہ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آپکا وہ خط جو آپنے کانپور سے
بھیجا تھا پہنچا بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپکا لکھنؤ جانا اور وہاں کے شعرا سے ملنا سب معلوم
ہوا اشعار جناب رند کے پہنچنے ایک ہفتہ کے بعد درست ہو گئے اور اصلاح اور اشارے اور
فواید جیسا کہ میرا شیوہ ہے عمل میں آیا اب تک کہ ان کا یا تمہارا خط [illegible] اور اقامت کا معلوم
نہ ہو میں وہ کاغذ ضروری کہاں بھیجوں اور کیونکر بھیجوں اور [illegible] اب جو تمہارے لکھنے
سے جانا کہ ۱۹ فروری تک الہ آباد [illegible] لفافہ کر رکھا ہے آج
انیسویں ہے [illegible] اس واسطے
نہیں لکھا کہ [illegible] کہ ان کی خدمت
میں میرا سلام پہنچا [illegible] اوراق اشعار گذرانو اور
[illegible] گروانیے لگ
پھر پھری [illegible] مدت تھا اب پھر

تم سے کہتا ہوں کہ وہ جو تم نے اُس شخص کولی کا حال لکھا تھا معلوم ہُوا۔ ہر چند اعتراض انکا لغو اور
پرسش اُن کی بے مزہ ہو۔ مگر ہمارا منصب نہیں کہ معترض کو جواب نہ دیں یا سائل سے بات نہ کریں
تمہارے شعر پر اعتراض اِس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہُوا ہے گویا ہم پر ہے اِس سے ہمیں کام نہیں
کہ وہ مانیں یا نہ مانیں کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول و استوار ہے جو زبان دان ہوگا وہ سمجھ لیگا غلط فہم
و کج اندیش لوگ نہ سمجھیں نہ سمجھیں ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تلقین سے کیا علاقہ تعلیم و تلقین واسطے
دوستوں کے اور یاروں کے ہے نہ واسطے اغیار کے تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا ہے
کہ خود غلطی پر نہ رہو اور غیر کی غلطی سے کام نہ رکھو آج تمہارا کلام وہ نہیں کہ کوئی اس پر گرفت کر سکے
مگر ہاں ع حسود را چہ کنم کو ز خود برنج درست ٭ والسلام والاکرام۔ اسد اللہ رقم زدہ ۱۹ فروری و سپرده
بست و یکم فروری ۱۸۵۲ء۔

ایضاً۔ منشی صاحب تمہارا خط اس دن یعنی کل بُدھ کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں
مبتلا ہوں اور مزہ یہ ہے کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے کھانا مطلق میں نے نہیں کھایا آج پنجشنبہ
پانچواں دن ہے کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے اور نہ رات کو شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے۔ ناچار
احتراز کرتا ہوں بھائی اِس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے ہرگز بھوک نہیں لگی اور
طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ بابو صاحب والامناقب کا خط تمہارے نام کا دیکھا اب اِس
ارسال میں وہ آسانی نہ رہی اور بندہ دشواری سے بھاگتا ہے۔ کیوں تکلیف کریں اور اگر بہرحال
اُن کی مرضی ہے تو خیر میں فرمان پذیر ہوں۔ اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں بعد
اچھے ہونے کے اُن کو دیکھوں گا اور تم کو بھیج دونگا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جبر ثقیل لکھی گئی ہیں
اسد اللہ روز پنجشنبہ ۲ مارچ ۱۸۵۴ء

ایضاً۔ صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہُوا وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست
تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے شعر کہے دیوان جمع کئے اُسی زمانہ
میں ایک بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے اور منشی نبی بخش اُن کا نام اور حقیر تخلص تھا

ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط بعد چند مدت کے پھر
دوسرا جنم ہم کو ملا اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش
صاحب کو بھیجا اُس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو
آج آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں اس کا نام بھی دلی اور اُس محلہ کا نام بلیماروں کا محلہ ہے لیکن
ایک دوست اُس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر
میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب کیا اہلِ حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہوگئے
ہیں اب پوچھو تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان
میں تو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بدیوار ہیں گھر حکیموں کے اور
وہ نوکر ہیں۔ راجہ نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ صاحب نے صاحبان عالیشان سے عہد لیا
تھا کہ بروقت غارت دلی یہ لوگ بچ رہیں چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ
محفوظ رہا ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ مبالغہ نہ جاننا امیر غریب سب نکل گئے جو رہ گئے تھے
وہ نکالے گئے۔ جاگیردار پنشن دار دولتمند اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا
ہوں۔ ملازمانِ قلعہ پر شدت ہے اور باز پرس اور داروگیر میں مبتلا ہیں مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں
نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر
کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں خواہی اس کو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب
میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر
سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے
یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی لہذا طلبی نہیں ہوئی ورنہ جہاں بڑے بڑے
جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں میری کیا حقیقت تھی۔ غرض کہ اپنے مکان میں
بیٹھا ہوں دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ
کوئی میرے پاس آوے شہر میں ہے کون جو آوے گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں مجرم سیاست

پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آجتک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ ابھی دیکھا چاہئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا۔ اسوقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت بیٹھے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا۔

ایضاً۔ آج سنیچر (بار) کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا۔ اور جواب لکھا اور کلیان کو دیا وہ ڈاک کو لیگیا خدا چاہے تو کل پہنچ جائے۔ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کیوں کرو۔ اور یہاں آکر کیا کرو گے۔ بنک گھر میں سے خدا کرے تمہارا روپیہ ملجائے بھائی میرا حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا کسی مخبر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ روپوش نہیں ہوں۔ بلایا نہیں گیا۔ دار و گیر سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا خود بھی برابر کار نہیں آیا۔ کسی حاکم سے نہیں ملا خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے پنشن نہیں پایا۔ کہو یہ دس۱۰ مہینے کیونکر گذرے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں مگر زندگی وبال ہے۔ ہرگوبند سنگھ یہاں آئے ہوئے ہیں اکبار میرے پاس بھی آئے تھے والدعا۔ غالب۔ روز شنبہ سی ام جنوری ۱۸۵۸ء۔ وقت نیمروز۔

ایضاً۔ کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے ایک دو صبح کو ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے دن اُن کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے یہ کیا سبب دس۱۰ دس۱۰ بارہ۱۲ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا یعنی تم نہیں آئے خط لکھو صاحب

نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھا آنے ہیں تجمل نہ کرو ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔ غالب منگوار ۹ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مہاراج آپکا مہربانی نامہ پہنچا۔ دل میرا اگرچہ خوش نہ ہوا لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ بہرحال مجھ کو کہ
نالایق و ذلیل ترین خلائق ہوں اپنا دعاگو سمجھتے رہو کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش
ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں میرے
قصیدے دیکھو تشبیب کے شعر بہت پاؤگے اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب
مصطفیٰ خان کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص
کے دیوان کے دیباچہ کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوان حافظ کے بموجب فرمایش جان جاکوب بہادر
کے لکھی ہے اُس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اُن کا نام اور ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر
میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں واللہ باللہ اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا
تو اُس کی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمہاری مدح کی ہے ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت
جانتے قصہ مختصر تمہاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اُس کی عوض ایک فقرہ اور
لکھ دیا ہے اُس سے زیادہ بھی میری روش نہیں۔ بظاہر تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے
میں آجاتے ہو وہ صاحب تو بیشتر اس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے کس واسطے کہ اُنکے کان ان آواز
سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اپنے لکھنے والوں میں جانیں گے وہ نظم و نثر کی خوبی کو پہچانینگے
ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو ماہ اپریل سے بھی نہ گیا ایک نسخہ
طب محمد حسین خان میں لکھا ہے اور وہ بہت بے خطر اور سود مند ہے مگر اثر اُس کا دیر میں ظاہر ہوتا
ہے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ پان سات سیر پانی لیویں اور اُس میں سیر بھر تیجے تولہ بھر چوب چینی کوٹ کر ملا دیں
اور اُس کو جوش کریں اور اتنا کہ چوتھا پانی جل جاوے پھر اُس باقی پانی کو چھان کر کوری ٹھلیا میں
بھر رکھیں اور جب باسی ہو جاوے اُس کو پئیں جو غذا کھایا کرتے ہیں کھایا کریں۔ پانی دن رات
جب پئیں گے یہی پئیں تو پکی بات ہے اس پانی میں پئیں نہ جوش کروا کر چھنوا کر رکھ
چھوڑیں [illegible] دن میں [illegible] ہو گیا [illegible] مرض کو دفع کر دینا آگے اُن کو اختیار ہے۔

ایضاً۔ تمہارا خط پہنچا مجھ کو بہت رنج ہُوا۔ واقعی اُن چھوٹے لڑکوں کا پالنا بہت دشوار ہوگا دیکھو میں
بھی تو اِسی آفت میں گرفتار ہوں۔ صبر کرو اور صبر نہ کروگے تو کیا کروگے کچھ بن نہیں آتی میں مسہل میں
ہوں بیہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں حفظ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر بھائی
منشی نبی بخش صاحب کے پاس لفافہ تمہارے نام کا بھیجدیا ہے جب تم آؤگے تب وہ تم کو دینگے۔
جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی وہ ظاہر کر دی ہے اور باقی سب اشعار بدستور رہنے دیئے ہیں
اب تم کو یہ چاہیئے کہ کول پہنچ کر مجھ کو خط لکھو اس لفافہ کی رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو اسمیں
تساہل نہ کرو۔ بابو صاحب کے خط کا جواب اجمیر کو روانہ کر دیا جائیگا آپ کی خاطر جمع رہے زیادہ
اِس سے کیا لکھوں۔ اسد اللہ ؁

ایضاً۔ صاحب تم نے لکھا تھا کہ مَیں جلد آگرہ جاؤنگا تمہارے اِس خط کا جواب نہ لکھ سکا جواب تو لکھ سکتا
تھا مگر کلیان کا پاؤں سوجھ گیا تھا وہ چل نہیں سکتا تھا مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں
سکتا ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔ بعد چند روز کے جو کہار اچھا ہوا تو میں تم کو آگرہ میں سمجھ کر سکندر آباد خط
نہ بھیج سکا مولوی قمر الدین خان کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل اُن کا خط آیا وہ لکھتے ہیں کہ میرزا تفتہ
ابھی یہاں نہیں آئے اِسواسطے آج یہ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں۔ میرا حال بدستور ہے۔ دیکھئے خدا کو کیا
منظور ہے۔ حاکم اکبر نے آکر کوئی نیا بندوبست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنائے قدیم ہیں
مگر میں مِل نہیں سکتا خط بھیجدیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم لکھو کہ اکبر آباد کب جاؤگے۔ والدعا۔
غالب جمعہ ۵ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ صاحب میرٹھ سے آکر تم کو خط لکھ چکا ہوں شاید نہ پہنچا ہو۔ اِسواسطے از روئے احتیاط لکھتا ہوں
کہ نواب مصطفےٰ خان کے ملنے کو بسبیل ڈاک میرٹھ گیا اور سہ شنبہ کے دن دلّی آگیا اور چہارشنبہ کے
دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز راجہ امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے تمہارا خط اُنکے دکھانے کو رکھ
چھوڑا تھا وہ اُن کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فرمایا کہ کسی اور مندر میں قصد اقامت نہیں ہے نیا ایک تکیہ بنایا چاہتا
ہوں آدمی بندرابن گئے ہیں کوئی مکان مول لینگے۔ وہاں اپنی وضع پر رہونگا۔ میرا سلام لکھنا اور یہ

پیام لکھنا کہ آپکا کلام بمبئی تک پہنچ گیا اب طہران کو بھی روانہ ہو جائیگا ؎

سواد ہند گرفتی بہ نظم خود تفتہ بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یک شنبہ سی ام جنوری ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ از عمر و دولت برخوردار باشند۔ بدھ کا دن تیسری تاریخ فروری کی ڈیڑھ پہر دن باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا اور خط مع رجسٹری لایا۔ خط کھولا۔ سو روپیہ کی ہنڈوی ملی جو کچھ کہتے وہ ملا ایک آدمی رسید مہری لے کر نیل کے کٹڑے چلا گیا سو روپے چہرہ شاہی لے آیا۔ آنے جانے کی دیر ہوئی اور بس چوبیس روپے داروغہ کی معرفت اٹھے تھے وہ دیئے گئے پچاس روپیہ محل میں بھیج دیئے چھبیس روپیہ باقی رہے وہ بکس میں رکھ لئے روپیہ کے رکھنے کیلئے بکس کھولا تھا سو یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہوا ہے اگر جلد آ گیا تو آج ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیجدوں گا خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ بھائی بڑی آفت آئی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔ غالب چہار شنبہ ۳ فروری ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط میرٹھ سے آیا سراج المعانی کا نام بدلا سنبلستان کا چھاپا خدا تم کو مبارک کرے اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان رہے بہت گذر گئی ہے۔ تھوڑی رہی اچھی گذری اچھی گذر جائیگی۔ ہاں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہوگا سعدی نے بوستان سے کیا پھل پایا جو تم سنبلستان سے پاؤ گے اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے نہ سخن ہے نہ سخنور ہے نہ قصیدہ ہے نہ قصہ ہے لاموجود الا اللہ جناب بھائی صاحب یعنی نواب مصطفیٰ خان بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہدینا ہمشیرہ کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے کیا عجب ہے کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور زیادہ تعجب کی بات ہونے کو آوے یعنی آپکا پنشن بھی واگذاشت ہو جاوے۔ اللہ اللہ

صبح یک شنبہ ۲۰ جنوری۔

ایضاً۔ بھائی میں نے دلی کو چھوڑا اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۵ کو مراد نگر اور جمعہ ۲ کو میرٹھ پہنچا آج

شنبہ ۱۹ کو بھائی مصطفےٰ خان کے کہنے سے مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ کر بھیجا کل شاہجہان پور
پرسوں گڈھ مکتیسر رہونگا۔ پھر مراد آباد ہوتا ہُوا رامپور جاؤنگا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو رامپور بھیجنا۔ نام پر
رامپور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا ہے وہ رامپور سے لکھونگا
راقم غالب۔ مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱۔ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء۔

ایضاً۔ برخوردار سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں
ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹننٹ گورنر بہادر مراد آباد اور وہاں سے رامپور آئینگے
بعد اُن کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہریگا۔ منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا
ہُوا تو فوراً تم کو بلا لونگا جو دن زندگی کے باقی ہیں وہ باہم بسر ہو جائیں والدعا۔ راقم غالب یکم مارچ سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا۔ آگرہ میں ہو یا نہیں میرزا حاتم علی
صاحب کا شفقت نامہ آیا یہاں سے اسکا جواب بھیجا گیا وہاں سے اسکا جواب آ گیا۔ میر کرم حسین صاحب
کا خط پرسوں آیا۔ دو چار دن میں اسکا جواب لکھوں گا۔ میرا حال بدستور ہے ع نہ نوید کامیابی نہ
نہیب ناامیدی + بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے اور وہ میرے خط کے جواب میں ہے
دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاہیگا تب اُن کو خط لکھونگا تم اگر ملو تو اُن سے کہہ دینا
کہ بھائی قاسم علی خان کے شعر نے مجھ کو بڑا مزہ دیا حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے تھے جو میں نے
ایک ولایتی چغہ اور ایک شالی رومال ڈھائی گز دلال کو دیا تھا اور وہ اُسوقت روپیہ لیکر آیا تھا۔
میں روپیہ لیکر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خط اچھے وقت آیا۔ غالب ۱۸ جولائی سنہ ۱۸۵۸ء۔

ایضاً۔ صاحب تم تو اچھے خاصے عارف اور تمہارا کشف سچا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا کہ تمہارا خط آئے
تو جواب لکھوں۔ کل تمہارا خط شام کو آیا آج صبح کو جواب لکھا گیا بات یہ ہے کہ نامور آدمی کیواسطے
محلّہ کا پتہ ضرور نہیں میں غریب آدمی ہوں مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں
تلف نہیں ہوتے بعض فارسی خط پر پتہ محلّہ کا نہیں ہوتا۔ اور انگریزی خط پر تو مطلق پتہ ہوتا ہی نہیں
شہر کا نام ہوتا ہے تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے جانے اُن کی بلا کہ بلّی ماروں کا محلّہ

کیا چیز ہے وہ تو بہ نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں سیکڑوں خط انگریزی ہر روز اُن کو آتے ہیں خلاصہ یہ کہ میں نے پھر اُن کے پاس آدمی بھیجا اور آپکا خط اپنے نام کا بھیجدیا۔ اُنہوں نے میرے آدمی سے کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں اس کا جواب کیا لکھوں محلّے کا پتہ آپ ہی لکھ بھیجئے سو میں پہلے امر واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں اُن کے مکان کا پتہ بلّیماروں کا محلّہ وسودن کا کوچہ۔ دستنبو کا حال یہ ہے کہ مینے ایکبار سات روپیہ کی ہنڈی بھیج کر بارہ جلدیں اور ایک جنتری اُن سے منگوائی پھر اُن کو ۱۰ کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں لکھنؤ کو اُنہیں کے ہاتھوں وہیں سے بھجوائیں اور اُس کے بعد پھر ۱۰ کے ٹکٹ بھجوا کر دو جلدیں وہیں سے سرورے کو بھجوائیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ میں بعد اُس پچاس جلد کے ۱۶ سولہ جلدیں اور اُن سے لے چکا ہوں مگر نقد ہرگز قرض بیشے نہیں منگوائے ہیں۔ ایکبار ہنڈی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم بہل طور پر اُن کو لکھ بھیجنا کہ غالب نے کتنی کتابیں منگوائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض اور جو وہ لکھیں مجھ کو لکھ بھیجنا۔ شنبہ ۱۹ فروری ۱۸۵۹ء غالب

ایضاً۔ صاحب ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں اُن کو دیکھ کر خوش ہوا وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے۔ تمہارا حال سُنکر مجھ کو رنج ہوا کیا کروں نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں ع ہر اینچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است۔ آج بدھ کا دن ہے یعنی منگل کے دن کوئی پہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ راجہ امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو فرمایا کہ آگرہ سے آتا ہوں۔ بساون کی گلی میں بخشیوں کی گلی کے قریب ہے جورس صاحب کی کوٹھی انہوں نے مول لی ہے اور اُس کے قریب ہی زمین افتادہ بھی خریدی ہے اور اُس کو بنوا رہے ہیں تمہارا مینے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مینے کئی خط بھیجے جواب نہیں آیا بولے کہ ایک خط اُن کا آیا تھا اُس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر اُن کا کوئی خط نہیں آیا بہر حال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں میں باندید کو نہیں گیا۔ شاید وہ آج گئے ہوں یا جاویں پھر اکبر آباد کو جانے والے ہیں آج آدمی اُنکے پاس

بھیجونگا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا تم کو بہت پوچھتے تھے کہ آیا میرزا تفتہ کہاں ہیں اور کس طرح
ہیں بھائی ان کو خط لکھ بھیجو۔ محررہ ۱۷ر جون ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا دل خوش ہوا تمہاری تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تم کو آگرہ سے کتاب
منگانا بے ارسال قیمت منظور ہے چنانچہ حق تصنیف تم نے لکھا ہے بھائی کیا میں تم کو جھوٹ
لکھونگا او شیو نرائن نے اگر ذکر ارسال قیمت کا نہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں تم کو میرے
سر کی قسم اور میری جان کی قسم شیو نرائن سے اتنا پوچھو کہ اس پچاس جلد کے بعد کے جلدیں غالب نے اپنے
منگا لئیں یا قیمت بھیج کر منگوائیں یا قیمت اس سے لینی ہے۔ دیکھو میں نے قسم لکھی ہے یوں ہی گل
میں لانا راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی جو تمہارے
خط کا ذکر آتا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ اور یہ جو تم نے مجھ کو لکھا تھا کہ اگر دسوں کا کوچہ نہ ملیگا تو وہ
خط تیرے پاس آئیگا سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب تم کو وہم کیوں ہے ایک امیر نامور آدمی
ہے اس کے نام کا خط کیوں نہ پہنچے گا۔

ایضاً۔ اجی مرزا تفتہ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے تم نے ان کو
خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ اگر آپ کو مرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور
لکھیگا۔ غالب یکشنبہ ۲۷ر فروری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ کیوں مرزا تفتہ تم بے وفا یا میں گنہگار یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو ابھی ایک
صاحب میری ملاقات کو آئے تھے تقریباً تمہارا ذکر درمیان آیا وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں
اب میں حیران ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندرآباد۔ اگر کول بھیجوں تو مسکن کا پتہ کیا لکھوں بہر حال
سکندرآباد بھیجتا ہوں خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا میں نے سرکار
کور راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتہ بتا کر وہاں بھجوا دیا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے
سنتا ہوں کہ وہ متھرا اور اکبرآباد کی طرف گئے ہیں مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہر حال اس خط کا جواب
جلد لکھو اور ضرور لکھو۔ بھائی تم سیاح آدمی ہو جہاں جایا کرو مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں

یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے میری
تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔ محررہ یکشنبہ ۲ مارچ ۱۸۵۹ء۔ غالب۔

ایضاً۔ شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ء ہنگام نیمروز۔ بھائی آج اسوقت تمہارا خط پہنچا پڑھتے ہی جواب
لکھتا ہوں۔ زر سہ سالہ مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے سات سو پچاس روپیے سال پاتا ہوں
تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے سو روپیے مجھے مدد خرچ ملے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو
متفرقات میں گئے رہے دو ہزار روپئے میر امختار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرضدار قدیم
ہوں اب جو وہ دو ہزار لایا اُس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے سات کم
پندرہ سو اسکے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کروایا۔ گیارہ سو کئی روپئے
وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ ۲۶ سو ہوئے اصل میں یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا۔ وہ کہتا ہے پندرہ سو
میرے دیدو پانسو سات روپے باقی کے تم لیلو۔ میں کہتا ہوں متفرقات گیارہ سو بیکا دے نو سو
باقی رہے۔ آدھے تو لے۔ آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی کو وہ روپیے لایا ہے کل تک تصفیہ نہیں
چکا میں جلدی نہیں کرتا دو ایک مہاجن بیچ میں ہیں ہفتہ بھر میں جھگڑا انفصال ہوجائیگا۔ خدا کرے
یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ اُسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعود کی خبر دینا۔ والدعا۔ غالب

ایضاً۔ نور نظر و لخت جگر مرزا تفتہ تم کو معلوم رہے کہ رلٹ صاحب بکرم و معظم رائے امید سنگھ بہادر
یہ رقعہ تم کو بھیجیں گے تم اس رقعہ کو دیکھتے ہی اُن کے پاس حاضر ہونا اور جب تک وہاں رہیں
تب تک حاضر ہوا کرنا۔ اور دستنبو کے باب میں جو اُن کا حکم ہو بجالانا اُن کو پڑھا بھی دینا اور فیصلہ کا
حساب سمجھا دینا پچاس جلد کی قیمت عنایت کرینگے وہ لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے دس جلدیں
رائے صاحب کے پاس اندور بھیجدینا اور چالیس جلدیں بموجب اُنکے حکم کے میرے پاس ارسال
کرنا اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرایش کے باب میں تم کو لکھا ہے اُس کا حال مجھ کو ضرور لکھنا
ہاں صاحب ایک رباعی میرے سہو سے رہ گئی ہے اُس رباعی کو چھاپا ہونے سے پہلے حاشیہ
پر لکھ دینا جہاں یہ فقرہ ہے لے نے اختر بخت خسرو در بلندی بجائے رسید کہ رُخ از خاکیان نہفت

جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد   افسر افسار و گرزن ارزن ارزد

خورشید ز اندیشۂ جادر گردش   بر چرخ نہ بینی کہ چسان می لرزد

چونکہ حاشیہ معنی لغات سے بھرا ہُوا ہے تو تم اس فقرے کے آگے نشان بنا کر اوپر کے حاشیہ پر رباعی لکھ دینا۔ اور حاشیۂ یمین پر جہاں اور معنی لکھے ہوئے ہیں وہاں رباعی کے لغات کے معنی خفی قلم سے لکھ دینا افسر۔ افسار۔ گرزن۔ بہ ہر دو فتحہ جادر گردش۔ غالب نگاشتہ ۲۸ اگست سنہ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارا خط آیا فقیر کو حقیر کا حال معلوم ہُوا۔ خدا فضل کرے اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے کہ میں اُن کو لکھتا لکھتے ہو کہ میرزا مہر کے دو چار روپے شاید صرف ہو گئے تو کیا اندیشہ ہے۔ حال یہ ہے کہ مینے اُن سے استفسار کیا تھا اُنہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتابوں کی درستی میں بارہ ۱۲ روپے صرف ہوئے ہیں محصول کی ایک رقم خفیف اگر مینے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے۔ البتہ اُنکے دو تین روپئے اُٹھ گئے ہونگے لالہ گنگا پرشاد شاہ تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے کہ یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے وہ دیکھ کر اُن کو حوالے کردیں۔ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے مصاحب ہیں ان کے دنوں میں ایک ملاقات میری اُن کی ہوئی تھی مینے اب ایک سادہ بے جلد اُن کو بھیجی تھی کل اُن کا خط مجھ کو اس کتاب کی رسید میں آیا۔ بہت تعریف لکھتے تھے اور ہاں بھی ایک تماشا اور ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ یہ دستنبو پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا اُنکے اس لکھنے سے یہ معلوم ہُوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائیگا میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرٹریوں کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائینگے دیکھوں چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں ؎

تانہال دوستی کے بربد   حالیا ز فتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء - غالب

ایضاً - میرزا تفتہ صاحب پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا تم سے پیدا کیا ہے ایک فتوح کا منتظر ہوں
اُس میں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے زمانہ فتوح کے آنے کا قریب آ گیا ہے انشا
خط میرا مع حصہ فتوح جلد پہنچے گا پنڈت بدری داس ڈاک منشی کرنال با آنکہ مجھ سے اُس سے ملاقا
ظاہری نہیں ہے مگر میں جب چھپا تھا تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کیواسطے بھیجا تھا بد
اپنے مرنے کے میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہرگوپال تفتہ کے پاس بھیجدیا
اب تم کو بھی لکھتا ہوں کہ تم میرے اس [illegible] کی اُن کو اطلاع لکھو میں زندہ ہوں اور پرسکے لیے
جو اپنے کو مردہ لکھا ہے وہ باعتبار ترک [illegible] زندہ ہوں مُردہ نہیں بیمار بھی نہ
بڑھا ناتوان مفلس قرضدار کانوں کا بہرا مت کا [illegible] زیست سے بیزار مرگ کا امیدوار غالب

ایضاً - بھائی تم سچ کہتے ہو کہ بہت سودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہا
ہی قصائد پڑے ہیں - نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں - ساتھ کا حال
بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے کرایہ کی حویلی میں رہتا ہوں جولا
سے مینہ شروع ہوا شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت دن رات میں دو چار بار برسے
اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہنے لگیں بالاخانہ کا جو دالان میرے بیٹھنے اٹھنے سونے جاگنے
جینے مرنے کا محل اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی ہیں لگن کہیں چلمچی کہیں اگالدان رکھدیا
کتابیں اُٹھا کر توشہ خانہ کی کوٹھری میں رکھدئے مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں کشتی نوح میں
تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا اب نجات ہوئی ہے - نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصا
دیکھے جائینگے میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے [illegible] آن سے معلوم ہوئی تھی میر قاسم
صاحب مجھ سے نہیں ملے پرسوں سے نواب [illegible] یہاں آئے ہیں ایک ملاقا
اُن سے ہوئی ہے ابھی یہیں ٹھہرے ہیں [illegible] نصف ہو چکی ہے چونکہیں نہ

چکی ہیں۔ اب مسہل کی فکر ہے سوا اس کے سب طرح خیر و عافیت ہے میں ناتواں بہت ہوگیا ہوں
گویا صاحب فراش ہوں کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا
ہوں لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ اللہ صبح جمعہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ پرسوں تمہارا خط آیا حال جو معلوم تھا وہ پھر معلوم ہوا غزلیں دیکھ رہا تھا آج شام کو دیکھنا
تمام ہوا تھا غزلوں کو رکھ دیا تھا چاہتا تھا کہ ان کو بند کرکے رہنے دوں۔ کل نو بجے دس بجے ڈاک
میں بھیج دوں خط کچھ ضرور نہیں ہیں اسی خیال میں تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا جانی جی کا خط لایا اسکو
پڑھا اب مجھ کو ضرور ہوا کہ خلاصہ اس کا تمام لکھوں یہ رقعہ لکھا خلاصہ بطریق ایجاز یہ ہے کہ عرضی
گذری دیوان گذرا راول جی کے نام کا خط گذرا راجہ صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے
جانی جی نے جو ایک معتمد اپنا اسد اللہ خان وکیل کے ساتھ کر دیا ہے وہ منتظر جواب کا ہے راول جی
نئے ایجنٹ کے استقبال کو گئے ہیں اور اب اجنٹ علاقہ جے پور کی راہ سے نہیں آتا۔ آگرہ اور گوالیار
کرولی ہوتا ہوا اجمیر آئیگا اور اس راہ میں جے پور کا عمل نہیں بس چاہئے کہ راول جی الٹے پھر آویں
اُن کے آنے پر عرضی کا جواب ملیگا اور اس ہی میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔ بھائی جانی جی تم کو بہت
ڈھونڈھتے اور تمہارے بغیر بہت بیچین ہیں میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں نہ ان کو سمجھا سکتا ہوں۔
تم وہ کرو کہ جس میں سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے ہاں یہ بھی جانی جی نے لکھا تھا کہ بہت دن کے
بعد منشی جی کا خط آیا ہے۔ اسد اللہ

ایضاً۔ بھائی پرسوں شام ڈاک کا ہرکارہ آیا اور ایک خط تمہارا اور ایک خط جانی جی کا لایا تمہارے
خط میں اوراق اشعار اور بابو صاحب کے خط میں جے پور کے اخبار دو دن سے مجھ کو وجع الصدر
ہے اور میں بہت بیچین ہوں ابھی اشعار کو دیکھ نہیں سکتا بابو صاحب کے بھیجے ہوئے کاغذ کو
بھیجتا ہوں اشعار بعد دو چار روز کے بھیجے جاوینگے۔ اسد اللہ مرسلہ جمعہ ۲۵ فروری ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا

جہانیاں زتو برگشتہ اند گر غالبؔ ترا چہ باک خدا ہے کہ دوست داری

خدا کے واسطے میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے بہ نسبت حکیم احسن اللہ خان کے جو بات
مشہور ہے وہ محض غلط ہاں مرزا الٰہی بخش جو شاہزادوں میں ہیں اُن کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے
اور وہ انکار کر رہے ہیں دیکھئے کیا ہو حکیم جی کو ان کی حویلیاں مل گئی ہیں اب وہ مع قبائل ان مکانوں
میں جا رہے ہیں اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں رہا میں ع تو بیکسی و غریبی ترا کہ می پرسد
نہ جزا نہ سزا نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر دو دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب
ملتی تھی اب صرف روٹی ملے جاتی ہے شراب نہیں۔ کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے اسکی کچھ فکر نہیں
ہے مگر تم کو میرے سر کی قسم یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سُنی مجھے اسکے معلوم کرنے سے مزا ملیگا۔

غالب۔ شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ صاحب عجب اتفاق ہے آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیر کے گانو کی تہنیت میں
اپنے شفیق کو ڈاک میں بھیج چکا تھا کہ دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا میں
تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں مول نہیں لیتا قضارا جب میں نے اُس کو کھولا اسی ورق میں یہ مطلع نکلا

اگر بہ گنج گہر مسلم او فتاد چہ باک　　　کفِ جواد ترا از برائے آں دارم

چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ اتنا کہ تمہارا خط آیا مجھ کو لکھنا ضرور ہوا آج نہیں دو خط بھیجے ہیں ایک تو صبح
کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ اس شعر کو اب چاہو رہنے دو۔ ہائے ہائے تم
بھائی سے ملے غیاث اللغات کھلوائی جواد کا لغت دیکھا مگر میرا ذکر نہ کیا اگر وہ تمہارا جو یہ حال ہے
وستنبو اور اُس کے چھاپے کا ذکر نہ کیا البتہ تم ذکر کرتے تو وہ دونوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو
دُعا سلام کہہ دیتے۔ چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا اگر
انہوں نے کچھ نہیں کہا تو اُن کا ستم اور اُن کا کہا ہوا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم بہرحال خوب مصرع حافظ
کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے ع یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت + خواہی تم خواہی منشی نبی بخش سلمہ اللہ
تعالیٰ یہ یاد ہے یہ مصرع اگر مجھ پر زنجیر سے باندھوگے تو بھی نہیں بندھیگا۔ اگر دستنبو کو سراسر تو رے
دیکھوگے تو اپنا نام پاؤگے اور یہ بھی جانوگے کہ وہ تمہاری اس تحریر سے سو برس پہلے کی ہے آخر کو

دوشنبہ ۲۳ راگست۔

۶۱ ایضاً۔ جان من و جانان من کل بیٹے تم کو سکندر آباد میں سمجھ کر خط بھیجا۔ شام کو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ تم اکبر آباد پہنچے خیر وہ خط پوسٹ بیڈ ہو گیا ہے شاید الٹا نہ پھرے اگر پھر آئیگا تو خیر آج یہ خط تم کو اکبر آباد بھیجتا ہوں پہنچنے پر جواب لکھنا تقطیع رباعی کی بہت خوب۔ مگر خیر ہر ایک بات کا وقت ہے ہم کو ہر طرح لطف صحبت اور لطف شعر اٹھا لینا بھائی منشی نبی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر ان کو دیدینا اور اُس کا مضمون معلوم کر لینا جس حاکم کو میں نے خط اور رقعہ بھیجا ہے اس کے سر رشتہ دار کوئی صاحب ہیں۔ من پھول اُن کا نام ہے مجھ سے نا آشنائے محض ہیں۔ اگر تعارف ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو پیش کیجئے۔ کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تمہیں اوپر اوپر ایک خط لکھ کر ان کو بھیجدیتے کہ غالب ایک فقیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب الرحم ہے اس کے حصول مطالب میں سعی سے دریغ نہ کرنا ؎

مے تواں آورد استغنا سفارش نامۂ   چرخ کج رو را اگر دانیم کز یاران کیست

باقی جو حال ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں لکھ چکا ہوں تم پڑھ لوگے دوبارہ لکھنا کیا ضرور۔

شنبہ ۶ ؍ مارچ ۱۸۵۶ء جواب طلب۔

ایضاً۔ میرے مہربان میری جان میرزا تفتہ سخندان تمہارا اسکندر آباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا زندہ رہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا بھیک مانگنے آیا ہوں روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا سرکار سے ملتی ہے۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت۔ نواب صاحب از روئے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں۔ خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اسکے پٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہلکار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی خلاصہ عرضی کا سُن لیا واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے مقدار مجھ پر نہیں کھلی مصطفےٰ خاں صاحب

ان سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں مجھ سے بھی انہوں نے مدد چاہی
میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خان صاحب سے مستعار لیکر انکے پاس بھیجدیں پھر انہوں
نے مجھ سے کہا کہ جن شعرا کو تو اچھی طرح جانتا ہے ان کا حال لکھ بھیج میں نے ۱۶ آدمی لکھ بھیجے بقید
اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس سواد کی صورت یہ ہے نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر
رئیس لوہارو فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشان
تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خان غالب کے شاگرد نواب مصطفےٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد
اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں اردو میں مومن خان کو اپنا کلام دکھاتے
تھے منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے فارسی شعر کہتے ہیں تفتہ تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خان
غالب کے شاگرد و ظاہرا بعد اس فہرست کے بھیجنے کے انہوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا
ہوگا پھر کچھ آپ لکھا ہوگا مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں تمہارے خط کی رو سے میں نے
اطلاع پائی اب میں مولوی مظہر الحق اُن کے منشی کو بلواؤنگا اور سب حال معلوم کرونگا اصل یہ ہے
کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائیگا صرف
شاعر کا اور اس کے اُستاد کا نام اور شاعر کے مسکن وطن کا نام معہ تخلص درج ہوگا خدا کرے کچھ تم کو فایدہ
ہوجاوے ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے رٹبیگن صاحب
اب عدالت خفیفہ کے جج ہوگئے ڈگردو صاحب بہادر پہاڑ سے آگئے اپنا کام کرنے لگے رٹبیگن
صاحب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا رہے ہیں جاڑے کا موسم بڑھاپے کا عالم وہاں تک
جانا دشوار اور پھر کوئی مطلب نکلتا ہوا نظر میں نہیں آتا بہر حال مولوی مظہر الحق پرسوں یکشنبہ
کے دن میرے پاس آئینگے۔ حال معلوم کرکے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا تو ضرور
جاؤں گا۔ غالب روز جمعہ ۹ دسمبر ۱۸۶۴ء

ایضاً۔ بھائی آج صبح کو بسبب حکیم صاحب کے تقاضا کے شکوہ آمیز خط جناب مرزا صاحب کی
خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا ایک خط تمہارا دیا

ایک خط مرزا صاحب کا لایا اب کیا کروں خیر چپ ہو رہا شکوہ محبت بڑھائیگا۔ مرزا صاحب کی
عنایت کا شکر بجا لاتا ہوں یقین ہے کہ جلد میری خاطر بن جائیگی۔ کس واسطے کہ جو آج کے خط
میں انھوں نے لکھا ہے وہ بعینہ میرا مکنون ضمیر ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے میرا سلام کہدینا ان کے
خط کا جواب کل پرسوں بھیجوں گا۔ رائے امید سنگھ بہادر خوبان روزگار میں سے ہیں فقیر کا سلام
پہنچا دینا ان کو کہدینا۔ خدا کرے ان کے سامنے کتابیں چھپ چکیں ہاں جب وہ گوالیار کو تشریف لیجائیں
تو مجھ کو اطلاع لکھنا نصیب کے جگر تو اسے بن جاتے ہیں سے خاطر جمع ہو گئی۔ بھائی میں فارسی کا مختہ
ہوں کاتب ان اجزا کا فن کی رو سے کاپی لکھی جاتی ہے فارسی کا عالم ہے علم اسکا غیاث الدین
رامپوری اور حکیم محمد حسین دکنی سے زیادہ ہے تصحیح سے غرض یہ ہے کہ کاپی سراسر موافق ان اوراق
کے ہو نہ یہ کہ فرہنگوں میں دیکھا جائے آگے اس سے تم کو بھی اور بھائی کو بھی لکھ چکا ہوں اب
صرف اس تحریر کا اشارہ لکھنا منظور تھا آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط پہنچ
لازم تھا کہ حکیم صاحب کو بھی لفافہ اخبار کا پہنچ جاتا مگر اس وقت تک نہیں پہنچا اور یہ دوپہر کا وقت ہے
بہرحال پہنچا میں نے تمہارا خط ان کے پاس بھیج دیا تھا انھوں نے تمہاری رائے منظور کی اب
جو مطلب کہ تم نے لکھا ہے ان کے پاس بھیجدو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اور اجزا
کاتب ان کو لکھ بھیجے اپنے نام اور مسکن سے ان کو اطلاع دے پس اس کو اپنے طور پر روپیہ
بھیجدینگے تمہارے واسطے شادی ہاگیر ہو گئے۔ ہاں اگر احیانًا روپیہ کے بھیجنے میں دیر ہوگی تو پھر
لکھ کر بھیجا اور تقاضا کیا البتہ میرا فرض ہے۔

ایضاً شفیق میرے کرم فرما میرے تمہارا خط اور تین دو ورق چھاپے کے پہنچے شاید میرے دکھانے
کے واسطے بھیجے گئے ہیں ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع
کا نام چھاپتے ہیں اور دوسرے صفحہ پر لوح سیاہ قلم سے کھینچتے ہیں اور کتاب لکھی جاتی ہے اس کا بھی
چھاپا اسی طرح ہوتا غرضکہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حسن خط اور الفاظ کی صحت سب میرے
پسند صحت الفاظ کا یہ نسبت ہے واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل

متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہوِ کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اُس کو بھی صحیح کر دینگے تم
میری طرف سے اُن کو سلام کہنا بلکہ یہ خط دکھا دینا خدا کرے انجام تک یہی قلم اور یہی خط اور یہی
طرزِ تصحیح چلی جائے جدول بھی مطبوع ہے پہلے صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا
چاہے تو دلپسند اور نظر فریب ہوگی کاغذ کے باب میں یہ عرض ہے کہ فرنچ کاغذ اچھا ہے چھ جلدیں
جو نذرِ حکام ہیں وہ اس کاغذ پر ہوں اور باقی چاہو شیو رامپوری پر اور چاہو شیلے کاغذ پر
چھاپو اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی ہیں وہ اُس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی
شیو رامپوری ہوں باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے۔ ہاں صاحب اگر ہو سکے تو کاپی کی سیاہی
ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو اور آخر تک رنگ نہ بدلے آگے اس سے پہلے برخوردار منشی عبداللطیف
کو لکھا تھا کہ ان چھ کتابوں کی کچھ تزئین اور آرایش کی فکر کریں معلوم نہیں تم نے وہ پیام اُن کو
پہنچایا یا نہیں۔ آپ اور منشی عبداللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں اور کوئی
بات خیال میں آوے تو بہتر ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے
کی لاگت کی بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔ آنکہ ہمہ را دریک دم بہ نوید نشو
پا سپید آورد اگر در دم دگر بہ نہیب مباش بہم زند الخ۔ اس میں نہیب کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے
اور کچھ سہوِ کاتب سے رہ گیا ہے اس کو تیز چاقو سے چھیل کر بہ نوا سے لکھ دینا یعنی بہ نوا سے
مباش بہم زند۔ ضرور ضرور۔ اور اسکا انتظار نہ کیجیو کہ جب یہاں چھپا پا آئیگا تو بنا دینگے نہ اصل
کتاب میں غلط رہے نہ چھاپے میں غلط ہو۔ اگر اجزائے اصل میرا میر علی صاحب کاپی نویس کے
پاس ہوں تو ان کو یا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔ از غالب

روز سہ شنبہ ہفتم ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ جیتے رہو اور خوش رہو ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ زیادہ خوشی کا سبب
یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پرواز دیا تھا۔ گرمیِ ہنگامہ انطباع دیوان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں
بنک گھر کا روپیہ مصروف کاغذ و کاپی ہے۔ خدا تم کو سلامت رکھے متمنیات سے ہو رجب علی بیگ کے

نے جو افسانہ عجائب لکھا ہے آغاز داستان کا شعر مجھ کو بہت مزا دیتا ہے ؎

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ   یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرع ثانی کتنا گرم ہے اور یاد رکھنا فسانہ کے واسطے کتنا مناسب۔ منشی عبداللطیف کے گھر میں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھ کو ہو چکی ہے اور تہنیت میں بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو اُن سے ملو تو میرا سلام کہکر اس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی معنوی جب کانپور سے معاودت فرماویں مجھ کو اطلاع دینا۔ میرا حال بدستور ع ہماں پہلو ہماں بستر ہماں درد۔ دوشنبہ ۲۹ر جون۔ روز ورود نامہ۔ غالب

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط پہنچا اصلاحی غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ مقطع اب اچھا ہو گیا ہے۔ کل جمعہ کے دن ۱۹ر نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔ زبان نہیں جو تعریف کروں۔ شاہانہ آرائش ہے۔ آفتاب کی سی نمائش ہے۔ مجھے یہ فکر کہ کہیں اُن کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔ اچھا میرے بھائی اسکا حال جو تم کو معلوم ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔ رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو۔ اور اگر تمہاری ہی اسی میں خوشی ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو تم کو اختیار ہے۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے۔ میر بادشاہ کی اور اپنی ناشناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں۔ اب تمہارے اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔ کچھ اُن کے خاندان کا نام و نشان دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھ بھیجو تاکہ میں جانوں کہ کس گروہ میں سے ہیں۔ یہاں وہ راست دروغ بہ گردن راوی۔ نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے۔ واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔ حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے۔ لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب چکا دیکر توقیع آزادی پاتے ہیں۔ یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے۔ محررہ صبح شنبہ ۲۰ر نومبر ۱۸۵۸ء غالب

ایضاً۔ بھائی وہ خط بے سلام کہے بھیج چکا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی۔ قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عصارۂ ریوند اور انڈی کا تیل پیا۔ اسوقت

بچ گیا مگر قصّہ قطع نہ ہُوا۔ مختصر کہتا ہوں میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے دس دن میں دو بار آدھی آدھی غذا کھائی گویا دس دن میں ایکبار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنّا اور آلو بخارہ کا افشردہ اس پر مدار رہا کل سے خوف مرگ گیا ہے صورت زیست کی نظر آتی ہے آج صبح کو بعد دوا پینے کے تم کو یہ خط لکھا ہے یقین تو ہے کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔ صاحب وہ جو میں نے ۲۲ شعر مرثیہ کے لکھ کر تم کو بھیجے۔ اُس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دیدو کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی اور بھی فلک زدہ ہے اور یہ جو تم لکھتے ہو کہ کچھ اوپر اسّی شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب وست و گریبان تھے۔ ایک کو ایک سے ربط ایک یا دو شعر اس میں سے کیونکر لئے جاتے اشعار سب میرے پسند بے سقم۔ بے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو کہ صرف بابو برج موہن میرزا تم اور اُسکا دوسرا مصرع میں بھُول گیا ہوں مگر قافیہ میں من سے یہ شعر غالب کو بُرا معلوم ہُوا ہو گا واللہ باللہ جب تک کہ تم نے نہیں لکھا میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی بہرحال بات وہی ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں بارے اب بھی بھائی منشی نبی بخش صاحب اور مولوی قمر الدین خان صاحب روزوں کے متوالے ہوش میں آئے یا نہیں آئے آج۔ اشوال کی ہے شش عید کا بھی زمانہ گذر گیا۔ خدا کے واسطے اُن کی خیر و عافیت لکھو اور یہ عبارت بھائی صاحب کی نظر انور سے گذرانو شاید وہ مجھ کو خط لکھیں۔ غالب

محررہ و مرسلہ دوشنبہ ۴ مئی ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اللہ اللہ ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندر آباد گئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا ہے دیکھئے اب یہاں کب تک رہو اور آگرہ کب جاؤ۔ پرسوں برخوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا لکھتے تھے کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے اب قریب ہے کہ بھیجی جائیں۔ میرزا مہر بھی ایک ہفتہ بتاتے ہیں دیکھئے کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔ ہاں صاحب منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں کہ اس خط میں اُنہوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا پس میں

اُن کے خط کا جواب کہاں بھیجتا۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہدینا۔ اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا
حال تو تم خود دریافت کر ہی لوگے میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت۔ چہارشنبہ سیوم نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ یکشنبہ سیوم ذی القعدہ و پنجم جون سال حال صاحب آج تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو
جواب لکھتا ہوں تمہاری ناسازگاری طبیعت سن کر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست
اور خوش رکھے۔ اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے جس میں حکایت طالب علم اور سنار
کی تھی اور واقعہ بلند شہر کا اور وہ اوراق بیرنگ پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے خط میں لپیٹ کر چونکہ خط
ڈبل تھا دو ٹکٹ لگا کر ارسال کئے ہیں رسید ملے تو اس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے قیاس
سے ایسا جانتا ہوں کہ پانسات دن ہوئے ہونگے منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں
آیا۔ مگر ان کا تاج گنج۔ وہ خود مع بعض متعلقین آگرہ۔ ایک بار تاج گنج کے پتہ سے خط اُن کو
بھیجا تھا جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شیونرائن سے اُن کا حال پوچھونگا۔ تم باہمہ کمالات
خفقانی بھی ہو۔ [illegible] سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو۔ جب آگرہ جاؤگے اور وہ
وہاں ہونگے تو ملاقات ہو جاویگی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ بانداز قیاس کہہ سکتا
ہوں کہ آگرہ یا بندرابن کہیں ہیں۔ جب اُن کا کوئی خط مجھ کو آیا تو میں گنہگار۔ غالب۔

ایضاً۔ لو صاحب لچھڑی کئی دن والے کپڑے پھاڑے گھر کو آئے ۸ جنوری ماہ و سال
دوشنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پہ نازل ہوا تمہارا خط مضامین دردناک سے
بھرا ہوا۔ اسپر میں نے پایا جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچ کر
بیمار ہو گیا پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ انہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت
کی۔ کیوں ترک لباس کرتے ہو۔ پشت گرم تمہارے پاس ہے کیا جس کو اتار کر پھینکوگے ترک لباس
سے قید ہستی مٹ نہ جائیگی۔ بغیر کھائے پیئے گذارہ نہ ہوگا۔ سختی و سستی رنج و آرام کو ہموار کرو۔ جس
طرح ہو اسی صورت سے بصورت گذرنے دو ۔ شعر

تاب لائے ہی بنے گی غالب ــــ واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

اس خط کی رسید کا طالب غالب

ایضاً ۔ ۵

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بدل جا دارد　　ہر کجاہست خدایا بسلامت دارش

صاحب کئی بار جی چاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں۔ اب جو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ حضرت ابھی لکھنؤ میں رونق افروز ہیں خط نہ بھیجوں تو گنہگار۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مجھ میں اصلاح کی مشقت کی طاقت نہیں رہی معہذا تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے اصلاح طلب نہیں رہا ہے شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے یہ میں نے نہیں کہا کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل قصیدہ لکھا کرو نہ مسودہ بلکہ ایک نقل اس کی ضرور مجھ کو بھیجا کرو۔

ایضاً۔ سہ شنبہ ۲۳ ربیع الثانی و ششم ستمبر۔ صاحب کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے خط نہیں ہے ڈاک میں بھیجدیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈالدو خدمتگار ناخواندہ آدمی اُس کا حکم بجالایا اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا وہ لفظ کہ یہ خط نہیں ہے پارسل ہے دست آویز معقول ہے اگر وہاں کے ڈاک کے لوگ تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملہ کے ذریعے سے گفتگو کر لینا۔ مکان میرے گھر کے قریب حکیم محمود خان کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس بازار بھی قریب ڈھائی روپیہ کرایہ کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دونگا بعد ایک ہفتہ کے اگر تمہارا مسافر نہ آیا تو مجھے اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے۔ رامپور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ نہ میں والی رامپور کو لکھ سکتا ہوں نہ اس لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں اگر ریل میں بیٹھ کر آجاؤ گے تو زبانی کہدوں گا۔ غالب

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ غالب کی دعائے درویشانہ قبول کریں ہم آپکو سکندر آباد قانونگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں اور آپ لکھنؤ راجہ مان سنگھ کی حویلی مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مدار یہ حقہ لکھنؤ کا پی رہے ہیں۔ اور منشی

نولکشور صاحب سے باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ آج یکشنبہ ہے۔ اخبار کا لفافہ ابھی تک نہیں پہنچا ہر ہفتے کو پنجشنبہ جمعہ کو پہنچا تھا مرزا تفتہ کیا فرماتے ہو کیسے ٹیگن صاحب کہاں ٹیگن صاحب پنجشنبہ کے دن ۱۹ جنوری سنہ حال کو وہ پنجاب کو گئے ملتان یا پشاور کے ضلع میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں اپنی نادانی کے سبب اُن کی ملاقات تو ویع کو نہیں گیا انوار گھاٹ پر نوکر ہیں سو روپیہ مشاہرہ پاتے ہیں زیادہ زیادہ نجات کا طالب غالب صبح یکشنبہ ۱۲ فروری ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ نورچشم غالب از خود رفتہ مرزا تفتہ خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے نہ دوست بخیل نہ میں کاذب مگر بقول میر تقی ع اتفاقات ہیں زمانے کے۔ بہرحال کچھ تدبیر کیجائیگی اور انشاء اللہ صورت وقوع جلد نظر آئیگی تعجب ہے کہ اس سفر میں کچھ فائدہ نہ ہوا ؎

یا کرم خود نماند در عالم　　　یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد

انتفائے دہر کی مدح سرائی موقوف کرو اشعار عاشقانہ بطریق غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب بندہ تمہیں کس کا ایک ایک خط پہنچا سوائے تین کاغذوں کے کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا اور اس وقت بسبب کم فرصتی کے میں ردیف ان تینوں قصیدوں کی نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ کا باقتضائے حالات زمانہ سست ہو گیا ہے مٹ نہیں گیا۔ دیر آید درست آید انشاء اللہ تعالیٰ اب میرا حال سنو ؎

در نومیدی بسے امید است　　　پایان شب سیہ سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو پارچے اور تین رقم جواہر خلعت ملتا تھا لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار خلعت بند کر گئے ہیں ناامید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس رہا اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے کل انھوں نے مجھ کو بلا بھیجا بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں دربار کرینگے میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور جاگیرداروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائینگے

دلّی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا تم بھی انبالہ جاؤ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گذری گویا مُردہ جی اُٹھا مگر ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سناٹا گذرا کہ سامان سفرِ انبالہ و مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ اِدھر قصیدہ کی فکر اُدھر روپیہ کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے نہیں شعر کام دل و دماغ کا ہے وہ روپیہ کی فکر میں پریشان میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کریگا لیکن ان دنوں میں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو نیند ہے یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیجدی ہیں جیتا رہا تو انبالہ سے آ کر خط لکھوں گا۔ روز چارشنبہ ۱۳ رمضان ۲۴ فروری۔

ایضاً۔ بھائی تم نے مجھے کونسا دو چار سو روپیہ کا نوکر یا پنشن دار قرار دیا ہے جو دس بیس روپیہ مہینہ قسط کی آرزو رکھتے ہو تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنسی آتی ہے اگر احیاناً تم کبھی دہلی کے ڈپٹی کلکٹر یا وکیل کمپنی ہوتے تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی بہر حال خوش رہو اور متفکر نہ ہو۔ پانچ روپیہ مہینہ پنشن انگریزی میں سے قسط مقرر ہو گیا تا ادائے زر ابتدائے جون ۱۸۵۳ء یعنی ماہ آیندہ سے یہ قسط جاری ہو گی۔ بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہونچا عجب تماشا ہے وہ در رنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میں اُن کے عُذر چاہنے سے مرا جاتا ہوں ہائے اتفاق آج میں نے انکو لکھا اور کل راجہ کے مرنے کی خبر سُنی واللہ باللہ اگر دو دن پہلے خبر سُن لیتا تو اگر میری جان پر آ بنتی تو بھی اُن کو نہ لکھتا جے پور سے آئے ہوئے روپے کی ہنڈوی اسوقت تک نہیں آئی شاید آج شام تک یا کل تک آ جاوے خدا کرے وہ آ بو پہاڑ پر سے ہنڈوی روانہ کر دیں ورنہ پھر خدا جانے کہاں کہاں جائینگے اور روپیہ بھیجنے میں کتنی دیر ہو جائیگی۔ خدا کرے زر مصارف ہر دیو سنگھ اسی میں سے مجرا لیں میری کمال خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو عوض ہر دیو سنگھ کو میری طرف سے ضرور دیں منشی صاحب کا ایک خط ہاترس سے آیا تھا کل اسکا جواب ہاترس کو روانہ کر چکا ہوں۔ والدعا از اسد اللہ مہر رہ دو شنبہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ کل تمہارا خط آیا راز نہانی مجھ پر آشکارا ہوا میں سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو

اب معلوم ہوا کہ حق بجانب تمہارے ہے میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں تو اپنے نفس کو
مخاطب کرکے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ
پڑا ہوتا یا تو اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا عیاذاً باللہ۔ اب میں تم کو کیونکر کہوں کہ بے حرمتی
گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو بلکہ یہ بھی زائد ہے جو دوست سے کٹ کر تو ہمارے واسطے ہمکو
ترک کر بہر حال دوست کی دوستی سے کام اُس کے افعال سے کیا غرض ہو محبت و اخلاص
اُن میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں رہے۔ ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی ع

وصلے کہ دراں ملال باشد ہجران بہ ازاں وصال باشد

آمدم بر سر مدعا تمہاری رائے ہم کو اس بات میں پسند ہے عجب طرح کا پیچ پڑا کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
نہ تم کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ ان کو کچھ کہہ سکتا ہوں مجھے تو اس موقع میں سوائے اس کے کہ تماشائی
بن کر تماشا دیکھتا رہوں کچھ بن نہیں آتی ع

[illegible] دریں آشکارا چہ دارد نہاں

جے پور کا امر محض اتفاق ہے نہ قصد و بے فکر پیش آیا ہے ہوس کا نہ ادھر متوجہ ہوا ہوں
بوڑھا ہو گیا ہوں بہرا ہو گیا ہوں۔ سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا رئیس زادوں میں گنا
جاتا تھا پورا خلعت پاتا تھا اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے کسی
ریاست میں دخل کر نہیں سکتا تھا۔ مگر ہاں اُستاد یا پیر یا مداح بن کر راہ و رسم پیدا کروں کچھ
فائدہ اُٹھاؤں کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کر دوں دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے ع

تا نہال دوستی کے بر دہد حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

خاندان کے ذکر سے دیوان ابھی نہیں آیا آج کل آیا چاہتا ہے اس کے جزو دان کی تیاری کر کے
روانہ کروں گا۔ ابھی کول میں آرام کرو اپنے بچوں میں اپنا دل بہلاؤ اگر جی چاہے تو اکبر آباد
چلے جاؤ وہاں اپنا [illegible] دیکھو [illegible] ہوتا ہے اور وہ کیا
[illegible]

ایضاً۔ صبح دوشنبہ پنجم جمادی الاوّل و نوزدہم نومبر سال حال مرزا تفتہ کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں اور اسی خط کے ساتھ خط موسومہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے بہرحال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطع لکھ کر بھیجا منشی قمر الدین خانصاحب نے پسند کیا قطعہ یہ ہے ؎

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق	داشت مذاق سخن و فہم تیز
سال وفاتش زپے یادگار	بادل زار و مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر	گفت مدہ طول و بگو رستخیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے جیساکہ یہ مصرع ع در سال غرس ہرآنکہ ماند بپند۔ انوری کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں جن میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقع کے مناسب اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہہ نامستحسن تھا۔ قصہ مختصر اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کر چکا زیادہ کیا لکھوں۔ داد کا طالب غالب۔

ایضاً کیوں مہاراج کول میں آنا اور جناب منشی نبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی کرنی اور ہم کو یاد نہ لانا مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا کہ تم مجھ کو بھول گئے۔ کول میں آئے اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا کہ میں کیونکر آیا ہوں اور کب تک رہونگا اور کب جاؤں گا اور بابو صاحب سے کہاں جا ملو نگا خیر اب جو چاہئے پہچانی کر کے تم کو خط لکھنا ہے لازم ہے کہ میرا مقصود اتنا نہ کرو تو خیر تو ہمارے ہی اپنی حقیقت لکھو تو اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں یا بو صاحب کی

جیسے [illegible] اپنی [illegible] حیران ہوں کہ کہاں [illegible] ہر چند [illegible]

انہوں نے لکھا ہے کہ اکبرآباد ہاشم علی خان کو بھیجدو لیکن میں نہ بھیجونگا جب وہ اجمیر یا بھرتپور
پہنچ کر مجھ کو خط لکھیں گے تو میں اُن کو وہ اوراق ارسال کرونگا۔ تم جو لکھو گے اُس پر عمل کرونگا
بھائی ایک دن شراب نہ پیو یا کم پیو اور ہم کو دو چار سطریں لکھ بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے
اسد اللہ ختم زود یک شنبہ چہارم جنوری سنہ ۱۸۵۲ء۔

ایضاً۔ صاحب تمہاری سعادتمندی کو ہزار ہزار آفرین تم کو یوں ہی چاہیے تھا لیکن میں نے تو
ایک بات بطریق تمنا لکھی تھی۔ جیسا کہ عربی میں لیت اور فارسی میں کاشکے۔ اب تم روداد سنو
عرضی میری سر ہنری لارنس چیف کمشنر بہادر کو گذری اس پر حکم ہوئے کہ یہ عرضی مع کاغذ
ضمیمہ سائل کے پاس بھیجی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دہلی کے پیش
کرو۔ اب سررشتہ دار کو لازم تھا کہ یہ سب نام موافق قاعدہ کے لکھا کرتا یہ ہوا وہ عرضی حکم
چڑھی ہوئی میرے پاس آئی میں نے خط صاحب کمشنر دہلی چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ
عرضی حکم چڑھی ہوئی اس میں ملفوف کر کے بھیج دی صاحب کمشنر نے صاحب کلکٹر کے پاس
حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کی پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ [illegible] صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے
[illegible] کی پنشن [illegible] روبکاری آئی ہے
[illegible] جو اسکو
[illegible] پایا نہیں
[illegible] میری
[illegible] خان کا کول
[illegible] سلام کہنا اور یہ خط
[illegible] خط ضرور ضرور
[illegible] اور دو ربط
[illegible]

گورنری آگرہ اور اجنٹی وکمشنری ودیوانی وفوجداری وکلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرضی پر ہوا ہے مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے حاکم نے ابھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو عملہ نے خط نہ لکھا صرف وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی بھیجدی خیر ع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست سنو میرزا تفتہ اب میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں وہ تم میرے بھائی کو اور مولوی قمرالدین خان کو دکھا دیا کرو۔ تین تین جگہ ایک بات کو کیوں لکھوں۔ جمعہ ۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی ہاں مینے زبدۃ الاخبار میں دیکھا کہ رانی صاحب مرگئیں۔ کل ایک دوست کا خط اکبرآباد سے آیا وہ لکھتا ہے کہ راجہ مرا رانی مری۔ ابھی ریاست کا کوئی رنگ قرار نہیں پایا صورت انتظام جانی بیجناتھ کے آنے پر موقوف ہے یہانتک اس دوست کی تحریر ہے ظاہر اس کو بابو صاحب کا نام نہیں معلوم اُن کے بھائی کا نام یاد رہ گیا۔ صرف اس دوست نے بطریق اخبار لکھا ہے اس کو میری اور جانی کی دوستی کا بھی حال معلوم نہیں حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمارے دوست کا نام بنا رہیگا۔ آمین یارب العالمین۔ صاحب جے پور کا مقدمہ اب لایق اس کے نہیں ہے کہ ہم اس کا خیال کریں ایک بنا ڈالی تھی وہ نہ اُٹھی راجہ لڑکا ہے اور چھچھورا ہے۔ راول جی اور سعد اللہ خان بنے رہتے تو کوئی صورت نکل آتی اور یہ جواب آپ لکھتے ہیں کہ راجہ میرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے اور پیش نظر رکھتا ہے یہ بھی تو آپ از روے تحریر منشی ہرد یو سنگھ کہتے ہیں اُن کا بیان کیونکر دلنشین ہو۔ وہ بھی جو بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانسو روپیہ نقد اور خلعت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے ہولی ہو چکی اور میں لیکہ چلا پھاگن چیت بیساکھ نہیں معلوم ہولی کس مہینہ میں ہوتی ہے آگے تو پھاگن میں ہوتی تھی۔ بندہ پرور بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈیاں بھیجی ہیں سَو سَو روپیہ کی ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے راجہ سے صاحب کی طرف سے تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو بطریق نذر شاگردی بعد اس کے دو ہنڈویاں سَو سَو روپیہ کی بعد چار چار پانچ پانچ مہینے کے آئیں مع میر احمد حسین کے صلے کے روپیوں کے چار سو اور اس سے علاوہ

تین سو اور یہ چار سو یا تین سو کتنے دن میں آئے اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالہ ہے اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں اور اگر تین برس کے ہیں تو تین برس میں۔ ہاں صاحب یہ وہی میر قاسم علی صاحب ہیں جو میرے پرانے دوست ہیں پرسوں یا اترسوں جو ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا تھا وہ ایک خط میر صاحب کے نام کا کوئی میاں حکمت اللہ ہیں ان کا میرے مکان کے پتہ سے لایا تھا وہ میں نے لے کر رکھ لیا ہے جب میر صاحب آجاویں تو تم ان کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ حضرت اگر میرے واسطے نہیں تو اس خط کے واسطے آپ دلی آئیے۔ غالب۔

ایضاً عجب تماشا ہے بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ ہر دیو سنگھ آ گیا اور پانسو روپیہ کی ہنڈوی لایا مگر اس کے مصارف کی بابت انہیں روپے کئی آنے اس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ہیں سو میں اپنے پاس سے ملا کر پورے پانسو کی ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں میں نے ان کو لکھا کہ مصارف ہر دیو سنگھ کے ہیں مجرا دو تکلیف نہ کرو مگر وہ یہ میری طرف سے ہر دیو سنگھ کو اور دیدو اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو سو بھائی آج تک ہنڈوی نہیں آئی میں حیران ہوں وجہ حیرانی کی یہ کہ اس ہنڈوی کے بھروسے پر قرضداروں سے وعدہ جون کے اوائل کا کیا تھا آج جون کی پانچویں ہے وہ تقاضا کرتے ہیں اور میں آجکل کر رہا ہوں شرم کے مارے بابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا جانتا ہوں کہ وہ بکھیڑا پورا کرنے کی فکر میں ہونگے پھر وہ کیوں اتنا تکلف کریں تیس روپے کی کونسی ایسی بات ہے اگر مصارف ہر دیو سنگھ میرے ہاں سے مجرا ہوئے تو کیا غضب ہوا انتیس اور چھبیس پچپن روپیہ نکال ڈالیں اور باقی ارسال کریں الله تعالیٰ کے بھیجے تھے وہ بھی ابھی نہیں آئے [illegible] بات [illegible] بابو صاحب کہاں ہیں پہاڑ پہ ہیں یا [illegible] آگئے ہیں [illegible] انتظار سے عاجز آ گر [illegible]

زیادہ۔ اسداللہ مرقومہ پنجم جون ۱۸۶۳ء روز پنجشنبہ جواب طلب۔

ایضاً۔ میرا سلام پہنچے خط اور کاغذ اشعار پہنچا سابق وحال ابھی سب یوں ہی دھرے رہینگے اگرچہ گرمی رفع ہوگئی مینہ برسنے لگا ہوائے سرد چلنے لگی مگر دل مکدر ہے اور حواس ٹھکانے نہیں۔ بادشاہ کا قصیدہ سارا اور ولیعہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا اسکا خاتمہ بھوا رمشقت رمضان میں کہہ لیا اور عید کو دونو پڑھ دے۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو پرسوں یا اترسوں بھیجونگا ان سے لیکر تم بھی دیکھنا میں نے ان کو لکھ بھیجا ہے کہ منشی ہرگوپال صاحب کو بھی دینا کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو نقل لے لیں اسکے سوا اور جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا وہ جواب طلب نہیں اور یوں ہی ہے جو تم سمجھے ہو۔ اسداللہ

ایضاً۔ کیوں صاحب اس کا کیا سبب ہے کہ بہت دن سے ہماری آپکی ملاقات نہیں ہوئی نہ مرزا صاحب ہی آئے نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے ہاں ایکبار منشی شیونرائن صاحب نے کرم کیا تھا اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ہے اس راہ سے میں یہ تصور کر رہا ہوں کہ اگر ایک فرمہ نثر کا باقی تھا تو اب قصیدہ چھاپا جاتا ہوگا۔ اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بننی شروع ہوگئی ہونگی۔ تم سمجھے ہیں تمہارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمہارا اور انکا آنا سمجھتا ہوں تحریر گویا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے اور اب کیا دیر ہے اور وہاں کیا ہو رہا ہے بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہوگئی۔ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دیدیں اب میں ان کتابوں کا آنا کب تک تصور کروں۔ دسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی کہیں دوالی کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی کہیں دوالی کی تعطیل تک نوبت نہ پہنچ جائے ہاں صاحب تم نے کبھی کچھ حال قمرالدین خانصاحب کا نہ لکھا آگے اس سے تم نے اگست ستمبر میں ان کا آگرے کا آنا لکھا پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے وہاں تو منشی غلام غوث خان صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں۔ پھر یہ اُس دفتر میں کیا کر رہے ہیں کہیں کسی

اور کام پر معین ہو گئے ہیں اس کا حال جلد لکھو مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ منشی غلام غوث
خانصاحب کو ایک گانوں جاگیر میں ملا ہے۔ مولوی قمر الدین خانصاحب اسکے بندوبست کو
آیا چاہتے ہیں اسکا ظہور کیوں نہ ہوا ان سب باتوں کا جواب جلد لکھئے۔ جناب مرزا صاحب کو
میرا سلام کہئے اور یہ پیام کہئے کہ کتاب کا حسن کانوں سے سنا ول کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا
مگر آنکھوں کو رشک ہے کانوں پر اور کان چشمک زنی کر رہے ہیں آنکھوں پر بیارشاد ہو کہ
آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملیگا۔ بھائی صاحب کو بعد از سلام کہئے گا کہ حضرت اپنے
مطلب کی تو مجھ کو جلدی نہیں ہے آپکی تخفیف تصدیع چاہتا ہوں یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام
ہو جائے تو آپکو آرام ہو جائے۔ جناب منشی شیو نرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی
ادا کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ آپکا خط پہنچا چونکہ یہ خط کا جواب تھا اور مدعا کوئی امر جواب طلب
نہ تھا اسواسطے اسکا جواب نہیں لکھا زیادہ۔ نگاشتہ و روان داشتہ صبح شنبہ ۱۶ اکتوبر
۱۸۵۸ء راقم غالب۔

ایضاً صاحب عجب تماشا ہے کہ میں نے منشی شیو نرائن صاحب کو خط لکھا تھا۔ سو کل ان کا
خط آیا اور انہوں نے دستنبو کی رسید لکھی۔ ڈاک کا ہرکارہ تو انکے پاس لے گیا ہوگا آخر تمہیں نے
بھیجا ہوگا یہ کیا کہ تم نے مجھ کو اس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا۔ اگر یہ گمان کیا جائے
کہ تم نے راہ [illegible] کی ملاقات ہو لینے پر خط کا لکھنا منحصر رکھا ہے تو وہ بھی ہو چکی ہوگی
مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے کہ [illegible] ہو لئے ہو [illegible] حوالے کر دی اب
[illegible] سے کچھ غرض نہیں [illegible] سے درگذرا سیکڑوں
مطالب و مقاصد [illegible] اس وحشت کی [illegible] جائے کہ وحشت نہیں ہے تو
[illegible] کہ تم مجھ سے خفا
ہو [illegible] کے واسطے [illegible] دن ستمبر کی پہلی
تاریخ [illegible] سبب وجہ

نہ معلوم ہونے سے جی گھبرا گیا ہیں تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے
خط جلد لکھو اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔ جانتا ہوں کہ تم رائے امید سنگھ سے بھی نہ ملے ہو گے
عیاذاً باللہ میں اُن سے شرمندہ رہا کہ میں نے کہا تھا کہ ہاں مرزا تفتہ دستنبو تم کو اچھی طرح
پڑھا دینگے اگرچہ ایسے حال میں کہ مجھ کو تم پر الگ ہونے اور پہلو تہی کرنے کا گمان گذرا ہے کوئی
مطلب تم کو لکھنا نہ چاہئے مگر ضرورت کو کیا کروں ناچار لکھتا ہوں صاحب مطبع نے خط کے
لفافہ پر لکھا ہے مرزا نوشہ صاحب غالب اللہ غور کرو کہ یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں
صفحۂ اوّل کتاب پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا اُردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے
کی یہ کوئی کتاب اُس شہر میں نہیں چھپی جو وہ میرا نام لکھ دیتے تم نے بھی اُن کو میرا نام نہیں بتایا
صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ دلی کے حکام کو تو
عرف معلوم ہے مگر کلکتہ سے ولایت تک یعنی وزراء کے محکمہ میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی
اس نالائق عرف کو نہیں جانتا ہیں اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا تو
میں غارت ہو گیا۔ کھویا گیا۔ میری محنت رائگان گئی گویا کتاب کسی اور کی ہو گئی۔ لکھتا ہوں اور
پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی
تاریخ۔ غالب۔

(مرزا حاتم علی مہر کے نام ہے (اہم خطوط غالب))

ایضاً۔ بھائی صاحب ۳۳ کتابیں بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیو نرائن کی کل جمعہ کے ۱۲ نومبر کو
پہنچیں کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر بینائی زیادہ ہو گئی یقین جانا کہ طلائی کام پر یہ کتابیں
طاؤس بہشت بن جائینگی حوریں ان کو دیکھ کر شرمائینگی۔ یہ تو سب درست مگر پہلے مجھ کو
اُن کا دیکھنا کب تک میسر ہو۔ آپ پر گمان تساہل کا گذرے یہ تو کیونکر ہو۔ ہاں صحاف جلد کے
بنانے کی نسبت سے میرے حق کا چلاو نہ بچائے یعنی مدت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے۔
اور ساتھ ہی حضرت کو بھی تاکید کیجئے کہ جلدی ارسال وقت کیجئے گا کہ وہ پارسل آسیب تلف سے محفوظ رہے
بہت مشکور ہوا اور بہت کام کیا تیرے سے مجھ کو وہ ایسا ایک جلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔

یا الٰہی یہ خط راہ میں ہو اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ و امان میں مجھ تک پہنچ جائے اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھئے اس میں یہ مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے ؎

یارب این آرزوئے من چہ خوش است　　　تو بدین آرزو مرا برسان

مرسلہ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف　　　آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میر مکرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ مرزا حاتم علی صاحب مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا۔ اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب　　　اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من ست

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا۔ سنو صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے اس کا نام عیش ہے تمہاری توجہ بمفرط ابطالِ شعر و سخن۔ تمہاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آ جاتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب　　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں ع اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں جو دکھ مجھ کو ہے اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی

قوم میں سے جوان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اُس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جواب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بنام شاہزادہ بشیرالدین صاحب

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت تقصیر معاف میں مدعی اور آپ مدعیٰ علیہ بھی اور حاکم بھی وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقہ ارادت سے خارج کر دیا۔ عرایض جواب طلب کا جواب نہیں ایک عنایت نامہ سابق میں "آب زہل میر و دبر پر چنگ" یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا۔ میں اُس کو پڑھ بھی نہ سکا معنی تو علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا اور جملہ کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا اب تک جواب نہیں پہنچا جی گھبرا رہا ہے جب تک اس کا جواب نہ پاؤں گا آرام نہ آئیگا برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب الدین خان بہادر کی زبانی آپ کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت سُنی مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی ہوتی ہے وہ کہاں۔ حضرت اب تو خالصاً للہ والرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملہ کے معانی لکھ بھیجیے۔ زیادہ حد ادب۔ عفو جرم کا طالب غالب۔

ایضاً۔ در پرسش سستم و در کا مجوئی استوار   بادشہ را بندہ ام خدمت و پُر خوار ہست

حضرت پیر و مرشد برحق روز افزوں کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ بقیم جز و لا یتجزی مجال ہے۔ آگے باد زمہریر نے لہو خشک کر دیا تھا۔ اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا۔ کل عنایت نامہ آیا آپ جور رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا مجھ کو بادصف استیلائے نسیان

بسبب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیئے حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں تو کس پتہ سے لکھوں ناچار
ابھی تامل ہے جب وہ بھرت پور آجائیں تو آپ اُن کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیئے گا کچھ لکھ
بھیجونگا نواب علی نقی خان صاحب کے خط کے جواب میں جو آپنے مجھ کو لکھا تھا وہ مجھ کو یاد رہیگا
جب نواب صاحب آجائینگے ہیں اُن کو سمجھا دوں گا آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔
فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی ہاں ہندی غزلیں قلعہ کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں سو
وہ یا تمہارے دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہونگی یا ضیاءالدین خانصاحب پاس میرے
پاس کہاں آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ وہاں سے دیوان منگوا کر نقل اُتروا کر بھیجدوں۔
سید محمد صاحب کو اور اُن کے دونوں بھائیوں کو میری دعا پہونچے۔ اسد اللہ نگاشتہ چارشنبہ
۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ء۔

ایضاً - مخدوم و مکرم جناب تفضل حسین صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپنے
مجھ کو یاد نہیں کیا اور مجھ کو کچھ آپکا حال معلوم نہیں بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں
ہیں ان کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر
اور تمہاری خیر و عافیت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی سو وہ بہت دنوں سے علیگڈھ میں ہیں اگرچہ
خط اُن کے آتے رہتے ہیں مگر اُن کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں اور تم سے تو اتنی ہی ہے
پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں بہرحال مقصود اس تحریر سے یہ ہے کہ نواب میر علی نقی خانصاحب
آپ سے ملیں گے یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خان اور نواب اسد خان کی اولاد
میں سے ہیں اور تمہارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خان مغفور کے بڑے دوست ہیں اب
یہ نوکری کی جستجو کو نکلے ہیں آپ ان کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور راج
کا حال سب ان پر ظاہر کریں اور اہالی سرکار سے اُن کو ملوا دیں اور بابو صاحب سے جو ان کو
ملوائیے تو یہ میرا خط جو آپکے نام کا ہے جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجئے کیا خوب ہو کہ پاس سرکار
میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے ان کی رخصت بآئین شائستہ

عمل میں آوے۔ نواب اسد خان عالمگیر کے وزیر تھے اور فرخ سیر ان کا بٹھایا ہوا تھا۔ جب
فرخ سیر نے ذوالفقار خان کو مار ڈالا تو اندر وے کتب تواریخ ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم
ہو گئی اور خود فرخ سیر پہ کیا گذری۔ قصہ کوتاہ ان کی تقریب میں جو مدد آپ صرف کرینگے اور
جسقدر آپ ان کی بہبود میں کوشش کرینگے احسان مجھ پہ ہوگا۔ زیادہ زیادہ۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور
میر احمد کی خدمتگذاری سے فارغ نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں صورت مقدمہ عجیب غریب ہے یہ بہنیں
اور ان کا بھائی باہم موافق رہینگے تو کوئی صورت نکل آئیگی۔ سماعت و ناطق یعنی زر روپیہ
اشرفی سنتا ہوں کہ کچھ نہیں۔ ان جاداد سو سید کے اظہار سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم نہ ہوگی اگر وہ
اسکا تقسیم ہو جائیگا میں اسے کیا دوں اور سمجھاؤں کیا۔ کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب
کے ہاں گیا تھا وہاں میاں بھی بیٹھا تھا باہم ان دونوں صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی
تھیں وہ بھی میری مانند حیرت زدہ سے تھے قضا و قدر کو چھوڑو نیرنگ تقدیر کے تماشائی
رہو گھاٹا نہیں ٹوٹا نہیں نقد مال کا پتا نہیں املاک کا کرایہ بٹ رہیگا گھبراتے کیوں ہو یہ
دلی والوں کی خفقانیت کے حالات میں تمہارا بھتیجا یعنی حبیب حسین خان بچ گیا۔ عوارض کی
[illegible] بھی دفع ہو گئی توقع زیست کی قوی ہے صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا اٹھایا
ہے۔ مہینہ بھر میں جیسے تھے ویسے ہی ہو جاوینگے انشاء اللہ العلی العظیم۔ صبح دوشنبہ ۲۵ مئی سنہ ۱۸۶۳

ایضاً۔ پیر و مرشد آج نواں دن ہے حسین مرزا صاحب الور گئے اگر ہوتے تو ان سے پوچھتا
کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں [illegible] نے چھپوائے خدا جانے حسین
مرزا نے کیا کہا اور حضرت کیا سمجھے اب یہ بات مجھ سے سنئے سنہ ۱۸۶۲ء یعنی سال گذشتہ میں
قاطع برہان چھپی۔ پچاس جلدیں [illegible] کہ آپ دلی آئے ہیں یہ
سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے [illegible] تو گنہگار تھا۔ اب کوئی
جلد باقی نہیں ہے۔ دیوان اگر ریختہ کا منتخب لیتے ہو تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کانپور دو جگہ

چھاپا گیا اور تیسری جگہ آگرہ میں چھپ رہا ہے فارسی کا دیوان بیش پچیس برس کا عرصہ ہوا جب چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گذشتہ میں منشی نولکشور نے شہاب الدین خان کو لکھ کر کلیات فارسی جو ضیاء الدین خان نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا وہ پچاس جزو ہیں۔ یعنی کوئی مصرع میرا اس سے خارج نہیں اب سنا ہے کہ وہ چھپکر تمام ہو گیا ہے روپیہ کی فکر میں ہوں ہاتھ آجائے تو ۱۵ بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب آجائینگی ایک آپ کو بھی بھیج دونگا نواب محی الدین خان صاحب کا حال سنکر جی بہت خوش ہوا میری طرف سے سلام و نیاز کے بعد مبارکباد دینا۔

ایضاً۔ حضرت آپکے خط کا جواب لکھنے میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا میاں کے آنیکا جواب وہ مجھ سے مل گئے اور ان کی زبانی سارا حال سن لیا تو جواب لکھنے بیٹھا سنو صاحب ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں یہاں تو سا تار وہن ہے۔ محمد تقی ایک اس کی دو بہنیں تین منشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چار یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی سہی نہ وہ حکام ہیں جن کو میں جانتا تھا نہ وہ محلہ ہے جس سے میری ملاقات تھی۔ نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے۔ ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشہ دیکھ رہا ہوں یا حافظ یا حفیظ ورد زبان ہے تمہارے بھائی غلام حسین خان مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خان خدا ہی خدا ہے جو نیچے آج تیرھواں دن ہے کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے نہ دست بند ہوتے ہیں نہ قے موقوف ہوتی ہے۔ چارپائی کاٹ رہی ہے۔ حواس زائل ہو گئے ہیں انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کام تمام ہے۔ والسلام والاکرام مرقومہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ۔ عافیت کا طالب غالب۔

بنام چودھری عبدالغفور المتخلص بہ سرور

جناب چودھری صاحب آپکا عنایت نامہ اسوقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چھبیسویں اور دسمبر کی پہلی۔ کتاب کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی حکیم عبدالرحیم خان کوئی

پہنچا ہے۔ جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو محجوب کرتے ہیں اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کرسکتا کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیجئے لطف اُٹھاؤنگا اور جو کچھ میرے خیال میں آئیگا بے تکلف عرض کردوں گا میرا سلام کہئے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیجدیجئے۔ اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیے اور کہئے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق بھی الفاظ ہندی تھے شاید کچھ تغیر بالمرادف ہو تو ہو یہ شادی بصد ہزار مسرت آپ کو مبارک ہو اور اُن کی اولاد دیکھنی اور اسی طرح ان کی شادی کرنی نصیب ہو فیض علی خانصاحب کو میرا سلام پہنچے میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہونگا۔ خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ہوں یہ آج پہنچا اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا کاتب وہی ہے جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

ایضاً۔ جناب چودھری صاحب آپکے تلطف نامہ کی ورود کی مسرت اور پارسل کے پہنچنے کی حیرت باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں اور باآنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھوں بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی اب آپکے خط کو پڑھ کر کارپردازان ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔ اُنہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہدیا کہ سکندرہ راؤ کی رسید یہ موجود ہے اب پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمہ ہے یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپکے پاس بھیجدوں آپ سکندرہ راؤ کے ڈاکخانہ میں بھجواکر اُن سے پارسل منگوالیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔ والسلام۔

ایضاً۔ جناب چودھری صاحب کی یادآوری اور مہر گستری کا شکر بجالاتا ہوں۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا۔ مثنوی کو جداگانہ بطریق پیمفلٹ پاکٹ بھیجتا ہوں اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ لفافہ اس کا بھی آپکے نام کا ہے آپکے جواب کا ماجرا اور تصحیح کو اودھر کا قصد اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر ثانی پر اس عزم کا ملتوی رکھنا

بھجواؤں گا۔ جناب چودھری صاحب آج کا میرا خط کاسۂ گدائی ہے یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں
تفصیل یہ کہ مولوی باقر دہلوی کے مطبع میں سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا ہے
مسمّی بدہلی اُردو اخبار بعض اشخاص سنین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں اگر اتفاقاً
آپکے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے
دو چار مہینے کے آگے کے اوراق دیکھے جائیں جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور
میاں ذوق کے دو سکّہ اُن کے نام کے کہکر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو بے تکلّف وہ اخبار
چھاپہ کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیجدیجئے آپکو معلوم رہے کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ
۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں اور ذوق نے اس مہینے میں یا دو ایک مہینے کے بعد
سکے کہکر گذرانے ہیں۔ احتیاطاً پانچ چار مہینے تک کے اخبار دیکھ لئے جائیں۔ یہانتک
میری طرف سے ابرام ہے کہ اگر بمثل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع ہو اور آپکو
اُس پر علم ہو تو وہاں سے منگوا بھیجئے۔ والسلام مع الاکرام۔

ایضاً شفیق میرے عنایت فرما تمہاری مہربانی کا شکر بجالاتا ہوں نہایت سعی یہ تھی کہ
آپکی طرف سے ظہور میں آئی۔ میں نے کلکتہ میں مہتمم مطبع جام جہان نما کو لکھ بھیجا ہے اور ترک
سعی کیا ہے۔ آپ بھی ذکر نہ کیجئے۔ اگر کہیں سے آپکے پاس آجائے تو مجھ کو بھیجدیجئے میرے
پاس آئیگا تو میں تم کو اطلاع دیدوں گا عنایت الٰہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا۔ اس کی
پرسش زائد میں خدمت گذاری کو حاضر ہوں وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیجدیں میرا سلام
اور یہ پیام کہدیجئے گا۔ صاحب تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پر خفا کر دیا۔ بھلا وہ خط
نہ لکھیں نہ لکھیں کبھی تم کو فرماویں کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا۔ بہرحال میرا سلام و نیاز
عرض کیجئے اور اُن کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھئے اور یہ لکھئے کہ اگر خدانخواستہ وہ مجھ
سے ناخوش ہیں تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے۔ اپنے چچا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچا دیجئے گا
اور مولانا عطا کو سلام شوق کہئے گا۔

غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ اُستاد شیخ عطا حسین صاحب کی جناب میں سلام۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی کو میرا سلام پہنچے۔ کل انشاء کا پارسل پہنچا اور آج خط۔ انشا کا نام بہارستان اور آپکا تخلص سرور۔ بہارستان مضاف اور سرور مضاف الیہ بہارستان سرور اچھا نام ہے قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا کس واسطے کہ اگر یہ وعدہ پہنچ جائیگا تو لطف زیادہ دیگا اور نہ پہنچیگا تو محل شکایت نہ ہوگا رفع فتنہ و فساد اور بلاد میں مسلّم۔ یہاں کوئی طرح آسایش کی نہیں ہے اہل دہلی عموماً بُرے ٹھہر گئے یہ داغ ان کے جبین حال سے عموماً مٹ نہیں سکتا میں اموات میں ہوں مُردہ شعر کیا کہیگا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آوے رہا قصیدہ ممدوح کون ہے۔ ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے ؎

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح ۔۔۔ اے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گذرتا ہے۔ اشرفیاں نہیں اور خلعت ریاست دو دمانی کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ سرپیچ مالائے مروارید مجھ کو ملا کرتا ہے اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں دربار میں بُلائے جانے کی توقع نہیں پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں۔ صناعت شعر اعضا و جوارح کا کام نہیں دل چاہئے۔ دماغ چاہئے۔ ذوق چاہئے۔ اُمنگ چاہئے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں جو شعر کہوں۔ چونسٹھ برس کی عمر ولولہ شباب کہاں۔ رعایت فن اس کے اسباب کہاں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ پیر و مُرشد سلام نیاز پہنچے۔ کف الخضیب صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے اسکے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسان ہند کو اس کا حال کچھ معلوم نہیں اور اُنکی زبان میں اس کا نام بھی یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دُعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری ہے جیسے کتان کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران اور روم

افزونی عمر و دولت پہنچے ۔

ایضاً۔ میرے مشفق آپکا خط آیا اور اُس کے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے
مٹا دیا۔ ایک قاعدہ آپکو بتاتا ہوں اگر اس کو منظور کیجیئے گا تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اُٹھ جائیگا
اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہیگا آدھ آنہ سہی ایک آنہ سہی آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے اور
میں بھی بیرنگ بھیجا کروں پیڈ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع
ہوا ہوں بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا۔ پنشن جاری ہو گیا تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ
مل گیا۔ بعد ادائے قرض معہ ۱۱ بچے اب ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے مگر یہی تین مہینے ستمبر۔ اکتوبر۔
نومبر ملینگے دسمبر سنہ ۱۸۶ء تنخواہ ششماہی ہو جائیگی اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ
سیکڑا سالانہ عموماً وضع ہوا کریگا اس حساب سے میرے حصہ میں ڈھائی روپیہ مہینہ آیا
معہ کے ساٹھ رہینگے کچھ رامپور سے ماہ بماہ آتا ہے یہ دونوں آمدنیں مل کر خوش و ناخوش
گذارا ہو جاتا ہے یہاں شہر ڈھے رہا ہے بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار اور اردو بازار
اور خانم کا بازار کہ ہر اک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتا بھی نہیں کہ کہاں تھے صاحبان
امکنہ اور دکاکین نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دوکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینہ
نہیں برسا آب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔
میوہ کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی دال ۸ سیر باجرا ۱۶ سیر گیہوں ۱۲ سیر چنے ۱۶ سیر
گھی ا سیر ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار کا مہینہ جسے جاڑے
کا دوار کہتے ہیں پانی گرم۔ دھوپ تیز۔ لو چلتی ہے جیٹھ اساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔
حضرت رفعت و رجعت جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی
بہ انکسار تمام عرض کرتا ہوں حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے۔ بیٹے مرشدزادہ
کے خط میں کب اپنا عزم لکھا یا کسی نے آپ سے میری زبانی کہا اگر آپ روز روانگی کے تقریر
سے اطلاع چاہتے ہیں ہاں آپکی قدمبوسی کی تمنا اور انوار الدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ

ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لیجاؤں گا تنخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل پر
اس کے وصول کی صورت اُن سطروں سے جو آغا مکتوب چودھری عبدالغفور صاحب
کی خدمت میں لکھی گئی ہیں مع روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔ لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز
میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دنیادار نہیں فقیر خاکسار ہوں تواضع میں کمی نوبت انجاح
مقاصد خلائق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز وہ فقیر سے راضی
و خوشنود رہینگے۔ جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گذارش
ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام پیام سوائے ایک بار کے کبھی نہیں پہنچا اب ان سطور کو
اپنا ذریعہ افتخار سمجھا اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا یہ جو نامہ کوئی [illegible] پائی اور
بے اطمینانی کا آپکو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے یہ خلاف واقع کسی نے آپ سے کہا ہے
میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قلمرو سلطان میں شاد [illegible] رہا ہوں دروازہ سے باہر
قدم نہیں رکھا نہ پکڑا گیا نہ نکالا گیا نہ قید ہوا نہ مارا گیا [illegible] ہوں کہ میرے خدا نے مجھ پر
کیسی عنایت کی اور کیا [illegible] جان و مال و آبرو [illegible] کا فرق نہیں آیا تنخواہ
جب کو حضرت نے [illegible] ہوگا فقیر کو اپنا
دوست [illegible] وہاں سید شاہ عالم
کو سلام و دعا [illegible] صاحب سے مجھ سے ملاقات [illegible] ہے ان کو کثرت اشغال
سے فرصت نہیں [illegible] اتفاق نہیں ملاقات ہوگئی

تو آپکا سلام [illegible] ع
[illegible]

[illegible] کو شکر گذار
[illegible] ان دونوں قصیدے

[illegible]

نوید وصل ہے ہم سے وہ ستارہ شناس — نکرو شہ رفت نگاہ ہے مگر درشتہ ترین

تحقیق کا باب روئے سخن جناب فیض نصاب جامع مدارج جمع الجمع بزم وحدت سے فروزندہ
شمع مستغرق مشاہدہ شاہد ذات حضرت صاحب عالم صاحب قدسی صفات کی طرف سے
اور شعر افتتاح کلام ہے پہلے کچھ باتیں کہ بادی النظر میں خارج از بحث معلوم ہونگی لکھی
جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا۔ نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اسکی جاگیر کے
عوض میری اور میرے شرکاء حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خان دس ہزار
روپیہ سال مقرر ہوئے۔ انہوں نے نہ دیئے مگر تین ہزار روپیہ سال۔ اسمیں سے خاص
میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپیہ سال۔ میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر
کیا۔ کولبرک صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی اور اسٹرلنگ صاحب بہادر سیکرٹری گورنمنٹ
کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر۔ رزیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سکرٹر گورنمنٹ بمرگ ناگاہ
مر گئے۔ بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرر کیا۔ ان کے ولیعہد نے
چار سو روپیہ سال۔ ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی
سرکار سے بصلہ مدح گستری پانسو روپیہ سال مقرر ہوئے۔ وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جئے
یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں مگر سلطنت جاتی رہی اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی
دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی۔ سات برس مجھ کو روٹی دیکر بگڑی۔ ایسے طالع مربی کش
اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب میں جو والی دکن کی طرف رجوع کروں۔ یاد رہے کہ
متوسط یا مر جائیگا یا معزول ہو جائیگا۔ اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اسکی
ضائع ہو جائیگی۔ اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دیگا۔ اور احیانا اسنے سلوک کیا تو ریاست خاک
میں مل جائیگی۔ اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائینگے۔ [illegible] یہ سب باتیں
وہمی اور واقعی ہیں۔ اگر ان سے قطع نظر کر کے قصیدہ کا قصد کروں۔ قصد تو کر سکتا ہوں
تمام کیونکر کرونگا۔ واسطہ ایک [illegible] پچاس [illegible] برس کی مشق کا نتیجہ ہے۔ کوئی قوت

باقی نہیں رہی کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر میری
مگر حیران رہتا ہوں کہ میں نے یہ نثر کیونکر لکھی تھی اور کیونکر یہ شعر کہے تھے عبدالقادر بیدل
کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ ۔ پایان عمر ہے۔ دل و
دماغ جواب دے چکے ہیں سو روپیہ رام پور سے ساڑھے دو سو روپے پنشن کے روٹی کھانے
کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عام میں سے ہے دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے
جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادۂ رحیل ہیں دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے
تھے ماہ گذشتہ میں گذر گئے مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں اگر ارادہ کروں
فرصت کہاں قصیدہ لکھوں آپ کے پاس بھیجوں آپ دکن کو بھیجیں بتوسط کب پیش کریں
موقع پائے پیش کئے پر کیا پیش آئے ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیونکر جیوں گا
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لا الہ الا اللہ ولا معبود الا اللہ ولا موجود الا اللہ کان اللہ ولم یکن شئ
والآن کما کان۔

ایضاً۔ جناب چودھری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا حال کچھ
[illegible] نہ لکھتے تو بہتر تھا کیونکہ اطلاع [illegible] اور اگر اطلاع دی تھی تو حصول صحت کا
[illegible] حال [illegible] وقت خاص [illegible] میں دعا مانگتا ہوں یقین ہے کہ پہلے تم تندرست
[illegible] حسب الاتفاق [illegible] جواب [illegible] ماہ نیم ماہ بھیجے
[illegible] بھیجتے ہیں [illegible] کی بابت کو نہیں سمجھے تو ماہ نیم ما
[illegible] قلمی [illegible] کہ اس کتاب کا نام
[illegible] آفرینش عالم سے ہمایوں کی سلطنت تک
[illegible] دوسرے حصے میں اکبر [illegible] شاہ [illegible] کی سلطنت کا بیان پہلے حصہ کا نام مہر
نیم روز دوسرے حصے کا [illegible] پہلا حصہ تمام چھپ گیا [illegible] جا بجا بھیجا قصہ
مختصر جلال الدین [illegible] حالات کے لکھنے کا [illegible] نام و نشان مٹ گیا۔ آن قدر

گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔ جو کتاب بینے لکھی ہی نہ ہو وہ بھیجوں
کہاں سے۔ پیر و مرشد کو میری بندگی اور صاحبزادوں کو دُعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے
ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلاتے ہیں ان دنوں میں کہ دل بھی تھا اور طاقت بھی تھی شیخ
محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا کہ جی یُوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں
اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے
پاؤں نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اتنی آموں کی گنجائش نہار منہ میں آم نہ
کھاتا تھا کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں۔ بین الطعامین
ہاں آخر روز بعد ہضم معدہ آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں اتنے آم
کھاتا تھا پیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں مگر دس
بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات ؎

دریغا کہ عہد جوانی گذشت جوانی مگو زندگانی گذشت

اب اس کے واسطے کیا سفر کروں مگر حضرت کا دیکھنا اس کے واسطے متحمل رنج سفر ہوں
تو جاڑے میں نہ برسات میں ع اے وائے زمحرومی دیدار دگر ہیچ +

ایضاً۔ بندہ پرور بہت دن ہوئے پرسوں آپکا خط آیا سر نامہ پر دستخط اور کے اور نام پر کا
پایا دستخط دیکھ کر مفہوم ہوا خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تمہارے دشمن بعارضۂ تپ و
لرزہ رنجور رہیں اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں خدا وہ دن
دکھائے کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو۔ خط پڑھ کر دو فی مسرت
ہو۔ جب تک ایسا خط نہ آئیگا دلِ سودا زدہ آرام نہ پائیگا۔ قاصد ڈاک کی راہ دیکھتا رہونگا
جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہونگا۔ آپکے عم عالیمقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع
صنوف اشتیاق و الوف احترام۔ جناب چودھری صاحب آؤ ہم تم حضرت عالم کے
پاس چلیں اور اپنی آنکھیں اُن کے کفِ پائے مبارک سے ملیں میں سلام کرونگا تم

کرکے پھر مجھے کچھ بھیجئے تاکہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں لیکن بہت جلد بہت جلد آپکی نگارش سے اتنا دریافت ہوگیا کہ اب آپ اچھے ہیں الحمد للہ ۔

ایضاً۔ بندہ پرور پرسوں تمہارا خط آیا آج جواب لکھ رکھتا ہوں۔ کل ڈاک میں بھجوا دونگا میرا حال کیوں پوچھو اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ ہے وہی میرا رنگ ہے شور و اورام مرض خاص اور رنج عام یہ ایک اجمال۔ دوسرا اجمال سنو کہ مہینہ بھر سے صاحب فراش ہوں۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں محل سرا اگرچہ دیوان خانہ کے بہت قریب ہے پر کیا امکان جو جا سکوں صبح کو ۹ بجے کھانا یہیں آجاتا ہے پلنگ پر سے کھسل پڑا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا پھر ہاتھ دھوئے کلی کی پلنگ پر جا پڑا۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے اُٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے اس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضائے بول کو دیکھو پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں مگر صعوبت کو تصور کرو ایک پھوڑا وائیں پہونچے میں جس کو ساعد کہتے ہیں۔ دو پھوڑے بائیں پہونچے میں پھر بائیں پاؤں میں کف پا و پشت پا سے لیکر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت رداعات و محللات سے کچھ نہ ہوا اب تجویز ہے کہ نیب کا لیپ باندھیے جب پکے پھوٹے تب مرہم لگائیے۔ کہو کف پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیام کا کہاں ٹھکانا یہ حال جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں مجمل و جزوی ہے میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لیکر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں اور رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ان حضرات کا کلام تھوڑی تھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے فغانی اور

ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا خیال اُسے نازک و معانی بلند لایا اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عُرفی نوعی نے سُبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز لیے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا۔ اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں۔ خاقانی اسکے اقران ظہوری۔ اسکے امثال۔ صائب اس کے نظائر ناصر علی و ممتاز و اسیر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے پس تو ہم نے جانا کہ اُن کی طرز چوتھی ہے لیکن اب اپنی طرز سے فارسی نہیں ہے بندش ہے دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال سے باہر ہے داد و داد انصاف ؎

اگرچہ شاعران نغز گفتار — زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادہ بعضے حریفان — خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیز دیگر پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ اب اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے میر تقی علیہ الرحمت ؎

بدنام ہوئے جانے بھی دو امتحان کو — رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو
؎ دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار — خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا
قامت تو سراپا ہے طلب تو کیوں ہو بانس — ہے تو نادان مگر اتنا بھی ہمہ آموز نہیں
مومن خاں ــ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کتنے اور آتش کے ہاں بیشتر ہیں مگر ان کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔ یا کیا ہو سیدھے سیدھے الفاظ پانچوں کے دم کی ہیں ہوش اُڑائے دیتی ہے

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ ایک عبارت لکھتا ہوں چونکہ لفافہ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا ہوگا پہلے وہ پڑھیں پھر میرے پیر و مرشد کی نظر سے گذرانیں پھر مرشدزادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں برس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں شبور و اورام میں لڑ رہا ہوں برس دن میں اوجاع سہتے سہتے روح تحلیل ہوگئی نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر مگر دونوں پنڈلیوں میں ہڈی کے قریب دو پھوڑے ہیں کھڑا ہوا اور ہڈیاں چھلنے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں بائیں پانوں پر کف پا سے جہاں وہ پھوڑا ہے پنڈلی پر ورم ہے رات دن پڑا رہتا ہوں پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے کھسل پڑا بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری صاحب کے آئے اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کے آئے جواب نہ لکھ سکا آج اپنے کو طعنے دیکر مردنیا یا۔ جب یہ عبارت لکھی چودھری صاحب کو سلام شاہ عالم صاحب کو سلام حضرت صاحب کو بندگی ۔

بنام میر سرفراز حسین صاحب

میری جان کے چین مجتہد العصر میر سرفراز حسین تم کو اور تمہارے بھائی اور تمہارے نئے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ غدر سے پہلے ہر دربار میں خلعت پاتا تھا۔ بعد غدر دربار اور خلعت اور ملاقات سکرٹروں کی یہ سب موقوف اب جو لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب آئے تو انہوں نے خود مجھے بلا بھیجا اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں کا بھی دربار اور خلعت کھل گیا انبالے جاؤ گے تو پاؤ گے میں انبالے نہ جا سکا بالفعل نائب گورنر کے خلعت پر قناعت کی اس خلعت کو بشرط حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔ ہملٹن صاحب الوہیں آگئے۔ راجہ صاحب دربار

پہنچائینگے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ صاحب ابن نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو
اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں بموجب مصرع ع کس دل بدست آور
کہ حج اکبرست۔ بہ تم سے کب انکار کرتا ہوں اگر مرزا گوہر کی جگہ پاؤ تو خوش۔ اگر غلام اشرف جانو تو
راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ دن کو مجھ سے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ اور جلد آؤ سید انور کا
جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے۔ راج پوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے
ہیں کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں کیا مجمع برہم ہوا ہے مجھ کو کیسا غم ہوا ہے
تم اس جرگے سے جدا ہو تم کو اندیشہ کیا ہے میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں ویسا کرو میر
مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہینگے مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی میری دعا پہنچے میر نصیر الدین
ایک دن میرے ہاں آئے تھے اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں۔ ہوں تو دعا کہنا میرن
صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے دعا سلام کی حاجت کیا دیکھو ہم اپنا نام نہیں لکھتے بھلا
دیکھیں تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے ۞

بنام میر مہدی حسین صاحب مجروح

بھائی تم سچ کہتے ہو ع بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے
کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی جس طرح یہ آئے
ہیں اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے لیکن واللہ میرے عقیدہ اور تصور
اور قیاس کے مطابق ہے یعنی میں بھی سمجھا تھا کہ البتہ یوں ہی ہوگا دیوان اردو چھپ چکا ہے
لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جسکا دیوان چھاپا اُس کو آسمان پر چڑھا دیا حسن خط سے الفاظ
کو چمکا دیا دلی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس
طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں کاپی نگار اور تھا متوسط جو
کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور تھا اب جو دیوان چھپ چکے حق التصنیف ایک مجھ کو ملا

غور کرتا ہوں تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے ناچار غلط نامہ لکھا وہ چھپا بہرحال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لونگا۔ اگر خدا چاہے تو اسی ہفتہ میں تین مجلد اصحاب ثلثہ کے پاس پہنچ جائیں نہ میں خوش ہوا ہوں نہ تم خوش ہوگے اور یہ جو لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں قیمت لکھ بھیجو میں دلال نہیں۔ سو اگر یہیں مہتمم مطبع نہیں مطبع احمدی کے مالک محمد حسین خاں مہتمم مرزا امو جان مطبع شاہدرہ میں محمد حسین خان دلی شہر رائے مان کے کوچہ میں مستورات کی حویلی کے پاس قیمت کتاب ۶ مع محصول ڈاک خریدار کے ذمے طالبان کتاب کو اطلاع دو دو چار دس پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں محمد حسین خان کے نام پر دلی رائے مان کے کوچے مستورات کی حویلی کا پتہ لکھ کر خط ڈاک میں بھجوا دو کتاب ڈاک میں پہنچ جائیگی قیمت چاہو نقد چاہو ٹکٹ ارسال کرو مجھ کو اور تم کو کیا جو کہے اس کو یہ جواب [illegible] ایک چھپا ہے جس کا مرد ایک چھپا ہے جس کی عورت ان دونوں میں سے ایک بھی مرتا تو ہم جانتے کہ وہاں وبا آئی تھی تلف ہوئیں [illegible] کے بیٹے کا حال کچھ معلوم نہیں کل شام کو دو دو مونڈھے رکھ کر کئی آدمی دیکھا کئے ہلال نظر نہیں آیا۔ نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ بھائی [illegible] ٹکٹ [illegible] لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے کتاب میں سے یہ کاغذ [illegible] لکھتا ہوں اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں [illegible] کل شام کو [illegible] نہیں [illegible] آج کاغذ ٹکٹ منگا لونگا شنبہ [illegible] کا وقت [illegible] تمہارا خط آیا تھا آج جی چاہا کہ [illegible] تم کو خط لکھوں [illegible] نصیر الدین پر ان کی بیٹی کا نام مبارک ہو [illegible] اچھا ہے کہ [illegible] کے نام کی مجتہد العصر کو میری دعا [illegible] مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے ہو

بے ادبی اچھی نہیں میرن صاحب کو بہت بہت دُعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے۔ پون ٹوٹی کوئی چیز ہے وہ جاری ہوگئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلیگا دوکانیں حویلیاں ڈھائی جاوینگی دارالبقا فنا ہوجائیگی۔ رہے نام اللہ کا خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑھ تک ڈھیگا دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے باقی خیر و عافیت ہے حاکم اکبر کی آمد آمد سُن رہے ہیں دیکھئے دلی آئیں یا نہیں آئیں تو دربار کریں یا نہیں دربار کریں تو میں گنہگار بُلایا جاؤں یا نہیں بُلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں پنشن کا نہ کہیں ذکر ہے نہ کسی کو خبر ہے۔ غالب سہ شنبہ ۸ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں آج یکشنبہ کا دن ساتویں فروری کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی کی ہے دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی رہنے والے اُستاد حامد کے کوچہ کے میرے پاس آئے اور انہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ جمادی الثانی کا دیا۔ ڈاک کا خط ہرگز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا وہیں ہوں خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا خط آوے اور میں پھیر دوں تم خود کہتے ہو کہ اُس پر یہ لکھا ہوا آیا کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے نہیں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں آگرہ اور الور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں تمہاری والدہ کا مرنا سُن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ خدا تم کو صبر دے اور اُس عفیفہ کو بخشے میرا حقیقی بھائی میرزا یوسف خان دیوانہ بھی مر گیا کیسا پنشن اور کہاں اُس کا ملنا یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ؎

ہے موجزن اک قلزم خون کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائیگی تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو لے ٹکٹ کے نہ آنا میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو کہ یہاں ہیں مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے ہیں مخفی نہیں ہوں۔ روپوش ہوں۔ حکام جانتے ہیں کہ یہاں ہے مگر نہ

تھے الحمدللہ علیٰ کل حال دیکھئے اب معاودت کب کرتے ہیں موافق اپنے وعدہ کے ہم کو کیونکر طلب کرتے ہیں کلکتہ جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں آکر اسد کو بلاؤنگا۔ البتہ اگر وہ بلائینگے تو میں کیونکر نہ جاؤنگا۔ ظاہرا ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑیگی وہ مقرب نہیں گے اگر میری قسمت لڑے گی تم کامیابی کا سامان کر رکھنا میرن صاحب کو مجھ پہ مہربان کر رکھنا بھائی یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں حضور کے بڑے مصاحب ہیں جس گروہ میں سے جسکو چاہیں حضور سے ملوا دیں یہ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں دلوا دیں۔ اُن کو اور مجتہد العصر کو میرا دُعا کہنا۔ نجات کا طالب غالب ॥

ایضاً۔ میاں تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے کہ وہ تصویر جو تمنے میاں محمد افضل کو دی تھی وہ اُنہوں نے واپس دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے جب وہ تیار ہو جائیگی میں اُن کو روپیہ دے کر لے لونگا خاطر جمع رکھو پنشن سراسر سب کو ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا ہر چھینے میں سو دے لو اور کھاؤ۔ کشمیری کٹرہ بگڑ گیا ہے وہ اونچے اونچے در اور وہ بڑی بڑی کوٹھریاں وہ روپیہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں آہنی سڑک کا آنا اور اسکی رہگذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے۔ چار دن سے پُروا ہوا چلتی ہے۔ ابر آتے ہیں مگر صرف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا۔ گیہوں۔ چنا۔ باجرا۔ تینوں اناج ایک بھاؤ ہیں۔ نو سیر ساڑھے نو سیر میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا کہ جیند میں ہیں یا یہاں ہیں میر نصیر الدین دو بار میرے پاس آئے اب مجھ کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں قاسم علی خان قطب الدولہ ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ہوئے ہیں آخر وہ شادی بھی کب ہونیوالی ہے اور کہاں ہونے والی ہے اس خط کا جو جواب لکھو تو سب حالات مفصل لکھو۔ غالب صبح چارشنبہ نہم جنوری سنہ ۱۸۶۱ء ॥

ایضاً۔ میاں تمہارے خط کا جواب منحصر تین باتوں پر ہے دو کا جواب لکھتا ہوں تیسری بات کا

ایضاً - صاحب دو خط تمہارے بسبیل ڈاک آئے کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب جنہیں سانولے سلونے داڑھی منڈے بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے تمہارا خط دیا صرف انکی ملاقات کی تقریب میں تھا بارے ان سے اسم شریف پوچھا گیا فرمایا اشرف علی قومیت کا استفسار ہوا معلوم ہوا سید ہیں - پیشہ پوچھا حکیم نکلے یعنی حکیم اشرف علی ہیں ان سے مل کر بہت خوش ہوا خوب آدمی ہیں اور کام کے آدمی ہیں کتنے اچھے ہو مصطلحات الشعرا بھائی وہ کتاب تمہاری ہے میں نے غصب نہیں کی میرے پاس مستعار ہے دیکھ چکونگا بھیجدونگا تقاضا کیوں کرو میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں جلدی نہ کرو - دیر آید درست آید - سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین کو دعائیں - غالب صبح چہار شنبہ ہفتم رمضان ہشتم مارچ ؛

ایضاً - میاں تم کو پنشن کی کیا جلدی ہے - ہر بار پنشن کو کیوں پوچھتے ہو پنشن جاری ہوا اور میں تم کو اطلاع نہ دوں ابھی تک کچھ حکم نہیں دیکھوں کیا حکم ہو اور کب ہو - میرن صاحب جے پور پہونچے تم شاہ پور ہی بتاتے ہو شاید سچ ہی ہو - ہاں میر محمود علی اور یہ میر برادر ابو الفضل تو تھے مگر دیکھا چاہیئے درخت جگہ سے اکھڑ کر بدشواری جمتا ہے خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں - سو وہاں کیا خاک جمع ہونگے سُنّی الگ شیعہ الگ نیک جدا - بد جدا میر سرفراز حسین کو دعا - میر نصیر الدین کو پہلے بندگی پھر دعا - کتاب کا نام دستنبو رکھا گیا - آگرہ میں چھاپی جاتی ہے تم سے تمہارے ہاتھ کے اوراق لکھے لونگا تب ایک کتاب تم کو دونگا - از غالب روز ورود نامہ پنجشنبہ ۲ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً - میر مہدی تم میرے عادات کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے میں اس مہینے میں رام پور کیوں رہتا - نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آ پہنچا ایک شنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خان کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں شب کو مسجد جامع جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں

دن ابو المظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون
جاڑا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے کل سے رات کو زری انگیٹھی پر گذارا ہے بوتل گلاس
موقوف۔ راجہ پٹیالہ مر گیا۔ مہندر سنگھ اس کے خلف پر خطاب فرزندی اور القاب بحال و برقرار
رہا بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے ظاہرا جو رنگ اس ریاست کا ہونیوالا ہے وہ نواب
گورنر جنرل کے آنے پر کھلیگا اور وہ فروری مہینے میں یہاں آئینگے الور کی ریاست کا حال بدستور
ہے گورنر صاحب ہی انہیں اختیار دینگے یعنی پٹیالا و الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا
بالفعل ایجی صاحب ایجنٹ الور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں راجہ صاحب تجارۃ تک اُنکی
مشایعت کو گئے یہاں ایجی صاحب سے کوئی صاحب سنگھ ٹھیکہ دار الور کی سڑک کا ہے اُسنے
کچھ کہا تھا جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے ہم کچھ حکم نہ دینگے۔ اسفندیار بیگ
متوفی کا کوئی متبنی مستدعی پرورش ہوا اس کو بھی یہی جواب ملا۔ اب اور تو کیا لکھوں۔ دھوپ
میں بیٹھا ہوں یوسف علی خان اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کر آدمی کو
دوں گا اور میں گھر جاؤنگا وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا ہاتھ منہ
دھوؤں گا۔ ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤنگا بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤنگا
پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئیگا۔ کیا صحبت ہوگی مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب اور
ذاکر الحسین میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا منگل کا دن ۲۳ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر پہر
دن چڑھے۔ غالب ؎

۱۔ ایضاً پنجشنبہ ۱۵ ذیقعدہ و مئی باہم صاحب آج تمہارا خط دوپہر کو آیا اُس میں بیٹے مسودہ تاریخ کا
پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا خط پڑھ کر میر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انتیس روپے کو
تین گاڑیاں مقرر ہو گئی ہیں میں کل یعنی آج شام کو سوار ہو جاؤنگا اب اسوقت جو میں یہ خط لکھ
رہا ہوں پہر دن باقی ہے لکھ کر کھلا رکھ چھوڑ دوں گا شام کو مجتہد العصر میرے گھر ضرور آئینگے اگر
آج جائینگے تو واسطے تودیع کے اور اگر نہ جائینگے تو موافق معمول کے آئینگے اُن کے جانے نہ جانے کا

حال صبح کو اسی ورق پر لکھ کر خط بند کرکے بھیجدوں گا خدا کرے اُردو کی نثر کا لفافہ انہوں نے
ڈاک میں بھیج دیا ہو شام کو مجھے دیجائیں تو میں کل اس خط کے ساتھ اُسے بھی بھجوا دوں بہار
اگر دورہ کو گئے تو کیا اندیشہ ہے گرمی کا موسم ہے لنبا چوڑا سفر کیوں کرینگے آٹھ سات دن میں پھر آئینگے
یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو تب کہیں جاؤ میرن صاحب کی تمہاری چچا چچی کے لکھنے کا مجھے
دم نہیں تم جانو وہ جانیں کلیات کے چھاپے کی حقیقت سنو ۲ صفحے چھاپے گئے تھے کہ
مولوی ہادی علی مصحح بیمار ہو گئے کاپی نگار رخصتی اپنے گھر گیا اب دیکھئے کب چھاپا شروع ہو قاطع
برہان کا چھاپا ختم ہوا ایک جلد بطریق نمونہ آگئی میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے
دے رکھی ہے اب پچاس روپے بھیجوں تو پچاس جلدیں منگاؤں دیکھئے نو من تیل کب میسر
اور رادھا کب ناچے۔ میاں کل شام کو میر سرفراز حسین یہاں سے گھر نہیں آئے یا تو الور کو مجھ سے
بے رخصت ہوئے گئے یا نہیں گئے ہیں تو آج ... صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں
نجات کا طالب غالب

ایضاً - لو صاحب یہ تماشا دیکھو میں تو تم سے پوچھتا ہوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین
کہاں ہیں حالانکہ میر نصیر الدین شہر میں ہیں اور مجھ سے نہیں ملتے میر سرفراز حسین آئے ہیں اور
میرے ہاں نہیں اُترے لاحول ولا قوۃ اترنا کیسا ملنے کو بھی نہیں آئے افسوس ہے جن کو میں
اپنا سمجھتا ہوں وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ہیں اب تم یہ پوچھو کہ نصیر الدین کا دلی میں ہونا اور مجتہد العصر
کا یہاں آنا تم نے کیونکر جانا بھائی آج جمعہ کا دن ۲ جمادی الثانی کی اور ۱۱ جنوری کی صبح کیوقت
منہ اندھیرے اس وقت میری آنکھ کھلی تھی لحاف میں لیٹا ہوا پڑا تھا کہ ناگاہ میر نصیر الدین صاحب
تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں اور میر حسن صاحب بھی جاتے ہیں میں سمجھا میر سرفراز حسین
جب بعد تکرار معلوم ہوا تو میر حسن بھی پورے آئے اور خدا جانے کہاں اترے اور اب کہاں جاتے
ہیں جب مجھے یہ معلوم ہوا تو سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے اور مجھ سے نہ ملے اپنی سسرال
میں رہتے اور بیٹی کو چھوڑ لے۔ واللہ میں ان کے بیٹے کو دیکھنا چاہتا تھا اب اٹھا ہوں سردی

رفع ہولے دھوپ نکل لے آغاجان کے ہاں آدمی کو بھیجتا ہوں۔ میں کمبخت یہ بھی تو نہیں جانتا
کہ آغاجان کہاں رہتے ہیں اب میر احمد علی کی بی بی پاس حبش خان کے پھاٹک آدمی بھیجوں گا
جب آغاجان کے گھر کا پتہ معلوم ہوجائیگا اور آدمی دیکھ آئیگا۔ اور یہ بھی معلوم کر آئیگا کہ میر حسن
صاحب ہیں تو میں سوار ہو کر جاؤں گا اور اُن سے ملوں گا۔ تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے
چچا کے یہاں آنے کا منشا اور اُن کا احوال مفصل لکھو۔ تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں خاطر
جمع رکھو اور مجتہد العصر اور میرن صاحب کا حال لکھو۔ نجات کا طالب غالب صبح جمعہ ۱۱ر جنوری ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو ادھر آؤ خبریں سُنو۔ دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ میں ہُوا دلی
کے علاقہ کے جاگیردار بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ گئے موافق دستور قدیم مل آئے غرضکہ پنجشنبہ ۲۹،
دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے
اُسی وقت توپوں کی آواز سُنتے ہی میں سوار ہو کر گیا میر منشی سے ملا اُن کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب
سکرٹر کو خبر کروائی جواب آیا کہ فرصت نہیں یہ جواب سُن کر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا ہر چند
پنشن کے باب میں ہنوز لا ونعم نہیں مگر کچھ فکر کر رہا ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے لارڈ صاحب کل
یا پرسوں جانیوالے ہیں یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن تحریر ڈاک میں بھیجی جائیگی دیکھئے کیا
صورت درپیش آئیگی۔ مسلمانوں کی املاک کے واگذاشت کا حکم عام ہوگیا ہے جن کو کرایہ پر ملی ہے
ان کو کرایہ معاف ہوگیا ہے آج یکشنبہ یکم جنوری ۱۸۶۱ء ہے پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو
لکھا ہے اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو چاہو پھر چلے جاؤ۔ میر
سرفراز حسین میر نصیر الدین میرن صاحب کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دُعا
کے یہ کہدینا کہ وہ حبوب جو تم نے مجھ کو دی تھیں ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیجدو واللہ موجود ماسوا
معدوم۔ اپنی مرگ کا طالب غالب

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط آیا حال معلوم ہُوا۔ میں اس خیال میں تھا کہ انور کا کچھ حال معلوم کرلوں
اور کپتان الگزنڈر کا خط آئے اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمہ میں لکھوں تو اسوقت

دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھئے گا۔ میاں بٹھو ہوش کی خبر لو تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ میں بوڑھا آدمی بھولا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور آجتک اُسے خط نہیں لکھا لاحول ولا قوۃ۔ سنو میر مہدی صاحب میرا کچھ گناہ نہیں میرے خط کا جواب لکھو۔ تپ تو رفع ہو گئی پیچش کے رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو یہ بڑی بات ہے کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں تمہارا پرہیز اگر ہو گا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہو گا۔ حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہونگے دیکھو بیٹھے ہیں کیا جانوں حکیم میر اشرف علی ہیں اور اُن میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھہرا تو ہے اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں تو ان سے یہ پوچھو کہ جناب ملکہ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمہاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کیجیو کہ یہ جو فارسی مثل مشہور ہے کہ دفتر را گاؤ خورد اس کے معنے کیا ہیں پوچھو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔ اسوقت پہلے تو آندھی چلی پھر مینہ آیا اب مینہ برس رہا ہے میں خط لکھ چکا ہوں سرنامہ لکھ کر رکھ چھوڑوں گا جب ترشح موقوف ہو جائیگا تو کلیان ڈاک کو لیجائیگا میر سرفراز حسین کو دعا پہونچے اللہ اللہ تم پانی پت کے سلطان العلما اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمہیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں میر نصیر الدین کو دُعا کہنا ✦

ایضاً۔ اہاہا میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے بیٹھو یہ رامپور ہے دار السرور ہے جو لُطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سُبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اُس کا نام ہے بے شبہ چشمۂ آب حیات کی کوئی سوت اُس میں ملی ہے خیر اگر یُوں بھی ہے تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہو گا۔ تمہارا خط پہنچا تردد عبث میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست نہ عُرف لکھنے کی حاجت نہ محلّے کی حاجت بے وسواس خط بھیجدیا کیجئے اور جواب لیا کیجئے یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے اسوقت مہمان ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہے

لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اسوقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا ۔

ایضاً۔ آؤ میاں سیدزادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھئے ہوئے اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنون کہاں ذوق کہاں مومن خان کہاں ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخندانی کس برتے پر تتا پانی ہائے دلی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلی منشو صاحب پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں احمد حسین خان وابسرداد خان ولد دلاور خان اور نانا اُس احمد حسین خان کے غلام حسین خان ولد صاحب خان اس شخص کا حال ازروئے تحقیق مشرح اور مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے عمر کیا ہے طریق کیا ہے احمد حسین خان کی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے بھائی لکھو۔ اور جلد لکھو ۔

ایضاً۔ سید خدا کی پناہ عبارت لکھنے کا ڈھنگ کیا ہاتھ آیا ہے کہ تم نے سارے جہان کو سر پر اُٹھایا ہے ایک غریب بے مظلوم کے چہرہ نورانی پر دھبا سا لگایا ہے۔ تم کو سرمایہ آرائش گفتار بہم پہنچا ہے میری ان کو دعا پہنچاؤ اور ان کی خیر و عافیت جلد لکھو۔ بھائی یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک کی شدت ہوئی تھی آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی ہے آج ۲۰ مارچ کی ہے پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں آج ویسی ہی تیز ہے خدا اپنے بندوں پر رحم کرے مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے تم کو یاد ہوگا ایک شنبہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نذر بھیجی تھی آج پانچواں دن ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے بسبیل ڈاک آیا وہی کاغذ افشانی وہی القاب قدیم کتاب کی تعریف عبارت کی تحسین مہربانی کے کلمات کبھی تم کو خدا یہاں لائیگا تو اس کی زیارت کرو گے پنشن کے ملنے کا بھی حکم آج کل آیا چاہتا ہے اور یہ بھی توقع پڑی ہے کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی

تحریر آ جائے۔ میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کو دُعا کہہ دینا
اور یہ خط دکھا دینا۔

ایضاً۔ برخوردار نورِ چشم میر مہدی کو بعد دُعائے حیات و صحت کے معلوم ہو بھائی تم نے بخار کو کیوں آنے دیا تپ کو کیوں چڑھنے دیا۔ کیا بخار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم مانع نہ آئے کیا تپ ابن بن کر آئی تھی جو اس کو روکتے ہوئے شرمائے حکیم اشرف علی ابھی آگئے ہیں کہتے تھے کہ میں نے نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیج دیا ہے چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے حق تعالیٰ تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سُنائے۔ سنو میاں سرفراز حسین ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے ع بغیر در شکر آکست رو بما وارد۔ پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈھتا ہوں کہ میرے واسطے کونسی بات ہے مجھ کو کیا پیام ہے کچھ نہیں شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو۔ ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا آغاز تحریر میں القاب میرا پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا یہ کیا سیر ہے میں ایسے خط کا جواب کیوں لکھوں میری بلا لکھے اب جو تم خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کرو گے اور میرن صاحب کا نام اور اُن کے لئے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا کہ ہم نے سُنا ہے کہ چچا نے اسکا مرنا سُنا ہوگا۔ اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دونوں بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا کہ کونسی لڑکی مری کاش اس کے باپ کا نام لکھتے تاکہ میں جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے اب میں کس کا نام لیکر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے توضیح بقید نام لکھو۔

ایضاً۔ بھائی ایک خط تمہارا پہلے پہنچا اور ایک خط کل آیا پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے اسواسطے

ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری بند کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ کہ آج میر نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے ان کو دیکھ کر دل خوش ہوا تم نے بھی خط میں لکھا تھا کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے کہ میں اور وہ ایک ان پانی پت سے چلے وہ اُدھر گئے میں ادھر آیا ظاہرا پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ہیں اُن کی کتاب رہ گئی اب اُن تک کیونکر پہنچے گی خدا خیر کرے میاں لڑکے سنو میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمد اعظم صاحب کے اور خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا اس واسطے میر نصیر الدین کا پہلے بندگی کہتا ہوں اور پھر تمہارے علاقہ سے دعا صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں ع گر حفظ مراتب نکنی زندیقی۔ اب جواب سنو تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی یہ بات اچھی نہیں میں تو ڈر گیا کہ اگر تمہارے خط میں ان کو دعا سلام لکھوں گا تو ان سے تم کاہے کو کہو گے پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیر الدین نے ان کی بندگی مجھ سے کہی ہے خدا کے واسطے میری دعا اُن سے کہہ دینا۔

ایضاً۔ میری جان سنو داستان صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے میں اُلٹا پھر آیا جمعہ ۲۵ فروری کو گیا ملاقات ہوئی کرسی دی بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اُٹھا کر پڑھتے رہے جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے منٹگمری صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں لکھتے ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو حقیقت کہی کہ ایک کتاب نذر آمدہ ولایت لکھا تھا وہ پڑھوا دیا پھر پوچھا کہ کتاب کیسی لکھی ہے کیا حقیقت بیان کی کہا ایک منٹگمری صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک مجھ کو دو میں نے عرض کیا کل حاضر کر دوں گا پھر پنشن کا حال پوچھا وہ گزارش کیا اپنے گھر آیا اور خوش آیا دیکھو حاکم پنجاب کو کتاب مسلمہ ولایت کی کیا خبر لکھتا ہوں سے کیا اطلاع پنشن کی

پرسش سے کیا مدعا یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے اور یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی ہے غرضکہ دوسرے دن یک شنبہ یوم تعطیل تھا میں اپنے گھر رہا دوشنبہ ۲۸ فروری کو گیا باہر کے کمرہ میں بیٹھ کر اطلاع کروائی کہا اچھا توقف کرو بعد تھوڑی دیر کے گڑھ کپتان کی چٹھی آئی سواری مانگی جب سواری آ گئی باہر نکلے میں نے کہا وہ کتابیں حاضر ہیں کہا منشی جیون لال کو دے جاؤ وہ اُدھر سوار ہو گئے میں اِدھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا بہت التفات سے باتیں کرتے رہے کچھ سارٹیفکٹ گورنروں کے ساتھ لیگیا تھا وہ دکھائے۔ ایک خط منگلوڈ صاحب بہادر کے نام کا لیگیا تھا وہ دیکر یہ استدعا کی کہ کتاب کے ساتھ یہ بھی بھیجا جائے بہت اچھا کہکر رکھ لیا پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنشن کے باب میں اجمرٹن صاحب کو کچھ لکھا ہے تم اُن سے ملو عرض کیا بہتر اجمرٹن صاحب بہادر جیسا کہ تم کو معلوم تھا گئے ہوئے تھے کل وہ آئے آج میں نے ان کو خط لکھا ہے جیسا کہ وہ حکم دینگے اسکے موافق عمل کرونگا جب بُلائیں تب جاؤنگا دیکھو سید اسد اللہ الغالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا ۲۲ مہینے تک بھوکا پیاسا بھی نہ رہنے دیا پھر کس محکمہ سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے میرے تفقد کا حکم بھجوایا حکام سے مجھ کو عزت دلوائی میرے صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اسی کا بخشا ہوا تھا میں کیا اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا۔ میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھا دینا اور ان کو اور نصیر الدین چراغ دہلوی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا۔

ایضاً۔ واہ واہ سید صاحب تم تو بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے نثر میں خود نمائیاں کرنے لگے کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں ہوں مگر جاڑے نے بےحس و حرکت کر دیا ہے آج جو بسبب ابر کے وہ سردی نہیں تو بیٹھے خط لکھنے کا قصد کیا ہے مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی کروں۔ بھائی تم نو اُردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اُردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رود نیل بن گئے ہو کیا قتیل کیا رود نیل یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں لو سنو اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا اس میں سنگ و خشت

خاشاک ڈال کر بند کر دیا تلی ماروں کے دروازہ کے پاس کئی دکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا
شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے پنشن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں تاج محل
مرزا قیصر مرزا جوان بخت کے سالے ولایت علی بیگ بے پور کی زوجہ ان سب کی الہ آباد سے
رہائی ہو گئی دیکھئے کیمپ میں رہیں یا لندن جائیں خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر
تراشوں کا دستور ہے یہ بات اڑا دی ہے سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال
۱۸۵۹ء میں عموماً شہر میں آباد کئے جائینگے اور پنشن داروں کو جھولیاں بھر بھر کر روپے دیئے
جائینگے خیر آج بدھ کا دن ۲۲ دسمبر کی ہے اب شنبہ کو بڑا دن اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے
اگر جیتے ہیں تو دیکھ لینگے کہ کیا ہوتا ہے تم اس خط کا جواب لکھو اور شتاب لکھو میری جان سرفراز حسین
تم کیا کرتے ہو اور کس خیال میں ہو اب صورت کیا ہے اور آیندہ معیشت کیا ہے میر نصیر الدین کو
صرف دعا اور اشتیاق دیدار میرن صاحب کہاں ہیں کوئی جائے اور بلا لائے حضرت آپ نے السلام علیکم
مزاج مبارک کیسا ہے مولوی مظہر علی نے آپکے خط کا جواب بھیجا یا نہیں اگر بھیجا تو کیا لکھا میں جانتا
ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور تم بیشتر میر مہدی بہت آپکی جناب میں
گستاخیاں کرتے ہیں کیا کروں میں کہیں تو کہیں وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ کیونکر تم سے بے ادبیاں
کر سکتے انشاء اللہ تعالیٰ جب اکٹھا ہونگے انتقام لیا جائیگا ہے ہے کیونکر اکٹھا ہونگے دیکھئے زمانہ
اور کیا دکھاتا ہے۔ اللہ اللہ اللہ۔

ایضاً۔ میری جان تو کیا کہتا ہے بنتے سے بنا سو دیوانہ صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا
ہے مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا۔ جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو کیا ہیں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی
پرورش میں کرتا ہوں استغفر اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ یا تم یہ سمجھے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ
یہ خیال باندھتا ہوں کہ اشرفی مول لونگا اور اس کے انڈے بیچ کر بکری خریدوں گا اور پھر کیا
کرونگا اور قریب ہو گا جاتی یہ تو میں نے اپنی از ازل سے کہا تھا کہ آرزو یوں ہی تھی اور اب وہ
نقش باطل ہو گیا۔ ابد ست کا بیان تھا خواہش کا دیکھا اس پنشن قدیم کا حال میں تو اس سے

ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں لیکن جب تک جواب نہ پاؤں کہیں اور کیونکر چلا جاؤں۔ حاکم اکبر کے
آنے کی خبر گرم ہے دیکھئے کب آئے آئے تو مجھے بھی دربار میں بلائے یا نہ بلائے خلعت ملے یا
نہ ملے اس بیچ میں ایک اور پیچ آپڑا ہے اس کو دیکھ لوں اور پھر صرف اسی کا انتظار نہیں اس جھگڑے
کے طے ہونے کے بعد پنشن ملنے نہ ملنے کا تردد بدستور رہیگا۔ سبک سیر کیونکر بن جاؤں کہ یہ
سب امور ملتوی چھوڑ کر نکلجاؤں پنشن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رامپور کے ٹھکانا نہیں ہے
وہاں تو جاؤں اور ضرور جاؤں۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا اب انجام کار میں اضطراب کی کیا
وجہ چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے
ویسا عمل میں آتا ہے۔ صاحب میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں واللہ
میں کچھ نہیں سمجھا کہ یہ کس مقدمہ کا ذکر ہے؂

ایضاً۔ سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے بعد القاب کے شکوہ شروع کردینا اور میرن صاحب کو
اپنا ہم زبان کرلینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو
پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں اس میں تم بھی آگئے کمال ہے کہ میرن صاحب سے
محبت قدیم ہے دوست ہوں عاشق زار نہیں بندہ مہر و وفا ہوں گرفتار نہیں تمہارے بھائی نے
سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم کے
میں بھی آؤنگا میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں وہ آئینگے تو یہیں ان کو
دونگا محرم تمام ہوا آج سہ شنبہ غرہ صفر ہے حضرت کا پتا نہیں ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات
کا نام آگیا سو پہلے تو مجملاً سنو ایک غدر کالوں کا ایک ہنگامہ گوروں کا ایک فتنہ انہدام مکانات کا
ایک آفت وبا کی ایک مصیبت کال کی اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے آج اکیسواں دن
ہے آفتاب اس طرح نظر آجاتا ہے جس طرح بجلی چمک جاتی ہے رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی
دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے کوئی دن نہیں
کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے سینکڑوں آدمی

جا بجا دب کر مر گئے گلی گلی ندی بہ رہی ہے قصہ مختصر وہ ان کا حال تھا کہ مینہ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا
یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے جنہوں نے ابھی نہیں بویا تھا وہ بونے
سے رہ گئے سن لیا دلی کا حال اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہے جناب میرن صاحب کو دعا ۔

ایضاً بے مے نکند در کف من خامہ روانی سرمست ہوا آتش بے دود کجائی

میر مہدی صبح کا وقت ہے جاڑا خوب پڑ رہا ہے انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ
تاپتا جاتا ہوں آگ میں گرمی نہیں مگر ہائے آتش سیال کہاں کہ جب دو جرعے پی لے فوراً رگ و پے
میں دوڑ گئی دل توانا ہو گیا دماغ روشن ہو گیا نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا ساقی کوثر کا بندہ اور
تشنہ لب ہائے غضب میاں تم پنشن پنشن کیا کر رہے ہو۔ گورنر جنرل کہاں اور پنشن
کہاں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر صاحب کمشنر بہادر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جب ان تینوں نے
جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں تم کو
پنشن کا فکر ہے۔ یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اسکا اپیل نواب لفٹنٹ
گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے دیکھئے کیا جواب آتا ہے بہر حال جو کچھ ہو گا تم کو لکھا جائیگا۔ اجی وہ
یوسف ہند سہی یوسف دہر سہی یوسف عصر سہی یوسف کشور سہی اُن کی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا
ہے مجھے تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں ساڑھے سات روپے مہینہ بھیجے جاؤں گا۔
اب اُن کا تقاضا ہے حکیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ پھوپھی جان کو لکھو کہ پھوپھی جان بھوکی مرتی
ہیں خرچ جلد بھیجو ورنہ نالش کی جائیگی اور تم کو گواہ قرار دیا جائیگا۔ بہر حال میرن صاحب کو یہ پڑھوا دینا۔
میر سرفراز حسین کو دعا میر نصیر الدین کو دعا حکیم میر اشرف علی کو دعا یوسف ہفت کشور کو دعا ۔

ایضاً۔ واہ حضرت کیا خط لکھا ہے اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ۔ بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ
مجھ کو ملا میرا بچھونا مجھ کو ملا میرا جام مجھ کو ملا میرا اثاث البیت مجھ کو ملا۔ رات کا وہ شور کوئی آئیو کوئی
آئیو فرو ہو گیا میری جان بچی میرے آدمیوں کی جان بچی ع اکنوں شب من شب است و روزم
روز است۔ تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا

اگر پہنچتا تو بیشک وہ تمہاری نظر سے گذرتا۔ اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور
اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب
میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر جیسا کہ گمان ہے خط نہیں پہنچا تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن
صاحب کے خط کے جواب لکھوانے میں تم نے میرا دم ناک میں کر دیا تھا۔ اب اُن سے میرے خط کے
جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے۔ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر
ہوتا ہے۔ تم اُن سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو۔ میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں
نہیں کہتے نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب اُن سے لکھوا کر بھیجواؤ۔ یہاں کا حال وہ ہے
جو دیکھ گئے ہو پانی گرم ہوا گرم تپیں مستولی اناج مہنگا۔ بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا میر امداد علی
آشوب کا بیٹا محمد میر شب گذشتہ کو گذر گیا آج صبح کو اُس کو دفن کر آئے۔ جوان صالح پرہیز گار مومنین
کا ہیش نماز تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مجتہد العصر کا حکم بجالاؤنگا اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست
کو لکھوں گا رئیس میرے سوال کا جواب قلم انداز کر جائیگا اور مدار المہام امر واقعی لکھ بھیجے گا۔ میرن صاحب
کو دُعا۔ اور کہنا کہ بھلا صاحب تم نے ہمارے خط کا جواب نہیں لکھا۔ ہم بھی تمہاری طرز کا اتباع
کرینگے حکیم میر اشرف علی کو دُعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں اُن میں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین
کو خط لکھو اور یہ بھی اُن کو معلوم ہو کہ حفیظ یہاں آیا ہوا ہے قبائل تمہارے یہیں ہیں۔ اگر وہاں کچھ
رسائی حاصل ہو تو خیر ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ ؎

میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان　　　کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان

برسات کا حال نہ پوچھو خدا کا قہر ہے۔ قاسم خان کی گلی سعادت خان کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں
رہتا ہوں عالم بیگ خان کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے
ہوئے جو دروازہ تھا گر گیا سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے چھتیں
چھلنی ہو گئی ہیں مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں فرش
پر کہیں لگن رکھا ہوا کہیں چلمچی دھری ہوئی خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔ پانچ چار دن سے فرصت ہے

مالک مکان کو فکر مرمت ہے آج ایک امن کی صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ انور کی ناخوشی راہ کی محنت کشی۔ تپ کی حرارت۔ گرمی کی شرارت یاس کا عالم کثرت اندوہ وغم حال کی فکر مستقبل کا خیال تباہی کا رنج آوارگی کا ملال جو کچھ کہو وہ کم ہے۔ بالفعل تمام عالم کا ایسا عالم ہے سُنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملیگا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا ہے بارے رفع مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے تپ جاتی رہی ہو تندرستی حاصل ہوگئی ہو۔ میر صاحب کہتے ہیں ع تندرستی ہزار نعمت ہے واہ رے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے مجھ کو پسند آیا ہے ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب کو دُعا۔ اہا ہا میر افضل علی صاحب کہاں ہیں حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی نہیں ہے ہاں سُنو مجتہد العصر کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا جے پور کے مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب کو کیوں نہ لکھوں ہاں بھائی میرن صاحب بھلا ان کو ہماری دُعا کہنا

ایضاً میری جان تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے قلم دوات لے بیٹھے۔ اگر خط پہنچا ہے تو جواب ورنہ شکوہ و شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے کل حکیم اشرف علی آئے تھے سر منڈوا ڈالا ہے مقلقین رو سکم پر عمل کیا ہے میں نے کہا سر منڈوایا ہے تو داڑھی رکھو کہنے لگے دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم واللہ ان کی صورت قابل دیکھنے کے ہے کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آگئے اور بحال و برقرار ہے خدا کا شکر بجا لایا کبھی تو ایسا بھی ہو کہ کسی عزیز کی خیر سُنی جائے میر اسلام کہنا اور مبارکباد دینا خبردار بھول نہ جانا شیو تمہاری شکایت بے سبب بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی میں نے تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئیگا تو میں جواب لکھوں گا آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ابھی کھانا پکا بھی نہیں تبرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ کلیان بیمار ہے ایاز کو خط دیکر ڈاک گھر روانہ کیا پھر تم نہ لکھو بیجا ہے۔ بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی

اور ہاں یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیر الدین کا نام تمہاری قلم سے نہیں نکلتا اُن کی
خیر و عافیت ان کی بندگی نہ لکھتے تو خیر و عافیت تو لکھتے یہ باتیں اچھی نہیں میرن صاحب کے
باب میں حیران ہوں تنہا تمہارے ساتھ گئے ہیں والدہ اُن کی پانی پت میں ہیں وہاں کوئی مکان
لیکر والدہ کو وہیں بلائینگے یا خود بعد چند روز کے یہاں آجائینگے یہ دو باتیں جواب طلب ہیں میر
نصیر الدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو رہا میرا
پنشن اس کا ذکر نہ کرو اگر ملیگا تو تم کو اطلاع دیجائیگی شہر کی آبادی کا چرچا ہوا کرایہ کو مکان ملنے
لگے چار پانسو گھر آباد ہوئے تھے کہ پھر وہ قاعدہ مٹ گیا اب خدا جانے کیا دستور جاری ہوا
ہے آیندہ کیا ہوگا۔ سلطان العلما مجتہد العصر مولوی سید سرفراز حسین کو اگرچہ نظر اُن کے مدارج
علم و عمل پر بندگی چاہیئے مگر خیر میں عزیزداری و یگانگی کی راہ سے دُعا لکھتا ہوں میرن صاحب
کو دُعا اور بعد دُعا کے بہت سا پیار میر نصیر الدین کو دعا زیادہ کیا لکھوں ؏

ایضاً۔ میاں کیوں ناسپاسی و ناحق شناسی کرتے ہو چشم بیمار ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی شکایت
کرے تمہارا مُنہ چشم بیمار کے لائق کہاں چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جسکو اچھے
اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو خیر ہنسی ہو چکی اب حقیقت مفصل لکھو تم زہیر
کی عادت رکھتے ہو عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ میرے نور چشم کی آنکھ کیوں دُکھی۔ میں نے خط تمہیں جا کر
نہیں لکھا تم نے لکھا تھا کہ بعد عید میں وہاں آؤنگا مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا لکھنے کچھ ہو گئے
کچھ ہو۔ تنخواہ کی سنو۔ تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس روپے ہوئے سنو مدخرچ کے جو پائے
تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں اُٹھ گئے۔ مختار کار دو ہزار لایا چونکہ میں اُسکا قرضدار ہوں
روپیہ اسنے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے حساب کیا سود مول سات کم پندرہ
سو ہوئے میں نے کہا میرے قرضہ متفرق کا حساب کر کچھ اوپر گیارہ سو روپے نکلے میں کہتا ہوں یہ
گیارہ سو بانٹ دے نو سو بچے آدھے تیرے آدھے مجھے دے وہ کہتا ہے پندرہ سو مجھ کو دو پانسو
سات تم لو یہ جھگڑا مٹ جائیگا تب کچھ ہاتھ آئیگا خزانہ سے روپیہ آگیا ہے میں نے آنکھ سے دیکھا

ہو تو آنکھیں پھوٹیں بات رہ گئی پت رہ گئی حاسدوں کو موت آگئی دوست شاد ہو گئے ہیں جیسا ننگا بھوکا ہوں جب تک جیونگا ایسا ہی رہوں گا میرا دار دگیر سے بچنا کرامت اسداللہی ہے ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیہ ید اللہی ہے حاکم شہر لکھ دے کہ یہ شخص ہرگز پنشن پانے کا مستحق نہیں حاکم صدر مجھ کو پنشن دلوائے اور پورا دلوائے میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں اور مزاج کی خبر پوچھتا ہوں جواب ترکی بترکی جواب عربی بعربی ہو انھوں نے لکھا وہ میں نے بھی لکھا مجتہد العصر کو بندگی لکھوں دعا لکھوں کیا لکھوں نہیں بلکہ وہ مجتہد ہوں ہوا کریں میرے تو فرزند ہیں میں دعا ہی لکھوں گا اور اسی طرح میر نصیر الدین کو بھی دعا۔

ایضاً۔ بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے قلعہ چاندنی چوک ہر روز مجمع مسجد جامع کا ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی ہر سال میلہ پھول والوں کا یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہونگے دیکھئے کہاں اُترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر۔ بہادر گڈھ۔ بلب گڈھ۔ فرخ نگر۔ دوجانہ۔ پاٹودی۔ لوہارو۔ چار معدوم محض ہیں جو باقی رہے ان میں سے دوجانہ ولوہارو تحت حکومت ہانسی حصار۔ پاٹودی حاضر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادران دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں میرٹھ میں مصطفٰے خان سلطان جی میں مولوی صدرالدین خان۔ بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم اسد۔ تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم ؎

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ جان نثار خان کے چھتے کی خان چند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھہنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا

یوسف میرزا افضل علی کو دعا۔ غالب ۔

ایضاً۔ جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے۔ مصرع بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہو گیا اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی پروا ہوا اب کہاں لطف وہ تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے بہرحال میگذرد مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہو گئے خیر کھاری ہی پانی پیتے گرم پانی نکلتا ہے پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گوہر کے باغچہ کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغچہ کے صحن کے برابر ہو گیا یہانتک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا پنجابی کٹرہ دھوبی واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خان کا کٹرہ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ رامجی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائیگا اللہ اللہ دلی والے ابتک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کہاں دلی کہاں واللہ اب شہر نہیں ہے کمپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ الور کا حال کچھ اور ہے مجھے اور انقلاب سے کیا کام۔ الگزنڈر ہڈرلی کا کوئی خط نہیں آیا ظاہر اُن کی مصاحبت نہیں ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب

اور نصیر الدین کو دعا ۔

ایضاً۔ جان غالب اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی اب اچھا ہوں تندرست ہوں۔ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئے کئی بار میں نے اُن کو دیکھا نہیں اپنی بیماری میں مجھ کو غفلت بہت رہی احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی جب سے اچھا ہوا ہوں سید صاحب نہیں آئے تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اُڑی اُس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہرحال اچھے ہو جاؤ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف سے اُس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ اُن دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا کہ میر سرفراز حسین صاحب اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں ۔

ایضاً۔ سید صاحب کل پہر دن سے تمہارا خط پہنچا یقین ہے کہ اس وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے اُن کی زبانی سن لو گے میں کیا لکھوں اپنے کبھی جو کچھ سنا ہے انہیں سے سنا ہے ان کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے لیکن میرے عقیدے اور میرے دستور کے مطابق ہے میں جانتا تھا کہ وہاں کچھ نہ ہوگا سو روپیہ ناحق زیر باری ہوئی چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی میں نے اس چھیاسٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں جہاں ہزار داغ ہیں ایک اور ایک سہی میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت۔ کال ایسا پڑا۔ وبا کیوں نہ ہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام   ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں

میری کسرِ شان بھی بعد رفعِ فساد ہوا سمجھ لیا جائیگا۔ کلیاتِ اُردو کا چھاپا تمام ہُوا۔ اغلب کہ اسی
ہفتہ میں عنایت اسی مہینہ میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائیگا۔ کلیاتِ نظم فارسی کے چھاپنے
کی بھی تدبیر ہو رہی ہے اگر ڈول بندھ گیا تو وہ بھی چھاپا جائیگا قاطع برہان کے خاتمہ میں کچھ فوائد
بڑھائے گئے ہیں اگر مقدور مساعدت کریگا تو میں بے شرکتِ غیر اُس کو چھپواؤں گا مگر یہ خیال
محال ہے میرے مقدور کی تیاری کا حال مجتہد العصر کو معلوم ہے۔ واللہ علیٰ کلِّ شیٔ قدیر۔ خدا کا
بندہ ہوں علیؑ کا غلام۔ میرا خدا کریم میرا خداوند سخی علی دارم چہ غم دارم۔ وبا کی آنچ مدہم ہو گئی ہے پان
سات دن بڑا زور شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچّوں کے دلی میں آیا۔
کل رات کو اُس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مرگیا انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اور یہیں بھی وبا ہے الگزنڈر
ہدرلی مشتہر بہ الک صاحب مرگیا واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور راج میں اور
مجھ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا خیر یہ عالمِ اسباب ہے اس کے حالات سے ہم کو کیا۔

ایضاً۔ ہاں صاحب کیا چاہتے ہو مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیجدیا۔ اب اور کیا لکھوں۔
تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے لفافہ کو
کریدا کرو مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤگے کیا۔ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں یہاں خیریت
ہے وہاں کی عافیت مطلوب ہے خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا جی خوش ہُوا مسودہ بعد اصلاح
کے بھیجا جاتا ہے برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی
کو بھی دعا کہنا لازمہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو کیوں سچ کہیو اگلوں کے خطوط
کی تحریر کی یہی طرز تھی ہائے کیا اچھا شیوہ ہے جب تک یُوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہے چاہ بے
آب ہے ابر بے باراں ہے نخل بے میوہ ہے خانہ بے چراغ ہے۔ چراغ بے نُور ہے ہم جانتے
ہیں تم زندہ ہو تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور
اگر تمہاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے
لکھ دیں کیا قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودہ کے ساتھ

لکھی تھی اب کاغذ میں قصور معاف کرو خفا نہ ہو میر نصیر الدین اچھا ہے سنتے ہو نہ انہوں نے فارسی
نثر میں نے کہاں لکھی کہ تمہارے چچا کو یا تم کو بھیجوں نواب ضیاء الدین خان کے بھائی حسن علیخان
مر گئے۔ حسن علیخان کی ایک لاکھ بیس ہزار کی سو روپیہ کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی تھی مگر وہ بیمار
ہو گیا تھا آج اس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خان کو بہت بہت تپ آتی ہے حسین علی خان کے
گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں شہر چپ چاپ ہے کہیں چھاؤنا بجتا ہے نہ سہرا نکال کر کوئی مکان
اڑایا جاتا ہے نہ آہنی سڑک آتی ہے نہ کہیں ودھ بنتا ہے۔ دلی شہر شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ
گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے بھی اور لکھتا ۔

ایضاً۔ سید صاحب تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو
لیکن زمانہ وہ آیا ہے کہ ہماری قسمت میں خوشی ہی نہیں ہے یہ معلوم ہوا تو کیا معلوم ہوا کہ ڈھائی سو روپے
ان دنوں میں ڈھائی روپے بھی ہماری پاس نہ تھے [illegible] سبحان اللہ باوجود اس تہیدستی کے
چھٹی کو نہ پڑا [illegible] ہے پر [illegible] کو چاہئے کہ اور چلے جائیں
شاید نئے بندوبست میں کوئی صورت نوکری کی نکل آئے میری دعا کہو اور یہ کہو کہ اپنا حال اور
اپنا قصہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو لکھیں پنشن کا حال کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں۔ حاکم شہر کا جواب نہیں لکھتا
[illegible] ہر چند تقاضا [illegible] خط پر لیا حکم ہو کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ جہاں اتنا سنا ہے اور دلائل
اور قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ [illegible] کا قرار پایا ہوا اور پچھلا گزشتہ [illegible] اپنی پنشن پانیکا
استحقاق رکھتا ہوں پر اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں کسی کو زبانی کیا باتیں کرتے ہو میں کتابیں
کہاں سے چھپواتا روٹی کھانے کو نہیں شراب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں لحاف توشک
کی فکر ہے کتابیں کیا چھپواؤں۔ منشی امید سنگھ اندور والے دلی آئے تھے سابق معرفت مجھ
سے نہ تھی۔ ایک دوست ان کو میرے گھر لے آیا انہوں نے وہ نسخہ دیکھا چھپوانے کا قصد کیا۔
آگرہ میں میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ تھا اس کو میں نے لکھا اس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا
مسودہ بھیج دیا گیا [illegible] فی جلد قیمت ٹھہری پچاس جلدیں منشی امید سنگھ نے لیں پچیس سکہ چھاپے خانہ

ہیں بطریق ہنڈوی بھجوا دیئے صاحب مطبع نے بشمول سعی منشی ہرگوپال تفتہ چھاپنا شروع
کیا آگرہ کے حکام کو دکھایا اجازت چاہی ہے حکام نے بکمال خوشی اجازت دی۔ پانسو جلد
چھاپی جاتی ہے اس پچاس جلد میں شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دینگے میں عزیزوں کو
بانٹ دونگا پرسوں خط تفتہ کا آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ ایک فرمہ چھپنا باقی رہا ہے۔ یقین ہے کہ
اسی اکتوبر میں قصہ تمام ہو جائے بھائی میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے اکیسویں جولائی ۱۸۵۸ء
تک کا حال لکھا ہے اور خاتمہ میں اس کی اطلاع دیدی ہے امین الدین خان کی جاگیر کے
ملنے کا حال اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا اُن کو جاگیر اگست میں ملی بادشاہ اکتوبر میں گئے
کیا کرتا اگر تحریر موقوف نہ کرتا منشی امید سنگھ اندور جانے والے تھے اگر ختم کر کے مسودہ اُنکے
سامنے آگرہ نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون

ایضاً۔ خوبی دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی صاحب نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا
خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہے کیوں ایسے شہر میں رہتے
ہو۔ جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو مجھ کو دیکھو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے
دیا نہ کوئی اپنا عرف بننے دیا نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔ فقط پنشن کی صورت یہ ہے کہ کونوال سے
کیفیت طلب ہوئی اُسنے اچھی لکھی کل ہفتہ کا دن ساتویں اگست کی مجھ کو اجرٹن صاحب بہادر
نے بلایا۔ کچھ سہل سوال مجھ سے کئے اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہ ملے اور جلد ملے تردد اگر ہے
تو اس میں ہے کہ ۱۵ مہینے پچھلے بھی ملتے ہیں یا صرف آئندہ کو مقرر ہوتی ہے۔ غلام فخرالدین خان کی
دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں صورت اچھی ہے خدا چاہے تو رہائی ہو جائے۔ صاحب ہم نے
گھبرا کر اس تحریر فارسی کو تمام کیا دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست ۱۸۵۸ء تک یعنے ۱۵ مہینے
کا حال لکھا اور آئندہ لکھنا موقوف کیا تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرہ اخیر
لکھ بھیجو اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے کہ جلد لکھو تاکہ میں اُس کے آگے کی عبارت تم کو لکھ کر بھیجدوں
ہاں صاحب میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں

اگر آ جائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا۔

ایضاً - مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔ اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک　　　اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد رہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو یہ شعر بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو اور تو کچھ بن نہیں آتی۔ مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔ بہرحال کچھ لکھتا ہوں۔ دیکھو لکھتا ہوں۔ سنو پنشن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال نہیں معلوم۔ ہاں یہ درست آیا۔ یعنی میں تم سے بہت آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت نہ مجھ کو تہنیت بلکہ اس طرح سے لکھا ہے کہ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے جیسے آگے تھے۔ اچھلتے کودتے پھرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہے ہے کیا غضب ہوا۔ یہ کیوں اچھے ہو گئے۔ یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع سنا ہوگا۔ بہ تغیر الفاظ لکھتا ہوں ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں　　　دلی والوں میں ایک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یوں ہے ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں　　　اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

میر کی جگہ میرن اور رہا کی جگہ بچا کیا اچھا تصرف ہے۔ اس سے یہاں تم نے کچھ اور بھی سنا۔ کل یوسف مرزا کا خط آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان والد ان کا دائم الحبس ہو گیا۔ حیران ہوں کہ کیا آفت آئی۔ یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھیگا۔ خدا کرے اُس نے جھوٹ سنا ہو۔ لو بھئی اب تم جاؤ اپنے گھر میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہاں تک کہ

بڑا لڑکا باقر علیخاں بھی۔ صرف ایک میں اور ایک میرا بیٹا حسین علیخان یہ ہم روزہ خور ہیں وہی حسین علیخ
جس کا روزمرہ ہے کھلونے منگا دو میں بھی بجار جاؤں گا۔ میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط اُن کو
ضرور سُنا دینا۔ برخوردار میر نصیر الدین کو دعا پہنچے ؛؛

ایضاً - میر مہدی جیتے رہو۔ آفرین صد ہزار آفرین۔ اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے
کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے۔
یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ
لیگیا۔ مگر میں نے اُس کو بحل کیا اللہ برکت دے۔ میری پنشن اور ولایت کے انعام کا حال کیا پوچھتے
سمجھ لو وللرحمٰن الطاف خفیہ۔ ایک طرز خاص پر تحریک ہوئی نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم
پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کی پنشن کے چڑھے ہوئے روپیہ کے یکشت پانے کی اور
آیندہ ماہ بماہ ملنے کی رپورٹ منگوا کر اپنی منظوری لکھ کر ہمارے پاس بھیجدو تاکہ ہم حکم منظوری
دے کر تمہارے پاس بھیجدیں سو یہاں اُس کی تعمیل بطرز مناسب ہوگی۔ کم و بیش دو مہینہ میں سب
روپیہ ملجائیگا۔ اور ہاں صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو سو روپیہ خزانہ سے
منگوا لو۔ میں نے کہا صاحب یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کو برس دن کا روپیہ ملا اور مجھے سو روپیہ
دلواتے ہو۔ فرمایا کہ تم کو اب چند روز میں سب روپیہ اور اجرا کا حکم ملجائیگا۔ اوروں کو یہ بات برسوں
میں میسر آئیگی۔ میں چپ ہو رہا آج دوشنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے دوپہر ہو جائے تو اپنا آدمی
مع رسید بھیجکر سو روپیہ منگالوں پر یار ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے حکم تو اسی
حکم کے ساتھ اُس کی رپورٹ کرنے کا بھی آیا ہے مگر یہ بھی حکم ہے کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھئے یہ
دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں حاکم پنجاب کے گورنر بہادر کا یہ بھی حکم
ہے کہ دستنبو منگا کر اور تم دیکھ کر ہم کو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اُس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے
ایک کتاب بھی کہہ کر مجھ سے مانگی اور بھیجدی۔ اب دیکھوں حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے۔ اسوقت تمہارا
ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا مجھ کو باتیں کرنے کا موا ملا تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ

کیا اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں میر سرفراز حسین میرن صاحب میر نصیر الدین کو دعا۔

ایضاً۔ سید صاحب تم مجرم نہیں گنہگار تم مجبور میں ناچار۔ لو اب کہانی سنو میری سرگذشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفٰے خان بہادر سات برس کے قید ہو گئے تھے سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز حکم کچھ نہیں ہوا ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں میں بمجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا ان کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں ہفتے کو گیا منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھ کو آئے ہوئے تو اں دن ہے۔ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے۔ آج صبح کو تمہارا خط آیا دوپہر کو میں جواب لکھتا ہوں ؎

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا میں نے کہا بھائی تو مجھے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ عبارت یہ کہ اسد اللہ خان پنشندار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے نہ کالے کے وقت میں کہیں گیا نہ گوروں کے زمانہ میں نکلا اور نکالا گیا۔ کرنیل براؤن صاحب بہادر کی زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا اب حاکم وقت کو اختیار ہے پرسوں یہ عبارت جمعدار نے محلے کے نقشے کے ساتھ کوتوالی میں بھیج دی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دکان کیوں بناتے ہیں جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھا دو اور آئندہ کو ممانعت کا

حکم سُنا دو۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے اُس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے روپیہ دے اور ٹکٹ لے گھر برباد ہو جائے آپ شہر میں آباد ہو جائے آج تک یہ صورت ہے دیکھئے شہر کے بسنے کی کون صورت ہے جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں الملک للہ والحکم للہ۔ نور چشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا۔ اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دُعا بھی اس میں سے وہ جو چاہیں قبول کریں۔

ایضاً۔ میری جان خدا تم کو اکیسویں برس کی عُمر دے بوڑھا ہونے آیا داڑھی میں بال سفید آگئے مگر بات سمجھنی نہ آئی۔ پنشن کے باب میں الجھے ہو اور کیا بیجا اُلجھے ہو۔ یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنشن داروں کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنشن نہیں ملا یہ فروری ۱۸۵۹ء بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپیہ کے باب میں اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعہ سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انگلی ہے ع چیل بسولا لے گئی تو کا ہے سے پھٹکوں راب۔ علی بخش خان پچاس روپے مہینہ پاتے تھے بائیس مہینے کے گیارہ سو ہوتے ہیں ان کو چھ سو روپیہ مل گئے باقی روپیہ چڑھا رہا آیندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خان سو روپیہ مہینے کا پنشن دار بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں اس کو اٹھارہ سو ملے۔ منا جمعدار دس روپیہ مہینہ کا سکھ لمبر سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے آیندہ کے واسطے کسی کو کچھ حکم نہیں مجھ کو پھر مدد خرچ نہیں ملا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو اخیر خط پر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپیہ ملجاویں میں نے وہ سو روپے نہ لئے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ مہینہ پانیوالا ہوں۔ سال بھر کے ساڑھے سات سو روپیہ ہوتے ہیں سب پنشن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ مجھ کو سو روپیہ کیسے ملتے ہیں۔

شل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ ملجا دے ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا
یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈھورا پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجرٹن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے
دلی کے ہندو جو باہر پڑے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے اب جب وہ معاودت کرینگے تب شاید
آبادی ہوگی یا کوئی اور نئی صورت نکل آوے میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین اور میرن صاحب
کو دعا پہنچے [اسیرو سلام] برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ مچ میرا کلیہ ہے واہ اب کیا شاعری
رہ گئی ہے جیسے تیسے میں نے یہ قطعہ وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکو
نے شور مچایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے ہمیں بھوک لگی ہے تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے میں نے کہا
کہ اب کیوں لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر ٹکٹ لگا کر سرنامہ لکھ کلیان کے حوالہ کر گھر میں چلا گیا
اور وہاں ایک چٹھی بھی لکھنی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کر کیا باتیں بناتا ہے سو وہی ہوا تم نے جلے
پھپھولے پھوڑے اب بتاؤ خط لکھنے بیٹھا ہوں کیا لکھوں یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے
سنا ہوگا [illegible] کچھ تم نے سنا ہوگا بے اصل باتیں [illegible] پنشن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر
کے [illegible] حاکم نے اگر ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑی میرا اس میں کیا ضرر
[illegible] ایک آدمی آٹھ دن [illegible] تھوڑا رہ گیا میں نے بکس بند کیا باہر تخت پر آ بیٹھا
شام ہوئی چراغ روشن ہوا [illegible] میں پلنگ
پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیر الدین آیا۔ ایک کوزہ ہاتھ میں اور ایک آدمی
اس کے ساتھ اس کے سر پر ایک ٹوکرا اس پر گھاس ہری بچھی ہوئی میں نے کہا آہا ہا سلطان العلما مولانا
سرفراز حسین [illegible] نے دوبارہ [illegible] بھیجی ہے بارے معلوم ہوا کہ نہیں [illegible] کچھ اور ہے فیض
[illegible] آم [illegible] بلکہ نعم البدل ہے ایک
ایک آم کو ایسا [illegible] انگوری سے بھرا ہوا [illegible] سے بھرا ہے کہ [illegible]
[illegible] میاں کتنا خیال کرتا کہ یہ اسی تھے پندرہ بگڑ گئے بلکہ سڑ گئے تا ان کی
[illegible] سے [illegible] میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہے مگر

میں تمہاری تکلیف اور تکلف سے خوش نہیں ہوا۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے
خانہ آباد دولت زیادہ۔ بیکو ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت
خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسا قند کا قوام پتلا دیکھو اس لغت کے معنی کسی فرہنگ سروری میں ہو تو مجتہد العصر
اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ اُن کے علم کی کنجی ہیں اور ٹکے ٹکے کی کتابیں چالیس پچاس روپے کو
لیگئے ہیں میری دعا کہدینا۔

ایضاً۔ کیوں یار کیا کہتے ہو ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں تمہارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا ہے

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

کلو کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ آپ کہیں جائیگا نہیں میں آتا ہوں۔ بھلا بھائی
اچھی حکمت کی کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے کہ میں ان کو بلاتا انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف
نہ کریں میں حاضر ہوتا ہوں دو گھڑی کے بعد وہ آئے ادھر کی بات اُدھر کی بات کوئی انگریزی کاغذ
دکھایا۔ کوئی فارسی خط پڑھوایا اجی کیوں حضرت آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے صاحب میں تو ان
کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا ان کو پتا لکھا ہے کہ وہاں ٹھہر کر مجھ کو اطلاع کر دیں شہر میں
بلا لونگا۔ صاحب اب وہ ضرور آئینگے آخر کار اُن سے اجازت لیکر اب تم کو لکھتا ہوں کہ ان سے مختصر
یہ کہدو کہ بھائی یہ تو مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید وہاں کرو تو باقی
عید یہاں کرو میرا حال سنو کہ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے اس طرف سے خاطر جمع رکھنا
رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا آیندہ خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے بس صاحب
جب ایک چیز کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا
اور پیار کرنا میر نصیر الدین کو دعا اور شفیع احمد صاحب کو اور میر احمد علی صاحب کو سلام کہنا میرن
صاحب کو نہ سلام نہ دعا یہ خط پڑھا دو اور ادھر کو روانہ کر دو کیا خوب بات یاد آئی ہے کیوں وہ شہر
سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کے بلانے کی راہ دیکھیں شکرم میں کرانچی میں چو پچھٹے میں یعنی ڈاک
میں آئیں بلی ماروں کے محلے میں میرے مکان پر اُتریں۔ میرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی

مظہر علی رہتے ہیں میرے اُن کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی درمیان ہے۔ ڈاک کو زنہار کوئی نہیں روکتا یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اگر اس خط کے پہونچتے ہی چلدیں تو عید بھی بہیں کریں ۔

ایضاً۔ میاں کیوں تعجب کرتے ہو۔ یوسف مرزا کے خطوط نہ آنے سے۔ وہ وہاں اچھی طرح ہے حاکموں کے ہاں آنا جانا نوکری کی تلاش میں حسین مرزا صاحب بھی وہیں ہیں وہاں کے حکام سے ملتے ہیں وہاں پنشن کی درخواست کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتہ میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں جواب بھیجتا ہوں۔ بھائی لکھنؤ میں وہ امن و امان ہے کہ نہ ہندوستانی عملداری میں ایسا امن و امان ہوگا نہ اس فتنہ و فساد سے پہلے انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امراء اور شرفاء کی حکام سے ملاقاتیں بقدر رتبہ و تعظیم و توقیر پنشن کی تقسیم علی العموم آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں اور ایک نقل سنو وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ عملہ میں ہنود بھرے ہوئے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں ہنود کو اور علاقوں پر بھیجدیا اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے لکھنؤ کے سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے ٹکٹ آبادی در دن شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے۔ آج پانچھواں ٹکٹ چھپ چکا ہے کل اتوار یوم التعطیل ہے پرسوں دوشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں یہ تو کیفیت عموماً شہر کی ہے خصوصاً میرا حال سنو بائیس مہینے کے بعد پرسوں کوتوال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خان پنشن دار کی کیفیت لکھو کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں کوتوال نے موافق ضابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے جائینگے اور میری بے مقدوری ظاہر کرائینگے تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت مفلسی چڑھا ہوا روپیہ ملجائیگا اور آیندہ کو پنشن جاری ہوجائیگا نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھہرونگا چھ مہینے یا برس دن کا روپیہ علی الحساب پانے کا میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں اُس طلب کے جواب میں بھی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کا حاصل کر کے بھیجدو تو میں آؤں۔ دیکھو اب دس پانچ دن میں سب حال کھلا جاتا ہے میر سرفراز حسین کو

دُعا اور میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا میر نصیر الدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔ غالب۔

بنام شاہ عالم صاحب

مخدوم زادہ والا تبار حضرت شاہ عالم سلام و دُعائے درویشانہ قبول فرماویں آپکا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدمبوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپکو مُبارک ہو ع یوسف از مصر بکنعان آمد۔ تفرقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے مسودات دیکھے نہیں گئے تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چُپکے بیٹھے رہو اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہئیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مُرشد ہم عُمر و ہم فن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے پہنچائیے گا اور عرض کیجئے گا کہ آرزوئے دیدار حد سے گذر گئی یارب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور اُن سے ہمکلام نہ ہولوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اگلے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے مشفقی مکرمی چودہری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہئے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے ع خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔ اُن کے اس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجونگا انشاء اللہ العزیز۔ ہاں جناب شاہ عالم صاحب پھر بوئے سخن آپکی طرف ہے جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اُترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام اُن کے سپرد ہوا ہے یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپیہ تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں لیکن ہنوز قایم مقام ہیں وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سیاٹو گیا ہے ایک دن فقیر بھی ان کے مکان پر چلا گیا تھا حُسن صورت اور حسن سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں آنکھیں اُن کے حسن صورت سے روشن ہو گئیں اور دل اُن کی حُسن سیرت سے خوش ہو گیا واہ خاک پاک بلگرام میں نے وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا بہت اچھا پایا۔

ایضاً۔ مخدوم زادۂ عالیشان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم امن و امان و عزہ و شان علم و عمر سے

برخوردار رہیں۔ ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے۔ ہاں سچ ہے ان کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں۔ بہرحال جناب حضرت صاحب عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے اور یہ سطریں اُن کی نظر سے گذر جائیں چودھری عبدالغفور خانصاحب کو سلام کہئے گا اور یہ پوچھئے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اسکے سوا کوئی اور قصور ہے اگر وہی جُرم ہے تو معاف کیجئے۔ اگر کوئی جُرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجئے ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپکی طرف ہے آپکا خط میرے نام کا اور اسکے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر زبر علی صاحب کے نام کا پہنچا وہ پڑھا اور بھجوا دیا جو آدمی خط لیکر گیا تھا وہ دو بار جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہُوا کہ کل آئیو دوسری بار حضرت نہ ملے میں نے اُس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمتگذاری کی آپکو اطلاع دی۔ پائے تحتانی لکھ چکا تھا کہ ایک چپراسی آیا اور اسنے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہُوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے اب میں یہ خط اپنا مع اُن کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت یک شنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵۔ اگست کی ہے ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں باقی انکے حالات انکے خط سے معلوم ہو جائینگے اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچا دیجئے گا۔ والسلام۔

بنام صاحب عالم صاحب

پیر و مُرشد اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اسکا شکر کیونکر بجا لاؤں خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے جدا گنوا تا ہے ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ لکھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتی۔ سوختنی کو یوں بچایا اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا ورنہ بندہ دعویٰ خدائی کرنے میں محابا نہ کریگا۔ کتاب افادت مآب

پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف تالیف اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودھری صاحب اور حضرت سید شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب ان دو ناموں میں تردد باقی نہیں معہذا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے۔ اگر پنج آہنگ مطلوب ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ میرا ایک بھتیجا بھائی۔ نواب ضیاء الدین خان سلمہ اللہ تعالیٰ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا چنانچہ مجموعۂ نثر اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اسکے کتب خانہ میں تھے وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں بیس ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا لٹ گیا ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بھی بکتی ہیں اور معیوب بدو عیب ہیں ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے وہ اس میں نہیں دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے اگر کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے بے مبالغہ یہ ہے کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہر حال اگر فرمایئے تو لیکر بھیجدوں مخدوم زادہ ہائے والا تبار پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا مگر پہلے ان کی خدمت میں اور پھر سید مقبول عالم کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں ٭

ایضاً۔ بعد حمد خداوند و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبلۂ روح و روان جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارکباد کیا عرض کروں کہ میرا کیا حال ہے اضمحلال قویٰ کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے میں بے کلاہ و پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اُن کو دیکھ کر اُٹھا مصافحہ کیا اُنہوں نے جناب شاہ عالم کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤنگا عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لیجائیں وہ تشریف لے گئے میں لیٹ رہا دن کے سونے کی عادت نہیں ہے جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو خط کا جواب آج لکھ رکھو اُٹھے اون کس کھولے کون۔

لڑکوں کی دوات قلم مونڈھے پر پلنگ کے پاس رکھ لی اب مقتضی اس کا ہُوا کہ آغاز نامہ بنام
اقدس ہو حضرت نسخہ قاطع برہان تیسری چوتھی نظر ہیں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے
ہوئے۔ آٹھ جزو لکھے گئے کم و بیش دو جزو باقی ہیں پرسوں تک آجائینگے بعد اسکے انطباع کی فکر
ہو گی جب وہ عزیمت امضا پذیر ہو جائیگی حضرت کی نقل سے بھی شرف پائیگی حضرت سید عالم کو
نیاز خورشید عالم کو سلام۔ چودھری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح
روح سمجھتے تھے باتوں کا مزہ ملتا تھا۔ خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی وہ وظیفہ روحانی منقطع کیوں
ہُوا صاحب یہ روش اچھی نہیں گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور بنا رہے ۔

بنام مولوی عبدالغفور خان بہادر نسّاخ

جناب مولوی صاحب قبلہ یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم بہ اسد اللہ اور متخلص بہ غالب ہے مکرمت
حال کا شکر گذار اور آیندہ افزایش عنایت کا طالب ہے دفتر بے مثال کو عطیہ کبریٰ اور موہبت
عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچ
میرز ہیچمدان کو قابل خطاب اور لائق عطائے کتاب جانا میں دروغگو نہیں خوشامد میری خو نہیں۔
دیوان فیض عنوان اسم با مسمیٰ ہے دفتر بے مثال اسکا نام بجا ہے الفاظ متین معانی بلند مضمون عُمدہ
بندش دلپسند ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد
اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے آپ اُن سے بڑھ کر بصیغہ مبالغہ نسّاخ ہیں۔ تم دانائے
رموز اُردو زبان ہو سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اُردو زبان میں
سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عُمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے
نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں جہانتک
زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر نہ دُنیا میں توقع نہ عقبیٰ
کی امید میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من — زاینده ناامیدم واز رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا اب اور کہاں تک رہونگا۔ ایک اُردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہوگئے اب اور کیا کہونگا مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عُمر گنوائی۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمۃ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی — دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

سچ تو یوں ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور نظم میں وہ زور نہ رہا طبیعت میں وہ مزہ سر میں وہ شور نہ رہا۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا ملکہ کچھ باقی رہ گیا ہے اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں حواس کا بھی بقیہ اسی قدر ہے کہ معرض گفتار میں موافق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب فکر رہتی ہے کہ دیکھئے وہاں کیا پیش آتا ہے اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیونکر بخشا جاتا ہے۔ حضرت سے بہ التماس ہے کہ آپ جواہلکی آبادی اور مجھ کو ارسال نامہ کی سبیل کے ہادی ہوئے ہیں جب تک میں جیتا رہوں نامہ و پیام سے شاد۔ اور بعد میرے مرنے کے دُعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیئے گا۔ والسلام بالوف الاحترام ۔

بنام مرزا یوسف علی خاں صاحب عزیز

بھائی تم کیا فرماتے ہو جان بوجھ کر اَن جان بنے جاتے ہو۔ واقعی غدر میں میرا گھر نہیں لُٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لُٹتا۔ بھائی ضیاء الدین خاں صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی۔ فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارھویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا اپنا حال میں نے نثر میں لکھا ہے اور وہ نثر فارسی زبان قدیم میں ہے کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے گا۔ ایک قصیدہ فارسی متعارف عربی و فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ

انگلستان کی ستایش ہیں اس نثر کے ساتھ شامل ہے یہ کتاب مطبع مفید خلایق آگرہ میں منشی
نبی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ اور منشی ہر گوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔
فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اسکے سوا اور کہیں نہیں اگر جناب منشی امیر علی خاں صاحب میرے
کلام کے مشتاق ہیں تو نسخہ موسوم بہ پنج آہنگ مطبع مفید خلائق سے منگا لیں اور ملاحظہ فرمائیں ۔

بنام قاضی عبدالجمیل صاحب

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے بعد
عرض کیا جاتا ہے کہ آپکی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامہ آپکے اوقات مختلف
میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں سیاہی اس طرح کی پھیکی کہ حروف
اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن
با اینہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے علاوہ اسکے جگہ اصلاح کی باقی نہیں چنانچہ
اس خط کو آپکی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا
اور مع ہذا میرا اندیشہ آپکو بھی معلوم ہو جائے آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے واسطے
اصلاح کے جو غزل بھیجئے اُس میں بین الافراد و بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑئے آپکے خط میں
جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔
آپکی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ
تو آپکے پاس ہوگا اس سے مقابلہ کر کے معلوم کر لیجئے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور
کونسی بیت موقوف ہوئی۔ مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا قلعہ میں شہزادگان تیمور یہ جمع ہوکر
غزل خوانی کر لیتے ہیں وہاں کے مصرع طرحی کو کیا کیجئے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھئے گا میں
کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے اس کو دوام کہاں۔
کیا معلوم ہے اب کے نہ ہو۔ اور اب کے ہو تو آیندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ۔

ایضاً۔ قبلہ آپکو خط کے بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے۔ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں گاہ گاہ انگریزی بھی ڈاک کے ہرکارے بھی میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے محلّہ بھی ضرور نہیں آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلّیماروں میں خط پہنچتا رہا خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا جو آپنے بھیجا وہ مجھ کو پہنچا بات یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہانتک لکھوں میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں ابکے آپکے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے ایک تو وہ رُباعی جو آپنے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے اُسکا جواب بندگی ہے اور کورنش اور آداب دوسرا مدعا خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ سو اسکا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی امتیاز خان صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اسوقت مکان پر موجود نہ ہونا۔ واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا اگر آپ سے ملیں تو میرا اسلام کہئے گا اور میرا ملال اُن سے بیان کیجئے گا۔ صبح کو مَیں ہر روز قلعہ کو جاتا ہوں ظاہرا مولوی صاحب اوّل روز آئے ہونگے جب سوار ہو جاتا ہوں تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں مولوی صاحب بیٹھتے حقّہ پیتے۔ اگر قلعہ جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں زیادہ اس سے کیا لکھوں ؀

ایضاً۔ پیر و مُرشد نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رامپور آیا میں کہاں اور بریلی کہاں ۱۲۔ اکتوبر کو یہاں پہنچا بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ نمایش گاہ بریلی کی سیر کہاں۔ خود اس نمایش گاہ کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں۔ لاالٰہ الا اللہ لاموجود الا اللہ لامؤثر فی الوجود الا اللہ ؀

ایضاً۔ قبلہ ایکسو بیس[۱۲] آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے دس قلمیں اور چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالہ کر دی ہے خدا کرے بحفاظت آپکے پاس پہنچے مَیں مریض نہیں ہوں بوڑھا ہوں اور ناتوان۔ گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دُنیا میں رہا کوئی کام دین کا نہیں کیا۔ افسوس صد ہزار افسوس وہ غزل جو کہار لایا تھا وہاں پہنچی جہاں اب میں جانیوالا ہوں یعنی عدم۔ مدعا یہ کہ

گم ہوگئی ٭

ایضاً - جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی - اگر مجھے قوت ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا - بات یہ ہے کہ میں اب رنجور نہیں - تندرست ہوں مگر بوڑھا ہوں جو کچھ طاقت باقی تھی وہ اس ابتلا میں زائل ہوگئی اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں ع یکے مردہ شخصم بہ مردی رواں ٭ اس مہینے میں رجب ۱۲۸۰ھ سے سترواں برس شروع ہوا اور استقلام و آلام کا آغاز ہے ٭

ایضاً - جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی - تفقد نامہ مرقومہ ۱۲ ستمبر میں نے پایا حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا کوئی محکمہ تخفیف میں آئے کوئی قانون مثلاً لٹ جائے آپکا عہدہ آپکو مبارک آپکا دولت خانہ سلامت - ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا کھٹکا ہے البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو آپکو اس کا اندیشہ کیا ہے حاکم سمجھ لیگا وہ وکیل ہیں محکمۂ منصفی میں نہ رہینگے مگر صدر امین و سشن جج میں کام کرینگے - میں تندرست ہوں نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں دیکھئے کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دکھاتے ہیں - والسلام بالوف الاحترام ٭

ایضاً - جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے - مکرمی مولوی غلام غوث خانصاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے - اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہ ہو برس دن صاحب فراش رہا ہوں ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا بے مبالغہ آدھا اُس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا - سن کہاں جواب پھر تولید دم (خون) صالح ہو بہر حال زندہ ہوں اور ناتوان اور آپکی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسلام مع الاکرام ٭

ایضاً - جناب مولوی صاحب آپکے دونوں خط پہنچے - میں زندہ ہوں لیکن نیم مردہ - آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں اصل میں صاحب فراش ہوں بیس دن سے پاؤں پر ورم ہوگیا ہے کف پا و پشت پا سے نوبت گذر کر پنڈلی تک آماس ہے - جوتی میں پاؤں سماتا نہیں - بول و براز کے واسطے اُٹھنا دشوار یہ سب باتیں ایک طرف ورد مخالل رنج ہے سنہ ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کیواسطے تھا مگر اس

تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر کیوں جیتا ہوں۔ روح میرے اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں کتاب سے نفرت شعر سے نفرت جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ یہ جو کچھ لکھا ہے بے مبالغہ اور بیان واقع ہے ع خرم آں روز کزیں منزل ویران بروم ۔ ایسے مخمصہ میں اگر تحریر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں مجھے کیوں شرمندہ کیا۔ میں اس ثنا و دعا کے قابل نہیں۔ مگر اچھوں کا شیوہ ہے بُروں کو اچھا کہنا اس ذرہ گستری کے عوض میں آداب بجالاتا ہوں۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامہ کے ورود نے شاد مان کیا مگر مبہم جو نگارش پذیر تھی انہوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادثہ ہو۔ حضرت آج کے سال ہر جگہ آم کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو نہ ہوا وٹ نہ برسات دریا پایاب ہوگئے۔ کنوئیں سوکھ گئے اثمار میں طراوٹ کہاں سے ہو۔ جناب اس کا خیال نہ فرماویں اپنے کشف کو غلط کرونگا برشکال آیندہ تک جیونگا آپکے موہنی آم کھاؤں گا ۔

ایضاً۔ حضرت بہت دنوں میں آپنے مجھ کو یاد کیا۔ سالگذشتہ ان دنوں میں میں رامپور تھا مارچ سنہ ۱۸۶۰ء میں یہاں آگیا ہوں۔ اب یہیں ہوں میں نے آپکا خط پایا ہے۔ آپنے سرنامہ پر رامپور کا نام ناحق لکھا حق تعالیٰ والی رامپور کو صدوسی سال سلامت رکھے اُن کا عطیہ ماہ بماہ مجھ کو پہنچتا ہے کرم گستری اور اُستاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رامپور جانے کی حاجت نہیں خلیفہ حسین علی صاحب رامپور میں مجھ سے ملے ہونگے مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل۔ باصرہ میں نقصان نہیں۔ البتہ حدت کچھ کم ہوگئی ہے ع پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند ۔ بہرحال چونکہ میں دلی میں ہوں اور وہ رامپور گئے ہیں تو البتہ وہ آپکے پیام جو اُن کی زبان کے محول تھے بدستور اُن کی تحویل میں رہے اور مجھ تک نہ پہنچے یہ شہر بہت غارت زدہ ہے نہ اشخاص باقی نہ امکنہ کتاب فروشوں سے کہدونگا اگر میری نظم و نثر کے سوا اور

میں سے کوئی رسالہ آجائیگا تو وہ مول لیکر خدمت میں بھیجدیا جائیگا ؎ دل ہی تو ہے نہ
سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں ؛؛ ایک دوست کے پاس بقیۃ النہب والغارۃ کچھ میرا
کلام موجود ہے اُس سے یہ غزل لکھوا کر بھیج دوں گا ؛؛

ایضاً۔ پیر و مرشد فقیر ہمیشہ آپکی دعاگذاری میں حاضر رہا ہے جو حکم آپکا ہوتا ہے اسکو بجالاتا ہوں
مگر معدوم کو موجود کرنا میرے وسع قدرت سے باہر ہے اس زمین میں کہ جسکا آپنے "قافیہ درد دل
لکھا ہے میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اُس
زمین کا شعر لیکر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل
نہیں۔ دیوان ریختہ چھاپے کا یہاں کہیں کہیں ہے۔ اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کر کے اس کو بھی دیکھا
وہ غزل نہ نکلی سُنیئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ
انہیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیجدیجئے ع اسد اور
لینے کے دینے پڑے ہیں ؛؛ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح
زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سُن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مقطع ہے اُس پر بقول اُس کے رحمت خدا کی
اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے
بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے وہ شعر میرا کیونکر سمجھا گیا۔ واللہ باللہ وہ شعر
خدنگ رنگ کے قافیہ کا میرا نہیں ؛؛

ایضاً۔ آداب بجالاتا ہوں۔ آپکا نوازشنامہ پہنچا غزلیں دیکھی گئیں۔ فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر
کلام میں اغلاط واسقام دیکھتا ہوں تو رفع کر دیتا ہوں اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں تو تصرف
نہیں کرتا پس قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں سُبحان اللہ سر آغاز فصل
میں ایسے ثمرہائے پیش رس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ بہجت اور شادمانی ہے یہ ثمر ربیع الندرۃ اثمار

ہے اسکی تعریف کیا کروں اس باب میں کیا چاہتا ہوں کہ میں یاد رہا اور رہا کا آپکو خیال آیا۔ پروردگار آپکو بااینہمہ وان پروری اور کرم گستری و یادآوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت کہار پہنچا اور اُسی وقت خط کا جواب لیکر اور آم کے دو ٹوکرے خالی دیکر روانہ کیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا خاطر عاطر جمع رہے ؛؛

بنام مردان علیخان رعنا

خان صاحب عالیشان مردان علی خان صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آج اس فن میں تم یکتا ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ بھائی جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مونث ہے بے شبہ و شک۔ السلام مع الاکرام ؛؛

ایضاً۔ خانصاحب شفیق عالیشان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رامپور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ نالہ درا الخ شعر عناے

گذرا ہے میرا نالۂ دل چرخ کہن سے   تھا رنج کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

نالۂ دل بنا دیا۔ نواب صاحب اُردو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے بیقاعدہ لکھی دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتا لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے۔ بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ مداح اور میں اُن کا ثناخوان ؛؛

بنام مولوی عبدالرزاق شاکر

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی عبدالرزاق شاکر کی خدمت میں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالیشان مولوی مفتی اسداللہ خان بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچایئے میں تو

آپ سے عرض کرتا ہوں مگر آپ مفتی صاحب سے کہئے کہ مجھ کو باوجود شدت نسیان آپکا تشریف لانا یاد ہے چھاپہ کے اجزا اُٹھا کر میں نے آپکے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں ؎

ار زندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست | خود را بخاک رہگذر حیدر افگنم
منصور فرقۂ علی اللّٰہیان منم | آوازۂ انا اسد اللّٰہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی واقعہ یاد ہو۔ اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے اخی مکرمی میر قاسم علیخان کو سلام پہنچے۔ سال گذشتہ کی تعطیل کی طرح دلی آکر مجھ سے بے ملے چلے جایئے گا۔ پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچتے ہیں یہ رتبہ میری ارزش کی فوق ہے کہ میں آپکے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب | وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھے اور بھیجے تھے ان میں سے جو صاحب الی الآن موجود ہیں ان سے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلات کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں اور نسخوں اور کتابوں کے مجموعے اجزا چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عالم میں پھیل گئے حال کی تحریروں کو کون فراہم کرے جو نثریں کہ مجموعہ یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آیندہ ہوں اُنہیں کو جناب حدیت جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبایع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں کچھ یاد خدا بھی چاہئے نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر

اسنے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہیگا پس امیدوار ہوں کہ آپ انہیں نذور محقرہ یعنی تحریرات روزمرّہ اُردوے سادہ وسرسری کو غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دل ریش و فرو ماندہ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونیکی دُعا مانگیں۔ اللہ بس ما سوی ہوس۔

ایضاً۔ قبلہ و کعبہ فقیر پا در رکاب ہے سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم رامپور ہوویگا تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا اب جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رامپور بھیجیں۔ مکان کا پتہ لکھنا ضرور نہیں شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے مخمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں اور حظ میں اُٹھاتا ہوں حُسنِ اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار یار وفا شعار علّامہ روزگار ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام بقاؤہ نادعلاوہ مجھ سے ملنے کو غم خانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے خمسہ کو دیکھ کر فرمایا حضور کی بلاغت کی تحسین عربی مصرعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر مرنے لوٹنے اور آپکی شیرینی گفتار کے وصف میں تادیر عذب البیان اور رطب اللسان رہے اور مجھ سے بقدر میرے معلوم اور بیان کے آپکے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے نادیدہ و غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے مُلاقات سلام لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں لہٰذا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا ٭

بنام مولوی عزیزالدین صاحب

صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آ گئے تھی۔ قاسم جان کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خان کے پھاٹک تک بے چراغ ہے ہاں آباد ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خان کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیاء الدین خان کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالیشان انگلستان

تشریف رکھتے ہیں ضیاء الدین خان اور اُن کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو ہیں۔ لال کنوئیں کے محلہ میں خاک اُڑتی ہے آدمی کا نام نہیں تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی وہ لاہور گئی ہوئی ہے کھیمی کی دوکان میں کُتے لوٹتے ہیں مولوی صدرالدین خان لاہور ہیں۔ ابرو بخش تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں میں نے آپ مہر کردی حکیم احسان اللہ خان اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خان ساکن دریبہ اُن کی مہریں ہوگئیں محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ اُن سے میرا سلام نیاز کہئے اور خط کے نہ پہنچنے کی اُن کو خبر پہنچا دیجئے،،

بنام مفتی سید محمد عباس صاحب

قبلہ حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اس کو حرز بازو بنایا آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عز و افتخار ہے فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پیچ ہے دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد جُدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جُدا چاہتا ہوں نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی گذارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں مبداء فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد۔ تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اتنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے۔ گویا کڑھی میں اُبال آیا لکھنا کیا تھا کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا ہے کہ یہ ننگ مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع

برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت برہان قاطع وقاطع برہان کی ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا نینونین سکھ قطع کیا ہے جو آپنے اُس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جب تک غیر کے کسی برہان کو قطع نہ کرے کیونکر برہان قاطع نام پائیگی۔ برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجئے گا وہ قاطع برہان کی صحت ہونے کے کام آئیگی۔ قطعہ تاریخ کا کیا کہنا گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیاز مند اور بندہ فرمانبردار ہوں بعد عرض سلام کے شعر کے پسند آنے کا شکر گذار ہوں۔ آپکے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے ۔

بنام عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان صاحب

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خان طال بقاءہ۔ تمہارا رقعہ پہنچا۔ جو دم ہے غنیمت ہے اسوقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ معلوم نہیں قلم ہات میں لئے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے تو کہہ لینگے ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نواسی کا حال معلوم ہوا حق تعالیٰ اُس کی ماں کو صبر دے اور زندہ رکھے میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی تھی۔ تمہاری اُستانی تم کو اور ظہیر الدین کو اور اسکی ماں کو اور اُس کی بہن کو دُعا کہتی ہیں اور میں پیار کرتا ہوں اور دُعا دیتا ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں بھاگ نہیں گیا نکالا نہیں گیا لٹا نہیں کسی محکمہ میں ابھی تک بلایا نہیں گیا معرض باز پرس میں نہیں آیا آیندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے شیر زمان خان نے مجھے آگرہ سے خط لکھا اس میں ایک رقعہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب کی طرف سے بنام ظہیر الدین کے۔ اب مجھ کو ضرور آپڑا کہ اُس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا ناچار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں اگر پہنچ جائے تو آگرہ کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیجدینا میں یہاں سے آگرہ کو روانہ کردوں گا۔ غالب مرسلہ دوشنبہ چہارم جمادی الاول

سنہ ۱۲۷۴ھ - جواب طلب ؎

ایضاً - صبح شنبہ ۱۲ ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ء اقبال نشان عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دُعا پہنچے - تمہارے خط سے معلوم ہُوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں - شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے - کئی طرح کے سالن پلاؤ قلنجن - پسندے دونوں وقت روٹیاں خمیری چپاتیاں - مربّے اچار ہیں بھی خوش لڑکے بھی خوش کلو اچھا ہو گیا - سقا مشعلچی - خاکروب سرکار سے متعین ہے حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے - آج دو مُلاقاتیں ہوئی ہیں تعظیم تواضع اخلاق کسی باب میں کمی نہیں - ظہیر الدین خان بہادر کو دُعا پہنچے - یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحب کے پاس جاؤ اور یہ خط پڑھ کر سُناؤ - اور ان سے یہ کہدو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہے اسکی کچھ اصل نہیں ہے - باقی خیر و عافیت ؎

ایضاً - میاں تمہارا خط پہنچا آج میں نے اس کو اپنے خط میں ملفوف کر کے آگرہ کو روانہ کیا تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین حیدر کا خط نہ آتا تو اب بھی نہ لکھتے - انصاف کرو لکھوں تو کیا لکھوں کچھ لکھ سکتا ہوں کچھ قابل لکھنے کے ہے تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں - بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے نہ میں لکھوں گا - ظہیر الدین کو دُعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا تم کو اور ظہیر الدین کو اور اُس کی ماں کو اور اسکی بہن کو اور اُس کی لڑکی کو تمہاری ماں دُعا کہتی ہے اور دعائیں دیتی ہے - یہ رقعہ حید رحسین خان کے نام کا ہے اُن کو حوالہ کر دینا - اسد اللہ نگاشتہ شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ء ؎

ایضاً - میاں تم کو مُبارک ہو کہ حکیم صاحب پر سے وہ سپاہی جو اُن کے در پر متعین تھا اُٹھ گیا اور انکو حکم ہو گیا کہ اپنی وضع پر رہو مگر شہر میں رہو باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ - اور ہر ہفتہ میں ایکبار کچہری میں حاضر ہُوا کرو چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھواڑے مرزا جاگن کے مکان میں آرہے

صفدر میرے پاس آیا تھا یہ اس کی زبانی ہے۔ جی اُن کے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا۔ مرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اسوقت سُنا ہے کہ وہ خانصاحب کے پاس آئے ہیں یقین ہے کہ بعد مُلاقات باہر چلے جائینگے یہاں نہ رہینگے قدم شریف میں وہ رہتے ہیں آج پانچواں دن ہے کہ حکیم محمود خان مع قبائل اور عشائر ٹپیالہ کو گئے ہیں بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آرہا ہوں اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوانخانہ میں مردانہ پنشن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں معلوم ہُوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے دیکھیے بعد کیفیت کے جانے کے پنشن ملتا ہے یا جواب۔ پنجشنبہ ۱۶ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق یکم مئی ۱۸۵۸ء ؎

ایضاً۔ بھائی ہوش میں آؤ میں نے تم کو خط کب بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا کہ شیر زمان کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا کہ شیر زمان خان نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں بس بات اتنی ہی تھی وہ ہی بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی سو حضرت کو پہنچ گئی۔ خاطر عاطر جمع رہے ؎

ایضاً۔ میاں چاول بُرے بڑھتے نہیں لمبے نہیں پتلے نہیں۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو پُرانے اور پتلے چاول آئیں ایک روپیہ کے خرید کر کے بھیجدو۔ یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پُرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے شام کو میر مجدالدین صاحب کہتے تھے کہ حکیم غلام نجف خان کے پاس ایک کاتب ہے بھائی دس بارہ جزو کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھوانی ہے یہ معلوم کر لو کہ وہ صاحب روپیہ کے کے جزو لکھیں گے اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں یہ تو اب لکھو اور پھر دوپہر کے بعد اُن کو میرے پاس بھیجدو تا کہ میں اُن کو کاغذ اور منقول عنہ حوالہ کروں۔ ظہیر الدین کو دعا کہو اور اس کا حال لکھو۔ غالب ؎

ایضاً۔ حکیم غلام نجف خان سُنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ امر از روئے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روئے اعتقاد ہے تو میری عرض مانو۔ اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔

بھائی انصاف کرو اسنے اگر حکیم حسن اللہ خاں سے رجوع کی اور وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہے اگر گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو۔ بس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آ کر اب جو حاضر ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اُس پر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ اور بدل اُس کا معالجہ کرو۔ التفات کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ میاں پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو پھر حکیم صاحب کی حقیقت لکھو کہیں اور جائینگے یا یہاں آئینگے اگر یہاں آئینگے تو کب تک آئینگے پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اُس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ مَیں حیران ہوں کہ میاں نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی ہے نجات کا خدا سے اور تم سے اس رقعہ کے جواب کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ بھائی میں تم کو کیا بتاؤں کہ مَیں کیا ہوں۔ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے رستا ہے خیر محل اندیشہ نہیں ہے رس رس کر مادہ نکل جائیگا۔ اس سے اور زیادہ خستہ و افسردہ ہوں قبض کہ وہ دشمن جانی ہے ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے بہرحال ۵ مرگے ست بنام زندگانی ۔ حضرت غور کی جگہ ہے ایک مکان دلکشا۔ کوچہ کی سیر۔ بازار کا تماشہ۔ دو کمرے۔ دو کوٹھریاں۔ آتش دان صحن وسیع اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے دروازہ وہ تاریک کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے اور پھر ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع گوہ کے ڈھیر۔ کہیں حلال خوروں کا بچہ ہگ رہا ہے کہیں بیل بندھا ہُوا ہے کہیں کوڑا پڑا ہُوا ہے۔ عیاذاً باللہ خدا نہ لیجائے ایسے مکان میں تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا۔ میں خدمتگذاری کو آمادہ ہوں ۱۲۔ نجات کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ صاحب تم سچ کہتے ہو۔ بھائی فضل اللہ خاں کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے مگر الور سے مجھ کو کہنا نہیں یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئیگا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ

سو وہ بھی مجھے بھائی فضل اللہ خان کا دینا ہے اُن کا قرض ادا ہو جائیگا۔ احیاناً اگر خلاف میرے عقیدے کے پانسو روپیہ کا حکم ہُوا اور وہ آجائیں تو تم بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل کو دینا مجھ کو لکھنا۔ باقی کے واسطے میں جس طرح لکھوں اس طرح کرنا۔ لو صاحب شیخ چلی بنا خیالی پلاؤ پکا لیا۔ اب روداد سنو۔ نواب صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے آج منگل کا دن ۴ جمادی الثانی کی اور ۲ اکتوبر کی ہے کھانے کی اور گھوڑوں اور بیلوں کے گھانس دانے کی نقدی ہو گئی لیکن اس میں میرا فایدہ ہے نقصان نہیں۔ دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہو گا ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اُس کی ہے بعد جشن کے رخصت ہونگا خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو آدیکھتا ہوں ظہیر الدین خان کو دُعا۔

ایضاً۔ صاحب۔ کل آخر روز تمہارا خط آیا میں نے پڑھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ پھر بھائی ضیاء الدین خانصاحب کے پاس بھجوایا۔ یقین ہے کہ اُنہوں نے پڑھ لیا ہو گا۔ ما کتب فیہ معلوم کیا ہو گا۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے کہو اب خیر سے کب آؤ گے۔ کے برس کے مہینے کے دن راہ دکھاؤ گے یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو بدستور ہے ع زمین سخت ہے آسمان دُور ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے تونگر غرور سے مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جاید نے مارا۔ عرق کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا ادھر انسداد دروازہ آبکاری ہے اُدھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولوی فضل رسول صاحب حیدر آباد گئے ہیں۔ مولوی غلام امام شہید آگئے سے وہاں ہیں محی الدولہ محمد یار خان سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بُلایا ہے پر یہ نہیں معلوم کر وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے اگر تم معلوم کر سکو یا کچھ تم کو معلوم ہو گیا ہو تو مجھ کو ضرور لکھو۔ زیادہ کیا لکھوں کیوں ظہیر الدین کیا میں اس لایق نہ تھا کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا۔ حکیم غلام نجف خان خط لکھنے بیٹھے تیری بندگی لکھ دی۔ تیرے فرشتوں کو خبر نہیں اس بندگی کے آگے آنے کی مجھے کیا خوشی۔ غالب صبح یک شنبہ ۱۱ جنوری ۱۸۶۳ء۔

ایضاً۔ بھائی میرا ذکر سنو۔ ہر شخص کو غم موافق اسکی طبیعت کے ہوتا ہے ایک تنہائی سے نفور ہے
ایک کو تنہائی منظور ہے۔ تاہل میری موت ہے میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا ٹپیا لیے
جانے میں ایک سبکی اور ذلت تھی اگرچہ مجھ کو دولت تنہائی میسر آجاتی۔ لیکن اس تنہائی چند روزہ
اور تجرید مستعار کی کیا خوشی خدا نے لاولد رکھا تھا شکر بجا لاتا خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا
یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے یعنی حبس لوہے کا طوق اُسی لوہے کی دو ہتکڑیاں بھی پڑ گئیں
خیر اس کا کیا رونا ہے یہ قید جاودانی ہے۔ جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے
کیا کہوں کہ اُن کے دیکھنے سے دل کیا خوش ہُوا ہے خدا اُن کو زندہ رکھے میاں میں کثیر الاحباب
شخص ہوں سیکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس باسٹھ برس میں مر گئے خصوصاً اس فتنہ و
آشوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچیگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں بہت
عزیز ہیں۔ واللہ دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے کیا
معنی کہ جو میں مروں کوئی میرا یاد کرنیوالا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔ مصطفٰے خان کا
حال سُنا ہوگا خدا کرے مرافعہ میں چھوٹ جائے ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس نازپروردہ
میں کہاں۔ احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ مخنوق ہُوا۔ گویا اس نام کا آدمی
شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے بشرط اجرا بھی میرا کیا گذارہ ہوگا۔
ہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بیگناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول
عوام چولہے ولدر نہ ہوگا۔ تجھ کو میری جان کی قسم اگر میں تنہا ہوتا تو اسوجہ قلیل میں کیسا فارغ البال
اور خوشحال رہتا یہ بھی خبط ہے جو میں کہہ رہا ہوں خدا جانے پنشن جاری ہوگا یا نہ ہوگا۔ احتمال
تعیش و تنعم بشرط تجرید صورت اجرائے پنشن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے۔ بیدل کا
شعر مجھ کو مزا دیتا ہے ؎

نہ شام ما را سحر نویدی نہ صبح ما را دم سپیدی   چو حاصل ماست ناامیدی غبار دنیا بفرق عقبے

اسوقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں اسد غالب

بنام حکیم غلام نجف خان

جانِ وجانان وازجان وجاناں عزیزتر حکیم غلام نجف خان سلمہ اللہ تعالیٰ قبلہ یہ تو معلوم ہُوا کہ بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ وہ اس میں عزیز بھی تھے یہ سب وہاں سے نکالے گئے مگر صورت نہیں معلوم کہ کیونکر نکلے پیادہ یا سوار تہی دست یا بالدار مستورات کو تو رتھیں دیدیں تھیں مذکور کا حال کیا ہُوا اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہُوا۔ کہاں رہے اور کہاں رہینگے سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقد و ترحم ہیں یا نہیں و رنگ کیا نظر آتا ہے۔ جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں تفضل حسین خان کا حال خصوصاً اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو میرزا مغل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خان مرحوم کا خویش ہے اُس کی بی بی ہے اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں اذعانی ہے یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا اگر آپکو معلوم ہو تو اسکا حال بانفراد لکھئے۔ خواجہ جان اور خواجہ امان کی حقیقت بھی بشرط اطلاع ضروری فرمایئے اور ہاں صاحب آپ جانتے ہونگے۔ علی محمد خان کو وہ جو میر منشی عزیز اللہ خان کا خویش ہے اگر کچھ اُس کا ذکر بھی سُنا ہو تو میں اسکا خیر طلب ہوں۔ غالب جواب طلب

ایضاً۔ بھائی تمہارے رقعہ کا جواب پہلے تم کو شیر زمان خان نے دیا ہوگا پھر ظہیرالدین خان نے تم سے کہا ہوگا کہو کوئی طرح شہر میں تمہارے آنے کی ٹھہری یا نہیں بعد تیس کوس اور آدھ کوس کا برابر ہے میری جان تم ہنوز دو جانے میں ہو مجھ کو بھی تم جانتے ہو کہ میرا شہر میں رہنا بہ اجازت سرکار کے نہیں اور باہر نکلنا بے ٹکٹ نہیں پھر میں کیا کروں کیوں کر وہاں آؤں شہر میں تم ہوتے تو جرأت کر کے تمہارے پاس چلا آتا شیر زمان خان صاحب ایکبار آئے تھے کہہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤنگا مگر نہیں آئے۔ خدا جانے اُن کے والد کی رہائی ہوئی یا نہیں اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور اُن کو میرے پاس بھیج دینا اور تم کو اُن کے والد کا جو حال اُن کی زبانی معلوم ہُوا ہو وہ مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیرالدین کو دعا۔ از غالب

ایضاً۔ بھائی ہاں غلام فخرالدین خان کی رہائی زندگی دوبارہ ہے خدا تم کو مبارک کرے۔ سُنا ہے

لوہارو بھی اُن دونوں صاحبوں کو مل گیا یہ بھی ایک تہنیت ہے خدا سب کا بھلا کرے مجھ کو
ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے جو مناسب ہُوا وہ کہا گیا
دو ایک خط آمد ولایت میں نے پڑھائے تفصیل لکھ نہیں سکتا انداز ادا سے پنشن کا بحال برقرار
رہنا معلوم ہوتا ہے مگر دہ اپنے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔ میاں یہ الور میں کیا فساد برپا ہُوا ہے
خدا خیر کرے واسطے خدا کے جو تم کو معلوم ہُوا ہو اور جو معلوم ہو جاوے اس سے مجھ کو بھی اطلاع
دینا۔ غالب ۔

ایضاً۔ برخوردار سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خان کو میری دعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہونچی تم
جُدا گانہ خط کیوں نہ لکھا کرو۔ خط لکھا اور بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاہا اپنے آدمی کے ہاتھ
ڈاک گھر بھیجدیا مکان کا پتا ضرور نہیں ڈاک گھر میرے گھر کے پاس ڈاک منشی میرا آشنا۔ اب تم ایک
کام کرو آج یا کل ڈیوڑھی پر جاؤ اور جتنے خط جمع ہیں وہ لو مانگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو اور
بیرنگ لکھ کر کاپیاں کے ہاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں نیا ہو وہ مفصل
لکھو۔ جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد خان کو دُعا کہنا اب میرا حال سنو تعظیم و توقیر
بہت مُلاقاتیں تین ہوئی ہیں ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے رہنے کو ملا ہے یہاں پتھر تو
دوا کو بھی میسر نہیں خشتی مکان گنتی کے ہیں کچی دیواریں اور کھپریل سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے
مجھ کو مکان ملے ہیں وہ بھی ایسے ہیں ہنوز کچھ گفتگو درمیان میں نہیں آئی ہیں خود ان سے ابتدا نہ
کروں گا وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہینگے مگر بواسطہ کارپردازان سرکار دیکھوں کیا کہتے ہیں اور کیا
مقرر کرتے ہیں میں سمجھا تھا کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائیگی لیکن آجتک کہ جمعہ
آٹھواں دن میرے پہنچنے کو ہے کچھ کلام نہیں ہُوا۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے اور وہ
سب کو کافی ہوتا ہے غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں پانی کا شکر کس مُنہ سے ادا کروں ایک دریا ہے
کوسی سُبحان اللہ اتنا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ہے صاف سبک گوارا
سریع النفوذ اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمہ سے محفوظ ہوں صبح کو بھوک خوب لگتی ہے

لڑکے بھی تندرست - آدمی بھی توانا مگر ہاں ایک عنایت دو دن سے کچھ بیمار ہے - خیر اچھا ہوجائیگا - والدعا جمعہ ۳ فروری ۱۸۶۱ء

ایضاً - میاں تم نے بُرا کیا کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا بارے آج سہ شنبہ ۱۴ فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا اور اسی وقت پڑھوایا گیا - خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سکرٹر کا ہے ترجمہ اُسکا یہ ہے - از دفترخانہ سکرٹر اعظم حکم دیا جاتا ہے - عرضی دینے والے کو کہ جواب اس عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے ارشاد فرمائینگے از کیمپ لودھیانہ ۲۸ جنوری ۱۸۶۱ء یہاں کا یہ حال ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مرادآباد آیا چاہتے ہیں - مرادآباد یہاں سے بارہ کوس ہے - نواب صاحب دو چار دن میں پھر آئینگے اگر اُن کی ملاقات کو مرادآباد جائینگے میں بھی ساتھ جاؤنگا اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلّی سے کچھ علاقہ نہیں مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے جو واقع ہوگا تمہیں لکھونگا یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو - تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری اُستانی کو لکھتا ہوں کیا تم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سُناؤ اب اُن کو خیال ہوگا کہ انگریزی خط میں کیا لکھا ہے تم یہ خط میرا ہاتھ میں لیجاؤ اور حرف بحرف پڑھ سُناؤ - لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں کبھی میرا دل بہلاتے ہیں کبھی مجھ کو ستاتے ہیں - بکریاں - کبوتر - بٹیریں - تکل - کنکوا - سب سامان درست ہے فروری مہینے کے دو دو روپئے ایکدس دن میں اُٹھا ڈالے پھر پرسوں چھوٹے صاحب آئے کہ دادا جان کچھ ہم کو قرض حسنہ دو - ایک روپیہ دونوں کو قرض حسنہ دیا گیا - آج ۱۴ ہے مہینہ دُور ہے دیکھئے کے بار قرض لینگے - یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہوگا اور جو قرار پائیگا وہ مفصّل تم کو لکھوں گا اور تم اپنے والد کو سُنا دینا اور ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پوچھ لینا کہ کیدارناتھ نے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی - میں نے تو وفادار اور حلالخوری تک کی بھی تنخواہ بھیجدی ہے - غالب سہ شنبہ ۱۴ - فروری ۱۸۶۱ء

ایضاً - صاحب تمہارے دو خط متواتر آئے ظہیرالدین کا آگرہ جانا میرا خط اس کا موسوم تمہارے

پاس پہنچنا اور اس کا آگرہ کو روانہ ہونا۔ ظہیر الدین کی دادی کا بعارضہ سرفہ وسعال رنجور رہنا۔ کدار ناتھ
کا مجھ سے خفا ہونا۔ مکان کے روکنے کی اجازت مانگنا۔ فضل حسن سے میرے واسطے دریوزہ تفقد
کرنا۔ یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیر الدین کا خط تم نے کیوں کھولا وہ مغلوب الغضب ہے تم
پہ خفا ہوگا۔ اسکی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے ایک نسخہ اسکے پاس ماء اللحم کا
ہے وہ پکھوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کدار ناتھ لڑکا ہے وہ مجھ سے کیا خفا ہوگا۔ روپیہ جو خزانہ میں جمع
ہوگا آخر وہی لائیگا۔ خفا میں ہوں کہ روپیہ دام دام پایا اور میرا تمسک نہ دیا اور چھاپے کا نہ
بانٹنا۔ مکان کے روکنے کو اور کس طرح لکھوں شہاب الدین خان کو لکھا شمشاد علی بیگ کو لکھا۔
اب تم کو لکھتا ہوں ستمبر کے چھ روپے آیا ہوں۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر یہ ۱۸ روپے آکر دونگا۔ بابا اگر موقع
بنے گا تو یہ سہ ماہہ یہاں سے بطریق ہنڈوی بھیجدونگا۔ اسمعیل خان صاحب کو میری دعا کہو اور
یہ کہ ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوا دیں اور حویلی کے پاخانہ کی صورت درست کروا دیں ہائے قسمت
اس قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن میرے مربی و محسن نہیں اور پھر وائے محرومی کہ مطلب برآری
نہ ہو۔ خدا کرے نہ ہو۔ لونڈوں کا احسان زہر قاتل ہے فضل اللہ خان میرا بھائی ہے اُس کا احسان
مجھ کو گوارا۔ سو بار اُس سے کہا اور ہزار بار کہوں گا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے نہاں
نہ کہئے گا نہ لکھئے گا اگر کچھ کہو تو فضل سے کہو والا لا۔ نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو
یا کل آجائینگے جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۲ نومبر
سنہ ۱۸۶۰ء صبح کا وقت ؞

ایضاً۔ شنبہ ۹ ذیقعدہ یکم اپریل۔ میاں تمہارا گلہ میرے سر و چشم پر لیکن میرا حال سُن لو اور اپنے
وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر الدین کا خط آیا پڑھتے ہی اُس کا جواب لکھ رکھا دوسرے
دن ڈاک میں بھجوایا مضمون بہ تغیر الفاظ یہ تم جو پھوڑے پھنسی میں مبتلا رہتے ہو اس کا سبب یہ
کہ مجھ میں تمہارا لہو ملنا ہے اور میں احتراق خون کا پتلا ہوں۔ پھر تمہارا خط آیا تیسرے دن
اُس کا جواب بھجوا دیا مضمون یہ کہ تم سے تو میرا پیارا پوتا ظہیر الدین اچھا کہ جاتے وقت مجھ سے

مل گیا اور وہاں پہنچتے ہی مجھ کو خط لکھا رسید ڈاک گھر سے ملتی نہیں۔ خط دونوں پیڈ تھے یہاں کے
ڈاک گھر میں ممکن نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہوں شیخوپور کی ڈاک کے ہرکاروں نے
نہ پہنچایا میرا کیا قصور۔ البتہ سرنامہ پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا محلّہ کا نام نہ تھا۔ شاید اس
سبب سے خط نہ پہنچا ہو ایسے وقت تمہارا خط آیا میں نے لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھیں اب عنایت اللہ
کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں اور پچھوا منگواتا ہوں کہ پتہ وہاں سے کیا لکھا جاتا ہے لو صاحب
عنایت اللہ آیا اور یہ پرزہ لایا ہے پتہ سرنامہ پر لکھتا ہوں مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا کل بھیجدونگا
حکیم ظہیر الدین خان کو دُعا۔ بیٹا اب اسوقت مجھ میں دم نہیں دُعا پر قناعت کر تیرے خط کا جواب
جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں بھیج چکا ہوں جھوٹے پر لعنت تو بھی کہہ بیش باد۔ نواب مصطفےٰ خان
کل شہر میں آ گئے مع قبائل آئے ہیں۔ ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکوں کی ختنہ اور ذی الحجہ میں
محمد علی خان کی شادی کرینگے۔ آج پانچواں دن ہے شہر میں مُرغ کے انڈے برابر اولے پڑے
کہیں کہیں اس سے بڑے بھی۔ نواب لفٹننٹ گورنر بہادر جید بہ آئے دربار کیا میری تعظیم اور مجھ پہ
عنایت میری تمنا سے زیادہ کی آؤ گے تو مفصل سُن لوگے۔ نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ میاں آج صبح کو تم آئے تھے میں اُس ٹکٹ کے قصہ میں اُلجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا
اب میر عنایت حسین صاحب تمہارے پاس پہنچتے ہیں۔ جس امر میں یہ تم سے کوشش چاہیں
تم کو میری جان کی قسم بدل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو۔ امر سہل ہے کچھ بات نہیں ہے۔ مگر
درصورت سعی خدا کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملیگا اور میں تمہارا ممنون ہونگا۔ نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ میاں میں تم سے رخصت ہو کر اُس دن مرادنگر میں رہا دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔
نواب مصطفےٰ خان نے ایک دن رکھ لیا آج شنبہ ۱۲ جنوری یہاں مقام ہے نو بج گئے ہیں بیٹھا
ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں مُفت کا کھانا ہے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شاہجہان پور پرسوں
گڑھ مکتیسر رہونگا۔ مراد آباد سے پھر تم کو خط لکھوں گا۔ لڑکوں کے ہاتھ کے دو خط لکھے ہوئے
ان کی دادی کو بھجوا دیئے ہیں تم اس اپنے نام کے خط کو لیکر ڈیوڑھی پر جانا اور اُستانی جی کو

پڑھ کر سُنا دینا اور خیر و عافیت کہہ دینا۔ جناب خانصاحب کو میرا سلام نیاز۔ اور ظہیر الدین احمد کو دُعا کہہ دینا۔ ہاں بھائی میں اور بہ مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں اب جو شخص تم سے پوچھا کرے اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رام پور کو گیا ہے یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔ مرقومۂ چاشتگاہ شنبہ ۱۲۔ جنوری ؎

ایضاً۔ برخوردار حکیم غلام نجف خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ بدھ کا دن پہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۲۰ جمادی الاوّل کی اور ۱۱۔ اکتوبر کی ہے دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں اب آئے جاتے ہیں۔ رات بخیر گذرے بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائینگے۔ گھبرایا ہوا ہوں تیسرا دن ہے پائخانہ پھرنے کو لڑکے بخیر و عافیت ہیں اپنی اُستانی سے کہہ دینا مرزا شہاب الدین خان کو نواب ضیاء الدین کو سلام میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا ضرور ضرور ظہیر الدین دعا سے خفا ہوگا اس کو میری بندگی کہنا۔ غالب ؎

بنام حکیم ظہیر الدین احمد خانصاحب

پنجشنبہ ۲ نومبر ۱۸۶۵ء اقبال نشان حکیم ظہیر الدین احمد خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہونچے کہو میاں تمہارا مزاج کیسا ہے اور تمہارے بھائی مرزا تفضل حسین خان کیسے ہیں اگر ملو تو میری دُعا کہنا اور مزاج کی خبر پوچھنا اور اپنے والد ماجد کو میری دُعا کہنا اور کہنا کہ تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا اس میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی سُنو میاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ اور ان سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیر و عافیت کہو اور پوچھو کہ شہاب الدین خان نے اکتوبر کے مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپئے پہنچا دیئے یا نہیں۔ کدار ناتھ ڈیوڑھی پر آکر جعفر بیگ وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں۔ اچھا میرا بیٹا یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھیو ورنہ کیجیو۔ خط کے جواب کا طالب فقیر غالب ؎

از جانب حکیم ظہیر الدین احمد خان بنام نجم الدین حیدر صاحب عم الیشان

جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبہ دو جہان کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں اور ہزار زبان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا توپ جسکی آواز سے رعد کا دم بند۔ اور رنجک کے رشک سے بجلی کو رنج۔ گولہ اسکا خدا کا قہر دھواں اس کا دریائے عشق کی لہر استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں کیسی رنجک کیسا دھواں کہاں گولہ اب یہ وہ توپ ہے کہ بغیر ان عوارض کے صرف اسکی آواز سے رستم کا زہرہ آب ہو جائے اب بارود ہو تو رنجک اڑے آگ دہکائیں تو دھواں ہو گولہ چھرا کچھ اس میں بھریں تو ظاہر ہیں کہیں نشان ہو۔ صرف اسکی آواز پر مدار ہے۔ نئی ترکیب اور نیا کاروبار ہے ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شلک کی صدا سنائے۔ دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے آواز کا صدمہ اگرچہ صدائے صور سے دونا ہے مگر یہیں یہی کہتے بن آتا ہے کہ صور کا نمونہ ہے کیا خدا کی قدرت ہے دیکھو تو کیسی ندرت ہے توپ کا گولہ توپ ہی میں رہ جائے اور جو قلعہ روبرو آئے وہ ڈہے جائے دانا آدمی اسے زنجیری گولا کہتا ہے کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں الجھ رہتا ہے اچھے میرے چچا جان یہ توپ کس نے بنائی اور تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ جو دیکھتا ہے وہ حیران ہوتا ہے اب شہر میں جا بجا اسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالی شانہ تم کو ہمارے سر پر سلامت رکھے اور ہمیشہ بدولت و اقبال و عز و کرامت رکھے۔

بنام نواب میر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر المتخلص بہ وفا

ولی نعمت کو غالب کی بندگی بسبب ضعف پیری کے خدمت گزاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں قاصر کبھی نہ رہوں گا۔ انشاء اللہ العظیم دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچتی ہے دوسری غزل ہفتہ آیندہ میں پہنچ جائیگی ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال

جو اس کا کیا حال لکھوں دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خان کا خط آیا وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں۔ دیکھئے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں مزا یہی ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آزردہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندہ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہونگی۔ خدا کرے وہ بورگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیجدے تو میر صاحب کی خدمت میں بھیجدوں اگر ایسا نہ ہوا تو اُن غزلوں کو جواب آئی ہیں دیکھوں گا یہ اکہتّر برس کی عُمر کی خوبی ہے۔ اب میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجئے گا لُطف و کرم کا طالب غالب ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء ؞

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علیخان بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے ؎ بس شوقِ قتل سے ہے الخ گم ہوگئی ہے پھر لکھ کر بھیجئے اور قصور معاف کیجئے یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے میر صاحب قبلہ سید عالم علیخان بہادر کی دو غزلیں پہنچیں مگر وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤنگا اور وہاں سے تیرے پاس آؤں گا آج بحساب جنتری ۲۷۔ اور از روئے رویت ۲۶ رجب کی ہے غزلیں اُن کی موجود مگر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری بیگناہی کے گواہ رہیں قبلہ ضعف نے مضمحل کر دیا ہے۔ حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتروں برس شروع ہوگیا ہے۔ غذا باعتبار آرد و برنج مفقود محض صبح کو پان سات بادام کا شیرہ ۱۲ بجے آب گوشت شام کو چار کباب تلے ہوئے بس آگے خدا کا نام۔ ہاں حضرت جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی کا اخوان و احباب سے معلوم ہوا اور وہ علم باعث توزع ضمیر ہے متوقع ہوں کہ اُس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی طمانیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشئے اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمائیے گا۔ اسد بے دستگاہ پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں ؞

ایضاً۔ پیر و مُرشد جناب سید ابراہیم علی خانصاحب کو بندگی۔ غزل پہنچتی ہے خط از روئے احتیاط

بیرنگ بھیجا ہے قبلہ آپکے بھائی صاحب میر علی خان صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں کہ اپنی غزل نہیں
بھیجتے یہ امر اُن کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپکے دادا کا غلام اور خدمت بجالانے کو آمادہ
ہے۔ جواب کا طالب غالب نہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ ۔

ایضاً۔ بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی تسلیم بجناب میر ابراہیم علیخان بہادر کورنش
مقبول باد۔ تصویر مہر تنویر مجھے پہونچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی عجب ہے کہ آپکو اس کے
پہنچنے میں تردد ہے ارسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا یعنی تصویر منشی میاں دادخان کی معرفت
نذر کی ہے یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں اپنی غزل آپ
رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل اُن کو حوالہ کر دیں۔ نجات کا طالب غالب۔ جمعہ ۱۷۔ اگست سنہ ۱۸۶۸ء

ایضاً۔ جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ والا مناقب عالیشان نواب سید ابراہیم علیخان
بہادر مدظلہ العالی بعد بندگی معروض ہے حضرت سید احمد حسن خانصاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے
معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں بھیجے
چھپوادی ہے اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا جو اُنہوں نے
یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوا دیا۔ اور تین قطعے تاریخی بہاری لال منتظم اور میر فخرالدین مہتمم مطبع نے
جو یہاں تاریخیں لکھی تھیں وہ چھپوا دیں چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں رباعی

حق داد بہ سید ز پئے انعامش — فرخ پسرے کہ واجب ست اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش — ارشاد حسین خان کہ باشد نامش

قطعہ
غالب حال سنین ہجری — معلوم کن از خجستہ فرزند
چون یک صد و بست و چار ماند — این ست شمار عمر دلبند

یہ تو ظاہر ہے کہ سنہ ۱۲۸۵ھ ہے جب خجستہ فرزند کے اعداد میں سے ۱۲۸۵ لے لئے تو ایکسو چوبیس
بچتے ہیں ان کو میں نے دعائے عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبیعی کو
پہنچائے خط کی رسید کا طالب غالب ۔

بنام مولوی احمد حسن صاحب قنوجی

یارب یہ ایک خط جو مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے ادھر سے اظہار آشنائی ہے میری طرف سے یہ بے حیائی ہے کہ مجھ کو ان کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانہ نسیان خراب۔ عشرہ قتالہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں شاید اگر جیو نگا تو اس کا بھی مجھ کو علم نہ رہیگا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں ۷۵ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری ہیں سے سامعہ و شامہ باطل حواس باطنی ہیں سے حافظہ زائل بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں حیران ہوں کہ آپکو سید لکھوں مولوی لکھوں۔ خان لکھوں خط میں تو خیر کچھ لکھدوں گا خط کا کیا عنوان لکھوں بندہ پرور فقیر معاف رہے حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر اُن کے خطوط آتے رہتے ہیں گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجھ کو یاد دلاتے رہتے ہیں نہ آپ کہ بعد ایک عمر کے ناگاہ بنامہ یاد فرمائیں اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ دلائیں بہر حال تمہارا دُعاگو ہوں خیر جو ہوں اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے کیسے ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ یہ سب مدارج جان جاؤں۔ نثر کے شیوہ و انداز کا تو ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ شاعر بھی ہو تو تخلص کیا ہے نامہ نگار کا حال بسبیل اجمال یہ ہے کہ سیاست سے محفوظ رہا ہوں اور حکام کی عنایت سے محظوظ رہا ہوں بیوفائی کا داغ نہیں لگا ہے پنشن قدیم کو بدستور حکم اجرا ہے زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں دیکھئے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں یہ مکرم مخدوم آپکے ہم نام یعنی جناب مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہرا بہت درویش نواز ہیں کہ اس گم نام گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے میری طرف سے سلام باشتیاق تمام پہنچایئے والسلام

راقم جواب نامہ کا طالب اسد اللہ المتخلص بہ غالب۔

ایضاً۔ مخدوم مکرم مولوی سید احمد حسن خانصاحب باور کریں کہ یہ درویش گوشہ نشین تمہارا دوست اور تمہارا دعاگو ہے۔ تمہاری نثر کی طرز پسند تمہاری خواہش مقبول سید احمد حسن صاحب کی خدمتگذاری منظور ہے

عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۶۵ برس کی عمر ہوئی اضمحلال قوی ضعف دماغ کی فکر مرگ غم عقبیٰ۔ جو آپ مجھے دیکھ گئے ہیں میں اب وہ نہیں ہوں نظم و نثر کا کام صرف ۵۰ برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے ورنہ جوہر فکر کی رخشندگی کہاں بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے زور نہیں دلوا سکتا بہرحال حکیم صاحب کو میرا سلام کہئے اور کہئے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیجدیا کریں یہاں سے بعد حک و اصلاح خدمت میں پہنچ جایا کریگا۔ غالب ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ء۔

بنام حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

حضرت قبلہ پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب تمام اُمت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ وکعبہ جب آپ مجھ کو قبلہ وکعبہ لکھیں تو پھر میں آپکو کیا لکھوں۔ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ قبلہ قبلہ اور کعبہ کعبہ یہ کیا ترکیب ہے چونکہ آپنے مجھے اُستاد گردانا ہے اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجئے زنہار قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھئے گا یہ سوءادب ہے بہ نسبت قبلہ عبادُ اللہ۔ آپکا عطوفت نامہ پہنچا میرے پہلے خط کا بدیر پہنچنا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھکو معلوم ہُوا۔ اب اس کا خیال رکھونگا یہ اب آپکو معلوم رہے کہ آپکے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا اس کو یہ سمجھئے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے

بہار گلستان احمد حسن۔ یہ سجع کیا بُرا ہے

دل حیدر وجان احمد حسن۔ یہ اس سے بھی بہتر ہے انہیں دونوں میں ایک سجع مہر پر کھدوالیجئے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غالب

۱۹- ذی الحجہ

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں دونوں غزلیں پہنچتی ہیں جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تعارف اسمی ہے اُن کو میرا سلام کہئے اور کہئے کہ حضرت جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی اب نصف جائداد پر قابض ہیں اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گذارے کو کافی ہے کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی تیس چالیس روپیہ مہینے کی آمد لیکن چونکہ امام بخش چپراسی کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں لہذا فراغ بال سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے عشرۂ ثامنہ کے اواخر میں ہیں خدا سلامت رکھے غنیمت ہیں غالبؔ یکشنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ سید صاحب و قبلہ عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا پیش ویش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خان صاحب بہادر اور ایک ملاطفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خان بہادر کا پہنچا میں علی کا غلام اور اولاد علی کا خانہ زاد لیکن بڈھا ناتوان اور مسلوب الحواس اور بے سر و سامان خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گنہگار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ کا حال پوچھتے ہو ایں دفتر را گاؤ خورد و گاو را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔ بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں خود میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی کاغذ کا پرزہ اسونے کا تار پشمینہ کا بال باقی نہ رہا شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا کیا ایک اچھے گانوں کی آبادی تھی اُن کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے اب

ایک جنگل ہے اور میدان ہیں قبر اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گول سے بچے ہونگے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں اُن کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں۔ کیا کروں کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہوسکیگا۔ سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف کرتے ہیں اگر یہی مرضی ہے تو اتحاف واہدا تکلف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں اگر کچھ بھیجدینگے رد نہ کروں گا۔ کم و بیش پر نظر نہ کریں جتنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیجدیں والسلام۔ از اسد اللہ۔ روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد۔ تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہتی آپکے خطوط آئے ہونگے کوئی خط پڑھ لیا ہوگا۔ کوئی عنوان ناکشودہ پڑا رہا ہوگا البتہ حاجی مصطفٰے خان کا آنا مجھکو یاد ہے یقین کرتا ہوں کہ اُنہوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اپنی زبان سے یہ کیونکر کہوں کہ اچھا ہوں مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں بوڑھا۔ بہرا۔ اپاہج۔ بدحواس۔ ناتوان۔ فلک زدہ آدمی ہوں عہد کرتا ہوں کہ جب آپکا خط آئیگا اسکا جواب لکھوں گا جب غزل آئیگی اُس کو دیکھ کر پھر بھیجوں گا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتہ بھول گیا یہ خط تو مصطفٰے خان سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں وہ آپکو بھجوا دینگے آیندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔ نجات کا طالب غالب۔ ۲۴۔ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد ان دنوں میں اگر فقیر کے عرایض نہ پہنچے ہوں یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو

اتفاق سفر افتادہ بہ پیری غالب — اینچہ از پائے نیاید ز عصا مے آید

رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا دعاگو دولت کو ورود ولت پر جانا واجب ہوا ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل شتوہاں پہنچا۔ بعد اختتام بزم عازم وطن ہوا ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ غرض راہ میں بیمار رہا پانچ دن مرادآباد

میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ روان ناتوان تھا۔ ویسا ہوں جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں بہر حال ایسا ہوں۔ نواب میر جعفر علی خان مبرور مغفور کا خاندان سبحان اللہ ؎

این سلسلہ از طلائے ناب است　　　این خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خان میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہمدگر جاری ہے آپ کا حکم بے تکلف مانوں گا جناب میر ابراہیم علی خان صاحب اور حضرت میر علیخان صاحب کی خدمتگذاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔ اسوقت بکس کھولا ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے اب جب اسکا جواب آئیگا تب فقیر حکم بجالائیگا۔ اسد اللہ۔ چار شنبہ ۱۷۔ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد آپکو میرے حال کی بھی خبر ہے ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا حواس مختل ہو گئے۔ جہانتک ہوسکا احباب کی خدمت بجالایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہات سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبر سن کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہوسکیگا لکھ دیا کروں گا۔ زیادہ حد ادب۔ راقم اسد اللہ خان غالب۔ ۸۔ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد یکم محرم کا خط کل ۱۸ محرم کو پہنچا آج ۱۹ کو جواب لکھتا ہوں آپ پر اور میر ابراہیم علیخان اور میر عالم علیخان پر میری جان نثار ہے مقطع یا مقطعے۔ اب ایک ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیجدیا کیجئے۔ اسی طرح میں فرداً فرداً بعد اصلاح بھیجدیا کروں گا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا کے شجرہ منظومہ رسالہ فرمائیگا اسکی اصلاح میری حد وسع سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا یہ خط بھیجتا ہوں کہتے ہیں کہ پیڈ کے تلف ہونے کا احتمال ہے۔ اور بیرنگ کا نہیں۔

اسد اللہ۔ شنبہ دوم جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ قبلہ ڈاک کے ہرکارہ نے کل دو خط ایکبار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خان کا خط مع غزل آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں اسواسطے یہ خط آج روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں نہ اُس کو پھاڑ سکوں نہ پانی میں دھو سکوں شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہئیے آپ اور غزل لکھئے اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھئے یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خانصاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ آپکی یہ غزل سلا کر سوئے اور رہلا کر سوئے اور تاریخ ہائے بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دیکر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں اور دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھئے ایسا کے لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے کہ ان سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے آگے اُس راج میں حسام الدین حسین خان بڑے معزز اور مکرم متوسل تھے اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے۔ سید ابراہیم علیخان صاحب اسی خاندان میں سے ہیں اور ہاں یہ بھی لکھئے کہ میر عالم علیخان کون ہے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجئے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجئے گا میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہجائے تو رہجائے ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو۔ اسد اللہ۔ ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ حضرت یہ آپکے جد امجد کا غلام تو مر گیا۔ کثرت احکام تواتر ورود اشعار پھر یہ ہنجار کہ سو روپیہ کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو میر ابراہیم علیخان صاحب کی غزل جسکا ایک شعر یہ ہے

علی علی جو کہا تا سحر تو یوں سمجھے کہ ذوالفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اُس کا تقاضا کئے جاتے ہیں۔ غزلیں آپکی برستی ہیں کہاں تک دیکھوں آپکی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی پھر رنجور دائمی غذا

یک قلم مفقود ۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں ۔ نہ روٹی نہ بوٹی نہ پلاؤ نہ خشکا آنکھ کی بینائی میں فرق ہاتھ کی گیرائی میں فرق رعشہ مستولی ۔ حافظہ معدوم ۔ جہاں جو کاغذ رہا وہ وہیں رہا میر عالم علی صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سید صاحب کا آپکے خط میں پہنچا ۔ روپیہ وصول ہوا ۔ معاً خرچ ہوا ۔ اُنکی ایک غزل ساری رات ہماری رات جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور کوئی غزل اُن کی اب میرے پاس نہیں ۔ اور جناب میر عالم علی خان صاحب کی دو غزلیں یاد ہیں کہ آئی ہیں ۔ اگر ملجائینگی تو بعد اصلاح بھیجوں گا ۔ آپکی غزلیں شمار سے باہر ہیں کس میں دیکھونگا ۔ کتابوں میں ڈھونڈھونگا ۔ مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں جب وہ غزل اور اُس خط کا جواب پہنچ جائے تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہوکر بھیجی جائے اور خط ہر صاحب کا جدا ہو ۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں از روئے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں ۔ اسد بیک ناگ ۱۸ ۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً ۔ سید صاحب و قبلہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے ۔ وہ جو آپنے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقت ہے سو محض غلط ہے آگے ناتوان تھا اب نیم جان ہوں خط نہیں لکھ سکتا ۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں جو میں کہتا گیا ہوں وہ غریب لکھتا گیا ہے آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں میرے حق میں دعا کریں کہ اب تہتر برس سے آگے نہ بڑھوں ۔ اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت اور طاقت عنایت کرے تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا رہوں ۔ غالب ۳ ۔ جولائی ۱۸۶۷ء +

ایضاً ۔ جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی مقبول ہو اور یہ عرض بھی قبول ہو کہ جناب معلی القاب نواب ابراہیم علیخان بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں ۔ بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچا معلوم ہوا اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہوسکتی مگر خبر حضرت کے پیش نظر حاضر ہونگا

عنایت کی نظر رہے میرے حال پر یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہیگا جب آپکی تحریر سے نوید تولد معلوم کروں گا تب قطعہ یا رباعی جو کچھ ہو گئی ہو گی وہ بھیج دونگا۔ اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے۔ جس مہینے تک میں زندہ ہوں اُس مہینے تک خدمت بجالاؤں گا ۔ ۱۷۔ جولائی ۱۸۶۸ء ؁

بنام تفضل حسین خاں صاحب

کیوں صاحب یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و اُستادی سب پر پانی پھر گیا۔ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام خریدا آٹھ دس روپیہ کی سو وہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو تم کو مبارک رہے مجھ کو مستعار دو میں اُس کو دیکھ لوں پھر تم کو واپس بھیجدوں اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بدل منظور ہے وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو باللہ واللہ اُس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے تم کو بھیج دونگا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حامل رقعہ کو نہ دو تو تم کو آفرین۔ غالب ؁

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے	غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی	یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

علاقۂ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے۔ مانا کہ روشنائی اُس کے اجارے میں آئی ہے یہ بھی دلیل آشنائی ہے کیا فرض ہے کہ جب تک دید وادید نہ ہو لے اپنے کو یگانہ یک دگر

سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں اگر سمجھیں سلام کے جواب میں خط بہت بڑا احسان ہے
خدا کرے خط جس میں میں نے آپکو سلام لکھا تھا آپکی نظر سے گذر گیا ہو احیاناً اگر نہ دیکھا ہو تو آپ
مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئے گا اور خط کے لکھنے کے احسان کو اُس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا
کیجئے گا۔ ہائے میر جان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے سچ اُس کا یہ شیوہ تھا کہ اُردو کے فکر کو مانع آ
اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ یہ بھی انہیں میں ہے کہ جن کا میں ماتمی ہوں۔ ہزار
دوست مر گئے کس کو یاد کروں اور کس سے فریاد کروں جیوں تو کوئی غمخوار نہیں مروں تو کوئی عزاد
نہیں۔ غزلیں آپکی دیکھیں سُبحان اللہ چشم بد دُور۔ اُردو کی راہ کے تو سالک ہو گویا اس زبان
مالک ہو۔ فارسی بھی خوبی میں کم نہیں مشق شرط ہے اگر کہے جاؤ گے لُطف پاؤ گے۔ میرا تو گو
بقول طالب آملی اب یہ حال ہے ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی　　　دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

جب آپ نے بغیر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیونکر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی نہ تمنا ہو۔ پہلے
اپنا حال لکھئے کہ میں نے سُنا تھا آپ کہیں کے صدر امین ہیں۔ پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین
ہیں۔ اس ہنگامہ میں آپکی صحبت حکام سے کیسی رہی۔ راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھنا ضر
ہے کہ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار روپیہ مہینہ جو اُن کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا اب بھی ملتا
یا نہیں ہائے لکھنؤ کچھ نہیں کھلتا کہ اُس بہارستان پر کیا گذری اموال کیا ہوئے اشخاص
کہاں گئے خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر
سرگذشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی امیدوار ہوں کہ
آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے پتہ مسکن مبارک کا کشمیری بازار سے زیادہ نہیں معلو
ظاہرا اسی قدر کافی ہوگا ورنہ آپ زیادہ لکھئے مرزا تفتہ کو دعا کہئے گا اور اُن کے اُس خط
پہنچنے کی اطلاع دیجئے گا جس میں آپکے خط کی اُنھوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام ؀

ایضاً۔ بھائی صاحب از روئے تحریر مرزا تفتہ آپ کا چھ کتابوں کی تزئین کی طرف متوجہ ہونا

ہُوا۔ پھر بھائی منشی نبی بخش نے دوبار لکھا کہ میں باجمال لکھتا ہوں مفصل مرزا حاتم علی صاحب نے
لکھا ہوگا۔ یارب اُن کے دو خط آگئے مرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو اُن کا خط کیوں نہ آتا۔ اپنے
حُسنِ اعتقاد سے یُوں سمجھا کہ نہ لکھنا بمقتضائے یک دلی ہے جب اپنا کام سمجھ لئے تو مجھ کو لکھنا
کیا ضرور ہے مگر اس کو کیا کروں کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں مطبع اخبار آفتاب عالمتاب میں
یکم ستمبر سنہ ۱۸۵۸ء حال سے حکیم احسن اللہ خان کا نام لکھوا دینا۔ اور دو نمبروں کا اخبار ایک بار
بھجوا دینا۔ اور آیندہ ہر ہفتہ اُس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا۔ کیوں صاحب یہ امر ایسا کیا دشوار
تھا کہ آپ نے نہ کیا اور اگر دشوار تھا تو اُس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی۔ ابھی شکایت نہیں کرتا پوچھتا
ہوں کہ آیا یہ امور مقتضی شکایت ہیں یا نہیں۔ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ لکھ چکا ہوں کیا
انہوں نے بھی وہ خط تم کو نہیں پڑھایا ہر چند عقل دوڑائی کوئی درنگ کی وجہ خیال میں نہ آئی
اب حصول مدعا سے قطع نظر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دیکھوں چھ مہینے بعد برس دن بعد اگر مرزا
صاحب خط لکھتے ہیں تو اس امر خاص کا جواب کیا لکھتے ہیں میں بھی شاعر ہوں اگر کوئی مضمون
ہوتا تو میرے خیال میں آجاتا۔ کوئی عذر ایسا میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابل سماعت کے ہو
میں بھی تو دیکھوں تم کیا لکھتے ہو۔

ایضاً۔ صاحب میرے عہدۂ وکالت مبارک ہو موکلوں سے کام لیا کیجئے۔ پریوں کو تسخیر کیا کیجئے
مثنوی پہنچی جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے۔ انداز اچھا۔ بیان اچھا۔ روزمرہ
صاف جنتیوں کا استغاثہ کیا کہوں کیا مزہ دے رہا ہے۔ اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم
پارینہ کر دیا بیان بخشایش ہم گنہگاروں تک کیوں پہنچیگا مگر ہاں اس راہ سے ع کہ مستحق
کرامت گناہگارانند بخشش کا متوقع ہوں میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر
ہے۔ اور مضمون اُس کا کیا ہے۔ مرزا یوسف علیخان آٹھ دس مہینے سے مع عیال و اطفال اسی
شہر میں مقیم ہیں میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لیلیا ہے اُس میں رہتے ہیں اُن کو
خط بھیجو تو میرے مکان کا پتہ لکھ دینا۔ اور یہ بھی آپکو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامہ پر محلہ کا

نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام قصّہ تمام ہاں یار عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتہ ضرور رہے۔ دو روز سے شجاع مہر کو دیکھ رہے ہیں۔ اکثر تمہارا ذکر خیر رہتا ہے وہ نواب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں رات کو تو پھر چھ گھڑی کی نشست ہر روز رہتی ہے ابھی یہیں سے اُٹھ کر گئے ہیں تم کو سلام کہتے ہیں اور شجاع مہر کے مداح اور بیان بخشایش کے مشتاق ہیں"

ایضاً جناب مرزا صاحب آپکا غم فزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا یوسف علیخان عزیز کو پڑھوا دیا اُنھوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا یعنی اُس کی اطاعت اور تمہاری اُس سے محبت سخت ملال ہُوا اور رنج کمال ہُوا۔ سنو صاحب شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنون یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو لیلی اُس کے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اُس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اُس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عُمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانہ محض ہو گیا ہوں لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اُس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گذرتی ہوگی صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشق مجازی چھوڑ دو ؎

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی ۔۔۔ عشق محمدؐ بس ست و آل محمدؐ

اللہ بس ماسوا ہوس

ایضاً ؎ شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب ۔۔۔ اے تو غائب زنظر مہر تو ایمانِ من ست

حلیہ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ مرزا یوسف علی خان عزیز نے جو کچھ تم سے کہا اس کا منشاء
کیا ہے کبھی میں نے بزم احباب میں کہا ہوگا کہ مرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ سنتا ہوں
کہ وہ طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانہ میں کہ وہ نواب حامد علیخان کے
نوکر تھے اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے
اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے۔ بہرحال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے
کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا ہو کس واسطے میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔
تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا اور
دیدور لوگ اس کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر
سانپ سا پھر جاتا ہے ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی
خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گذری۔ بقول شیخ علی حزین ؎

تا دسترسم بود زدم چاک گریبان　　شرمندگی از خرقہ پشمینہ ندارم

جب ڈاڑھی موچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے
اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یہ
یاد رکھیئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے۔ عام۔ ملّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔
سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ۔ کنجڑا۔ منہ پر ڈاڑھی سر پر بال فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر
منڈایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا بک رہا ہوں۔ صاحب بندہ نے دستنبو جناب اشرف
الامرا جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی نذر بھیجی تھی۔ سو ان کا
فارسی خط محررہ دہم مارچ مشتمل بر تحسین و آفرین و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آگیا۔ پھر میں نے تہنیت
میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا اس کی رسید میں نظم کی تعریف اور اپنی رضامندی پر
متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہار دہم آگیا پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں
جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر

بہادر دہلی بھیجا تھا کل اُن کا مہری خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آگیا پنشن کے باب میں
ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع کے فراہم ہوتے جاتے ہیں۔ دیر آید درست آید۔ اناج کھاتا
ہی نہیں ہوں۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب رات کو ملے جاتی ہے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے — تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں اور اس غزل کے طالب کا ذوق پکا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی
رہا سلام وہ اب پہونچا دینگے ۔۔

ایضاً۔ مرزا صاحب ہم کو یہ باتیں پسند نہیں ۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو
کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مُرشد کامل نے یہ نصیحت کی کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔
ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو۔ کھاؤ۔ مزے اُڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ
بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک
افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ۔ غم نہ کھاؤ اور اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے
خوش ہو تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ
اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت
کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ہے ہے وہ حور
اجیرن ہو جائیگی۔ طبیعت کیوں نہ گھبرائیگی وہی زمردین کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور
وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ؎

زنِ نو کن اے دوست در نو بہار — کہ تقویم پارینہ ناید بکار

مرزا مظہر کے اشعار کی تضمین کا مسدس دیکھا نگر سراپا پسند ذکر بہمہ جہت ناپسند اپنے نام کا خط
مع اُن اشعار کے مرزا یوسف علی خان عزیز کے حوالہ کیا۔ مکرمی نواب محمد علی خان صاحب کی
خدمت میں سلام پروردگار اُن کو سلامت رکھے۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کو میرا سلام دیجیے
مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا۔ میں منتظر رہا کہ آپ لکھنؤ جائینگے وہ عبارت جناب

قبلہ و کعبہ کو دکھائینگے اُنکے مزاج اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائینگے۔ کیا جانوں کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں ع یار در خانہ و من گرد جہان میگردم ۔ اب مجھے اُن سے یہ استدعا ہے کہ بدستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنؤ نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کا حال جو کچھ معلوم ہو وہ سب اس خط میں درج کریں ۔

ایضاً۔ مرا بسادہ دلیہائے من تواں بخشید ۔ خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

کل دوشنبہ کا دن ۲۰ ستمبر کی تھی صبح کو میں نے آپکو شکایت نامہ لکھا اور بیرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں وہ نہیں پہنچا کچھ شکوہ سے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا بکس میں سے وہ تمہارے نام کا خط نکلا کر بھول گیا ہوں اور ڈاک میں نہیں بھیجا اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔ بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ سبحان اللہ جلدوں کی آرایش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے میرے دل میں بھی ایسی ہی ایسی باتیں تھیں۔ یقین ہے کہ متاع شاہوار ہو جائینگی اہارہ مہرہ اگر ہو جائیگا تو حرف خوب چمک جائینگے اس کا خیال اُن چار جلدوں میں ہے۔ رہی بارہ روپیہ کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کر کے مجھ کو اطلاع دیجیگا ورنہ میں مشوش رہوں گا۔ حضرت یہاں دو چیزیں مشہور ہیں اُن کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے اور ڈھنڈورا پٹ گیا ہے کہ کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور بادشاہی عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ ہے کہ جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سکرٹر اکبرآباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے خبریں دونوں اچھی ہیں خدا کرے سچ ہوں اور سچ ہونا ان کا آپ کے لکھنے پر منحصر ہے۔ ہاں صاحب ایک بات اور ہے اور وہ محل غور ہے میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں لکھا ہے تہنیت فتح اور عملداری شاہی سا بیکھ بیت ہے منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور

کاغذ مذہب پر لکھ کر بھیجوں۔ پھر یہ خیال میں آیا کہ دس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے یہ یعنی چھاپا ہوئی اگر یہ چھ صفحے یعنی تین ورق اور چھپ کر اُس کتاب کے آغاز میں شامل جلد ہو جائیں تو بات اچھی ہے آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ منشی شیو نرائن صاحب سے کہکر اس کا طور درست کریں اور پھر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپکے پاس بھیجدوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے دوسرے یہ کہ اسکی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو۔ اور پہلے صفحہ پر جس طرح کتاب کا نام چھاپتے ہیں اس طرح یہ بھی چھاپا جائے کہ قصیدہ در مدح جناب ملکہ انگلستان خلد اللہ ملکہا۔ میرا نام کچھ ضرور نہیں کتاب کے پہلے صفحہ پر تو ہو گا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب با صواب یعنی اندیشہ قبول جلد لکھئے ÷

ایضاً۔ بندہ پرور۔ آپکا مہربانی نامہ آیا۔ آپکی مہر انگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلایا کہاں وہیان لڑا ہے کہاں سے دستنبو کی مناسبت کے واسطے ید بیضا ڈھونڈھ نکالا ہے۔ آفرین آفرین صد ہزار آفرین تیسرا مصرع اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے ع نامۂ خود سال خویش وا دنشان،، مرزا تفتہ کا خط ہاتھرس سے آیا۔ اُن کے لڑکے بالے اچھے ہیں آپ گھبرائیں نہیں وہ آئے کے آئے ہیں۔ اگر تمہیں بدوں اُن کے آرام نہیں تو اُن کو بغیر تمہارے چین کہاں۔ صاحب بندۂ اثنا عشری ہوں ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں تم جو مجھ سے محبت کرو گے یا میری غمگساری میں محبت کرو گے کیا تم کو غیر جانوں جو تمہارا احسان مانوں۔ تم سراپا مہر و وفا ہو۔ واللہ اسم بامسمی ہو۔ مبالغہ اس کتاب کی تصحیح میں اسواسطے کرتا ہوں کہ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے۔ صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ عبارت نری خرافات ہے بارے بسبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔ سب طرح میرے پسند آئی۔ چنانچہ اُن کو لکھ بھیجا ہے اگر ہو سکے تو سیاہی ذرا اور بھی رنگت کی اچھی ہو ۱۲ حضرت چار جلدیں یہاں کے حکام کو دونگا۔ اور دو جلدیں ولایت کو بھیجونگا

اللہ اللہ کیا غفلت ہے اور کیا اعتماد ہے زندگی پر۔ بہر حال یہ ہوس تھی اور شاید اب بھی ہو کہ اب چھ
جلدوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی جاوے آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند رشید منشی عبد اللطیف
اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں اور باجلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا جاوے
معہذا دو دو روپیہ کتاب سے زیادہ کا مقدور بھی نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ چار جلدیں چھ روپیہ میں تیار ہوں
پھر سوچتا ہوں کہ یارب آرائش کی گنجائش کہاں۔ ناچار چار کتابوں کی جلد ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ کی
اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپیہ کی بنائی جائے قصہ مختصر کچھ کیا جائے یا یہی کہدیا جائے
کہ تیری رائے کونسل میں مقبول اور صرف جلدوں کی تیاری منظور ہوئی۔ بارہ روپئے بھیجدیئے ۱۲
مطالب اور مقاصد تمام ہوئے اور ہم تم بزبان قلم باہمدگر ہم کلام ہوئے

ایضاً۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے ہزار کوس سے
بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے
اتنا تو لکھو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت
لکھی نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کے
آغاز کے ان کو دے آیا ہوں اور اُنہوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے یہ تو بہت دن ہوئے
جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے پھر اب کتابوں کی جلدیں بنجانے
کی کیا خبر ہے اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے مہتمم مطبع کا خط پرسوں
آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی لینے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمہارے
پاس پہنچ جائینگے اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئینگی۔ ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے
سے تم بھی مجبور رہو۔ مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو خدا کرے تینتیس جلدوں
کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایت بھی آئیں تا خاص و عام جا بجا بھیجی
جائیں۔ میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاء الدین خان اور نواب حسین مرزا جمع
کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا اُنہوں نے لکھ لیا ان دونوں کے گھر لُٹ گئے۔ ہزاروں روپیہ کے

کتاب خانے برباد ہوگئے اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا اُسنے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلے میں اس خط کا جواب چاہتا ہوں۔

غزل

درد منت کشِ دوا نہ ہوا | میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو | اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے | لے کے دل دلستاں روانہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما | کام گر رُک گیا روا نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب | گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی | بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی | حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کچھ تو پڑھئیے کہ لوگ کہتے ہیں | آج غالب غزل سرا نہ ہوا

ایضاً۔ بھائی صاحب آپکے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہنچایا بلکہ مجھ کو اُن کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا ہے مجھ کو تو بموجب اس مصرعہ کے ع خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست۔ دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے۔ حضرت مرح کو ایک موقع ضرور ہے۔ مجھ کو آپکے حکم کا بجا لانا ضرور ہے۔ اس نذر کے پہنچنے کے بعد جب کوئی اُن کا عنایت نامہ آئیگا تو بندۂ درگاہ مرح گستری کا جوہر دکھائیگا اُس نظم میں آپکا ذکر خیر بھی آجائیگا۔ اب یہ تو فرمائیے کہ مدت انتظار کب انجام پائیگی اور ان کتابوں کی روانگی کی خبر مجھ کو کب آئیگی۔ آپکے فرمانے کی وجہ کا سب طرح یقین ہے۔ سیاہ قلم کی پانچوں لوحیں بھی اگر بن گئی ہوں تو عجب نہیں ہے۔ جلدوں کا بنانا البتہ چھاپے کے اختتام پر موقوف ہے معلوم تو ہوتا ہے کہ بھائی نبی بخش صاحب اور ہمارے شفیق منشی شیو نرائن صاحب کی ہمت اُس کے جلد انجام ہونے پر مصروف ہے۔ یا رب

اسی اکتوبر کے مہینے میں یہ کام انجام پا جائے اور چالیس جلدوں کا پشتارہ میرے پاس آجائے۔ مرزا تفتہ کو کیا دوں اور کیا لکھوں مگر دُعا دوں اور دُعا لکھوں۔ صاحب اب ڈھیل نہ کرو کام میں تعجیل کرو

اے زفرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش ؛

خدا کرے نثر کی تحریر انجام پا گئی ہو اور قصیدہ کے چھاپنے کی نوبت آ گئی ہو۔ قصیدہ کا نثر سے پہلے لگانا از راہ کرم و اعزاز ہے ورنہ نثر میں او رصنعت اور نظم کا اور انداز ہے۔ یہ اُس کا دیباچہ کیوں ہو۔ بلکہ صورت ان دونوں کے اجماع کی یوں ہو کر سررشتہ آمیزش توڑ دیا جائے اور قصیدے کے اور دستنبو کے بیچ میں ایک ورق سادہ چھوڑ دیا جائے۔ رائے امید سنگھ کا کوئی خط اگر اندور سے آیا ہو تو مجھ کو بھی آگہی دو۔ چاہو تمہیں ابتدا کرو اور ایک خط اُن کو لکھو اور اُس کا پرداز اُس بات پر رکھو کہ اب وہ کتابیں تیار ہونے کو آئی ہیں آپکی خدمت میں کہاں بھیجی جائیں اور کیا پتہ لکھا جائے۔ یہ خط جواب طلب ہو جائیگا اور اُن کو جواب لکھنا پڑیگا ؛

ایضاً۔ بھائی صاحب مطبع میں سے سادہ کتابیں یقین ہے کہ آجکل پہنچ جائیں اور پس و پیش سات جلدیں آپکی بنوائی ہوئی آئیں۔ بالفعل ایک اور عقدہ سررشتہ خیال میں پڑا ہے یعنی از روئے اخبار مفید خلائق ذہن لڑا ہے کہ اس ہفتہ میں جناب اونسٹن صاحب بہادر آگرہ آئینگے اور وسادۂ لفٹنٹ گورنری پر اجلاس فرمائینگے۔ اس صورت میں اغلب ہے کہ ولیم میور صاحب بہادر ان کی جگہ چیف سکرٹر بن جائینگے۔ پھر دیکھئے کہ یہ محکمۂ لفٹنٹ گورنری میں اپنا سکرٹرکس کو بنائینگے۔ میر منشی اس محکمہ کے تو وہی منشی غلام غوث خان بہادر رہینگے۔ ہمارے منشی مولوی قمرالدین خان کہاں رہینگے۔ بہرحال آپ سے یہ استدعا ہے کہ پہلی کتابوں کا احوال لکھئے اور پھر جُدا جُدا جواب ہر سوال کا لکھئے۔ جب تک اونسٹن صاحب بہادر چیف سکرٹر تھے تو یہ خیال میں تھا کہ اُن کی نذر اور نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر یعنی دو کتابیں مع اپنے خط کے اُن کے پاس بھیجوں گا اب حیران ہوں کہ کیا کروں آیا ان کی جگہ سکرٹر کون ہوا۔ اور یہ جو لفٹنٹ گورنر ہوئے تو انہوں نے سکرٹرکس کو کیا میر منشی لفٹنٹ گورنر کا کون رہا۔ اور گورنر جنرل کا منشی کون ہے جو آپکو معلوم ہو وہ اور جو نہ معلوم ہو وہ دریافت کر کے لکھئے۔

قمرالدین خان کا حال ضرور منشی غلام غوث خان کا حال پُرضرور۔ بھائی میرے سر کی قسم اس خط
کا جواب ضرور لکھنا۔ اور ایسا واضح لکھنا کہ مجھ سا کُندذہن اچھی طرح اُس کو سمجھ لے۔ زیادہ کیا
لکھوں۔ غالب ۔

ایضاً۔ بھائی صاحب خدا تم کو دولت و اقبال روز افزون عطا کرے اور ہم تم ایک جگہ رہا کریں۔ خدا
کرے قصیدے کے چھاپے کی منظوری اور ہنڈوی کی رسید آئے گویا صفر کے مہینے میں عید آئے
ہنڈوی کا روپیہ جب چاہو منگواؤ۔ اور کتابوں کی لوحیں اور جلدیں موافق اپنی رائے کے بنوالو۔ اب
آپ دو ورقہ کا ڈاک میں بھیجنے موقوف رکھیں۔ اور کتابوں کی درستی پر بہت مصروف رکھیں۔ قصیدے کے
مسودہ کا ورق مرزا تفتہ کے خط میں پہنچ گیا ہوگا آپ نے اور مرزا تفتہ نے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب
نے قصیدہ کو دیکھا ہوگا۔ قصیدہ کا شامل کتاب ہونا بہت ضرور ہے پر دیکھنا چاہیئے کہ صاحب
مطبع کو کیا منظور ہے۔ اگر وہ کاغذ کی قیمت کا عُذر کرینگے تو ہم پانچ سات روپیہ سے اور بھی اُن کا
بھرنا بھرینگے۔ جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر سے میں صورت آشنا نہیں کبھی میں نے اُن کو دیکھا
نہیں۔ خطوں کی میری اُن کی ملاقات ہے اور نامہ و پیام کی یُوں بات ہے کہ جب کوئی نواب
گورنر جنرل بہادر نئے آتے ہیں تو میری طرف سے ایک قصیدہ بطریق نذر جاتا ہے بذریعہ جناب
صاحب ایجنٹ بہادر دہلی۔ اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ بھجواتا ہوں اور صاحب سکرٹر بہادر
گورنمنٹ کا خط اُس کی رسید میں بسبیل ڈاک پاتا ہوں۔ جب لارڈ کیننگ صاحب بہادر نے کرسی
گورنری پر جلوس فرمایا تو موافق دستور کے قصیدہ ڈاک بھجوایا۔ اڈمنسٹن صاحب بہادر چیف سکرٹر کا
جو مجھ کو خط آیا تو اُنہوں نے باوجود عدم سابقہ معرفت میرا القاب بڑھایا۔ قبل ازیں خانصاحب بسیار
مہربان دوستان میرا القاب تھا۔ اس قدر شناس نے از راہ قدر افزائی خانصاحب مشفق بسیار مہربان
مخلصان لکھا۔ اب فرمائیے ان کو کیونکر اپنا محسن اور مربی نہ جانوں کیا کافر ہوں جو احسان نہ مانوں
برخوردار مرزا تفتہ کو دعا کہتا ہوں۔ بھائی اب میں اس کا منتظر رہتا ہوں کہ تم اور مرزا صاحب مجھ کو
لکھو کہ لو صاحب دستنبو کا چھاپا تمام کیا گیا اور قصیدہ چھاپ کر ابتدا میں لگا دیا گیا مادہ تاریخ کیا بُرائی

ہے جو تمہارے جی میں یہ بات آئی ہے کہ مجھ سے بار بار پوچھتے ہو مادہ اچھا ہے قطعہ لکھ لو اور خاتمہ کتاب پر لگا دو۔ ایک قطعہ مرزا صاحب کا ایک قطعہ تمہارا۔ یہ دونوں قطعے ہیں اور اگر وہاں کوئی اور صاحب شاعر ہوں تو وہ کہیں اس عبارت سے یہ نہ سمجھنا کہ روئے سخن ساری خدائی کی طرف ہے بلکہ خاص بہ اشارہ بھائی کی طرف ہے مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہیئے اور اُن کا نام بھی اس کتاب میں چاہیئے۔ اس خط کو لکھ کر بند کر چکا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے مشفق منشی شیونرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدہ کا مسودہ پہنچ گیا اور منشی صاحب نے اُسکا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہو گئی اب اُن سے میرا سلام کہئے گا اور یہ کہئے گا ع شکر رافت ہائے تو چندانکہ رافت ہائے تو۔ اور یہ اُن کو اطلاع دیجئے گا کہ اخبار کا لفافہ ہرگز مجھ کو نہیں پہونچا ورنہ کیا امکان کہ میں رسید نہ لکھتا۔

ایضاً۔ خوشکوہ بلبل رفع آزار یست آید بزبان ہر انچہ از دل برود

بندہ پرور فقیر شکوہ سے بُرا نہیں مانتا۔ مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے مُنہ نہ موڑے اور معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجایش نہ چھوڑے کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپکا فرخ آباد جانا معلوم ہو گیا تھا۔ اسواسطے آپکو خط نہیں لکھا۔ کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصہ میں کئی خط بھجوائے اور وہ اُلٹے پھر آئے آپ شکوہ کا ہے کو کرتے ہیں اپنا گناہ میرے ذمہ دھرتے ہیں نہ جاتے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں۔ نہ وہاں جا کر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپکا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اُس کا جواب بھجوایا کہیئے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں۔ پس دردمندوں کو زیادہ ستانا اچھا نہیں۔ مرزا تفتہ سے آپ فقط اُنکے خط نہ لکھنے کے سبب سرگران ہیں میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ان دنوں میں کہاں ہیں آج توکلت علی اللہ سکندرآباد خط بھیجتا ہوں دیکھوں کیا دیکھتا ہوں۔

ایضاً۔ بھائی صاحب تمہارا خط اور قصیدہ پہونچا۔ اصل خط تمہارا لفافہ میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیجدیا تاکہ حال اُن کو مفصل معلوم ہو جائے۔ بیاس رپورٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ پروردگار بہ تصدق ائمہ اطہار یہ پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے۔ اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچاوے

واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرأت کی فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلے تھے۔ بات پیدا کی مگر اپنی فرمی و فرزانگی سے۔ دولت کا ہاتھ آنا مع نیکنامی اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں اب یقین ہے کہ خدمت منصفی ملے اور جلد ترقی کرو ایسا کہ سال آیندہ تک صدر الصدور ہو جاؤ۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا اور وہ اشعار جو تم نے اُس کے حُسن کے وصف میں لکھے تھے تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے۔ اب یہ ایک زمانہ ہے کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن بھی آ جائیگا کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بیکار ہو جائے زبان بر سر گفتار آئے۔ انشاء اللہ خان کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا ہے تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے اور اچھا سماں باندھا ہے زبان پاکیزہ۔ مضامین اچھے تھے۔ معانی نازک مطالب کا بیان دلنشین۔ زیادہ کیا لکھوں +

ایضاً۔ خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ آپکو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ مرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کر کے بھیجدیا ہے میں نے منشی شیو نرائن کو بھیجا ہوا اصل خط دیکھ لیا ہے۔ اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری یا انشاء خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو جو عبارت اس میں سے پسند آیا کرے وہ خط میں لکھ دیا کرو خط مُفت میں تمام ہو جایا کریگا اور تمہارے خط کے آپکا نام ہو جایا کریگا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا اُس کا دیکھنا مشاہدہ اخبار پر موقوف رہا ع برات عاشقاں بر شاخ آہو ۔ واقعی جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ صاحب ہوش میں آؤ اور مجھ کو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دکانوں میں فرنچ اور شام پین کے درجن دھرے ہوئے ہیں یا ساہوکاروں اور جوہریوں کے گھر روپیہ اور جواہر سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں کہاں وہ شراب پینے جاؤنگا اور وہ مال کیونکر اُٹھاؤنگا بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوا دیجئے۔ میں نے کتابیں جا بجا بسبیل پارسل ارسال کی ہیں اگرچہ پہونچنے کی خبر پائی ہے مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان   ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیا ہے

جو رسے باز آئیں پر باز آئیں کیا   کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

موج خون سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے | آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا
لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ | جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے | کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

غزل ناتمام ہے

ہے بسکہ ہر اک اُنکے اشارے میں نشان اور | کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے | لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا | ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند | ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور
یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات | دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور
ہر چند سبک دست ہوئے بُت شکنی میں | ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے | رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے | جلاّد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے | کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

دوشنبہ کا دن ۲۰۔ دسمبر کی صبح کا وقت ہے انگیٹھی رکھی ہوئی ہے آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں یہ اشعار یاد آ گئے تم کو لکھ بھیجے۔ والسلام

ایضاً۔ بھائی جان کل جو جمعہ روز مبارک و سعید تھا گویا میرے حق میں روز عید تھا چار گھڑی دن رہے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہونچا واہ کیا خوب برمحل پہنچا۔ آدمی کو موافق اُس کی تمنا کے آرزو بر آنی بہت محال ہے۔ میری آرزو ایسی بر آئی کہ وہ برتر از وہم و خیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گذرتا تھا میں صرف اسقدر خیال کرتا تھا کہ جلدیں بندھی ہوئی دو کی لوحیں سنہری اور پانچ لوحیں سیاہ قلم کی ہونگی۔ واللہ اگر تصور میں بھی گذرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہونگی جب تک جہان ہے تم جہان میں رہو۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی امان میں رہو میرا مقصو

یہ تھا کہ ایک کتاب شل اُن چار کے بنجائے نہ یہ کہ دو کتابوں کا سارنگ دکھلائے اب میں حیران ہوں کہ آیا شمار راقمہ نے اُن بارہ روپوں میں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ دو پارسلونکا محصول دو رجسٹریوں کا معمول تین کتابوں کی لوحیں طلائی یہ ساری بات اُس روپیہ میں کیونکر بن آئی۔ اور کیونکر معلوم کروں کس سے پوچھوں۔ خدا کرے تم تکلف نہ کرو اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو۔ خفقانی آدمی کو بغیر حال معلوم ہوئے آرام نہیں آتا جہاں محبتیں دینی اور روحانی ہوں وہاں تکلف نہیں آتا۔ زیادہ اس سے کہ شکر گذار ہوں اور شرمسار ہوں کیا لکھوں +

ایضاً۔ بندہ پرور آپکا خط کل پہونچا آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم واندوہ کا شکوہ گذار پاتا ہے پس اگر کسی لیے درد پردل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجایش ہے بلکہ یہ غم تو نصیب دوستان درخور افزایش ہے بقول غالب علیہ الرحمۃ ؎

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو　　　نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

ہے ہے حسن مطلع ؎

یہ فتنہ آدمی کے خانہ ویرانی کو کیا کم ہے　　　ہوا تو دوست جس کا دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اگر خدانخواستہ باشد غم دنیا ہے تو بھائی ہمارے ہمدرد ہو ہم اس بوجھ کو مردانہ اُٹھا رہے ہیں تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو بقول غالب مرحوم ؎

دلا یہ درد والم ہے تو مغتنم ہے کہ آخر　　　نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

سحر ہوگی۔ خبر ہوگی۔ اس زمین میں وہ شعر یعنی ؎

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر　　　جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہوگی

کتنا خوب ہے اور اُردو کا کیا اچھا اسلوب ہے۔ قصیدہ کا مشتاق ہوں خدا کرے جلد چھپا پا جاوے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آجائے۔ کیا کہئے بھلا کیسے۔ یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی ؎

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے | تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہئے
رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجے | کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہئے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب | خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہئے

اور جو فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اس میں میرا ایک قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین ایک میرے دوست تھے اُنہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اسکی کچھ تشبیہات نظم کیجئے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر اُن کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی اب سوچ رہا ہوں جو شعر یاد آتے جاتے ہیں لکھتا جاتا ہوں قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی | زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے | ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے
اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے | خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلیٰ کہئے
حجر الاسود دیوار حرم کیجئے فرض | نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہئے
صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مُہر نماز | میکدہ میں اسے خشتِ خُم صہبا کہئے
مستی آلودہ سرِ انگشت حسینان لکھئے | سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہئے

غرضکہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں یہ اشعار سب کب یاد آتے ہیں آخر کی بیت یہ ہے

اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجے فرض | اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

لو حضرت آپکے خط کے جواب نے انجام پایا اب میرا دیدہ و دل منتظر خبر دار شی شیخ مرادان سے میرے دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور دو خطوط جواب طلب بھیجے تم اُن کو میری طرف سے تقاضا کرو کیونکہ یہاں میرا کلام بند ہے اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو یعنی اگر وہ کتاب ابھی نہیں چھپی ہے تو جلد چھپوا دو اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی

ایضاً۔ جناب مرزا صاحب ولی کا حال تو یہ ہے

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹیگا۔ وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو بدین نمط ہے کہ چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے باتفاق رائے ہمدگر ایسا بند وبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا اب امن و امان ہے۔ ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فنے تھے صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی سے اُن کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو بنے دیکھے کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ؎

فروغ میرزا حاتم علی مہر
خدا سے میں بھی چاہوں ذرہ مہر

اگر اسی انداز پر انجام پائیگی۔ تو یہ مثنوی کارنامہ اُردو کہلائیگی خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا۔ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا ہے۔

بنام منشی نبی بخش صاحب مرحوم

بھائی صاحب آپکا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ میاں کا غذ مقبول و مسموع حق تعالیٰ اُن کو زندہ اور تندرست اور خوش و خورم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا اُنھوں نے جو صورت چھ کتابوں کی آرائش کی جس تفریق سے ٹھہرائی ہے وہ مجھ کو پسند آئی ہے کل میں نے اُن کو اجازت اسی طرح کی تزئین کی لکھ بھیجی ہے حال تصحیح کا تبصریح آپکو لکھ چکا ہوں اُسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔ بھائی جان میں نے ایک قصیدہ جناب ملکۂ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے ساٹھ شعر ہیں چھ صفحے یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیئے جائیں تو کتاب کو قصیدہ سے عزت اور قصیدہ کو کتاب کے سبب سے شہرت

ہو جائیگی۔ کل جناب مرزا صاحب کو یہ خط لکھ چکا ہوں یقین ہے کہ وہ بھی آپ سے کہینگے اور آپ مرزا صاحب اور مرزا تفتہ اور منشی شیونرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کرینگے اور جب باتفاق تم چاروں صاحب پسند کروگے تو گویا باجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا۔ اور امیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیج دوں مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو تو ہو ورنہ بات آسان ہے منشی عبداللطیف کو دعا کہنا۔ اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی ان کو اطلاع دینا بیگم کو دعا پہونچے اور سب لڑکے بالوں کو میاں باقر حسین اور علی حسین تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی قدر مراتب بندگی سلام و دعا کہتے ہیں۔ ہاں حضرت اب ایک امر مختصر کیواسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں۔ میری طرف سے دعا کہہ کر ان کو کہئے گا کہ اخبار گذشتہ کے اوراق مع خط مہتمم مطبع آفتاب عالمتاب حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپیہ کی ہنڈوی اور ان کے خط کا جواب روانہ کرینگے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجئے گا۔ اور تاکید کر دیجئے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجیں۔ بھائی مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت یا مکالمت ہو گئی ہے روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ دن بھی یاد رہینگے خط سے خط لکھے گئے ہیں مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گذرتے ہیں اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا غنیمت ہے کہ محصول آدھ آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ چارشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء۔ جو باتیں جواب طلب ہیں انکا جواب طلب ہے۔

(۳) ایضاً۔ بھائی میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا خاطر جمع رکھو۔ جناب آنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لیگئے سنتا ہوں کہ کلکتہ جائینگے میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئینگے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گذار رہوں گا مرزا حاتم علی صاحب اگر آجائیں تو ان کو میرا سلام کہنا۔ مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا۔ از غالب۔ مرقوم دوشنبہ ہفتم

جنوری ۱۸۵۹ء

بنام منشی عبداللطیف صاحب۔ ابن نبی بخش

صاحب آ گئے تمہارا ایک خط پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا بعد اس کے کل ایک خط اور
آیا۔ ریڈر صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶۔ دسمبر کی ہے۔ ۸ کو بموجب تمہارے لکھنے
کے وہ وہاں سے جانیوالے ہیں اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئینگے۔ دو دن کے بعد بمقام میرٹھ
خط روانہ کروں گا خاطر جمع رکھو۔ وہ صاحب مہر جیسا لکھیں مجھ کو اطلاع دینا۔ رہی تمہاری مہر اسکا
کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا ہے بنجائیگی۔ مگر بھائی ۱۸۵۸ء بیس دن کے باقی رہے ہیں
آج ۶۔ دسمبر کی ہے ۲۴ و ۲۵ دن باقی رہے ہیں ۱۸۵۹ء جنوری مہینے میں خدا چاہے تو کھد
جائیگی۔ تم میرے بجائے فرزند ہو۔ میرے بھتیجے ہو۔ جو تمہارا کام ہو بے تکلف کہو شرم کیا اور تکلف
کیوں۔ یہ مہر کا کھدنا کونسا کام ہے میرزا حاتم علی صاحب ملیں تو میرا سلام کہنا۔ اور مرزا تفتہ کو خط
لکھو تو میری سفارش لکھنا وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔ غالب ۶۔ دسمبر ۱۸۵۸ء

بنام خواجہ غلام غوث خانصاحب میر منشی المتخلص بہ بیخبر

قبلہ اس نامہ مختصر نے وہ کیا جو پارہ ابر کشت خشک سے کرے۔ یعنی خط اور پارسل کا پہنچ جانا ایسا نہیں
کہ اس کی خبر پا کر بخت کی رسائی کا سپاس گذار نہ ہوں۔ یہ تو حضرت کو لکھ چکا ہوں کہ دوسرا پارسل اور
خط ایک ساتھ بھیجا گیا ہے اور یہ گونہ توقع کا خیال اسی پارسل پر ہے کس واسطے کہ اس خط میں حاکم
اعظم کے نام کی عرضی ملفوف ہے۔ جانتا ہوں کہ محکمہ ڈاک ایک ایک دونوں پارسل اور دونوں
لفافے ایک دن پہنچے ہونگے مگر دل نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ نہ مانوں گا جب تک کہ حضرت اس
سر رشتہ سے معلوم کر کے نہ لکھیں گے۔ اب آپ جانیئے اور یہ دل شوریدہ میں اسکی سفارش کرنیوالا
اور اس کے مدعا کا گذارش کرنیوالا کون۔ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی آپ مجھ پر

حالی کر سکتے ہیں کہ نذر ولایت کو روانہ ہوئی یا نہیں۔ میری جگر کاوی کی قدر دانی ہوئی یا نہیں۔ پیشگاہ حکام سے موافق دستور کے خط کا امیدوار ہوں یا نہیں اپنی حسن طبع کا شکر گذار ہوں یا نہیں۔ اس خط کا جواب جتنا جلد عنایت کیجئے گا مجھ کو جلا لیجئے گا۔ لوہارو کا خط ایک معتمد کے ہاتھ بھیج دیا گیا۔

ایضاً۔ قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے پنشن قدیم اکیس مہینے سے بند۔ اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر ہے سوان کا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ نہ روپیہ دیتے ہیں نہ جواب نہ مہربانی کرتے ہیں نہ عتاب خیر اُس سے قطع نظر کی۔ اب سُنئے اودھ کی ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر عطیہ شاہی کا امیدوار ہوں۔ تقاضا کرتے ہوئے شرماؤں اگر گنہگار ہوں گنہگار ٹھہرتا۔ گولی یا پھانسی سے مرتا اس بات پر کہ میں بیگناہ ہوں۔ مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ میں جب کوئی کاغذ بھجوایا ہے بتقلم چیف سکرٹر بہادر اس کا جواب پایا ہے ایکی بار دو کتابیں بھیجیں۔ ایک پیش کش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے نہ اس کے قبول کی اطلاع نہ اس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت فرمائی ان کی بھی کوئی تحریر مجھ کو نہ آئی یہ سب ایک طرف۔ اب خبریں ہیں مختلف۔ کہتے ہیں کہ چیف سکرٹر بہادر لفٹنٹ گورنر ہوئے یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی جگہ کونسے صاحب عالیشان چیف سکرٹر ہوئے۔ مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ میں تشریف لے گئے یہ کوئی نہیں بتاتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سکرٹری کا کام کس کو دیگئے۔ آپکا حال کوئی نہیں کہتا کہ اب کہاں ہیں ہاں از روئے قیاس جانتا ہوں کہ آپ اسی منصب اور اسی دفتر میں شاد و شادمان ہیں۔ جناب لفٹنٹی کے سکرٹری ہوئے ہونگے اُن سے علاقہ رہتا ہو گا میور صاحب بہادر سے کاہے کو ملنا ہوتا ہو گا۔ لفٹنٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونوں محکمہ الہ آباد آ گئے یا آئینگے بہرحال آپ اب کیوں آگرہ کو جائینگے۔ نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی خبر میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ۲۰ جنوری کو گئے۔ کوئی کہتا ہے فروری میں کوچ فرمائینگے یہیں تو ادھر

بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہر طرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا مگر یہ چاہتا ہوں حقیقت واقعی پر کماحقہ اطلاع
حاصل ہو تاکہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو۔ اگر ان مطالب کا جواب نہ مجمل بلکہ مفصل نہ دیر بلکہ جلد مرحمت
کیجئے گا تو گویا مجھ کو مول لے لیجئے گا۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں ؎

ایضاً۔ جناب عالی۔ آج دوشنبہ ۳۔ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا ابر گھر رہا ہے
ترشح ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے۔ پینے کو کچھ میسر نہیں ناچار روٹی کھائی ہے ؎

افق ہا پر از ابر بہمن مہی　　سفالینہ جام من از مے تہی

غمزدہ و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔ سرنامہ کو دیکھ کر اس راہ سے کہ دستخط خاص
کا لکھا ہوا ہے بہت خوش ہوا۔ خط کو پڑھ کر اس رو سے کہ حصول مدعا کے ذکر پر حاوی نہ تھا افسردگی
حاصل ہوئی ؎

ما خانہ رسیدگان غربتیم　　پیغام خوش از دیار ما نیست

اس افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھنے لگا پہلے
تو یہ سُنئے کہ آپکے دوست کو آپکا خط پہنچ گیا مگر وہ دو بار مجھ کو لکھ چکا ہے کہ میں جواب اسکا نشان
مرقومہ لفافہ کے مطابق ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ جواب الجواب کا منتظر ہوں آپ جانتے ہیں کہ کمال
یاس مقتضی استغنا ہے پس اب اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی کہ بامید مرگ جیتا ہوں اس راہ سے
کچھ مستغنی ہوتا چلا ہوں دو ڈھائی برس کی زندگی اور ہے ہر طرح گذر جائیگی۔ جانتا ہوں کہ تم کو
ہنسی آئیگی کہ یہ کیا بکتا ہے۔ مرنے کا زمانہ کون بتا سکتا ہے چاہے الہام سمجھئے چاہے اوہام سمجھئے
بیس برس سے یہ قطعہ لکھ رکھا ہے قطعہ

من کہ باشم کہ جاوداں باشم　　چوں نظیری نماند و طالب مُرد
ور بگویند در کدامی سال　　مُرد غالب بگو کہ غالب مُرد

اب بارہ سو چھہتر ہیں اور غالب مُرد کی بارہ سو ستتر ہیں اس عرصہ میں جو کچھ مسرت پہنچتی ہو پہنچ لے
ورنہ پھر ہم کہاں ؟

ایضاً - پیرومرشد یہ خط ہے یا کرامت ہے۔ صاف صفائی ضمیر و کشف حجت کی علامت ہے مدعا
ضروری التحریر تھا اور اندیشہ نشان مسکن دامنگیر۔ اگر یہ خط کل نہ آجاتا تو آج خط کیونکر لکھا جاتا سبحان اللہ
جس دن یہاں مجھ کو وہ مطلب خطیر پیش آیا ہے اسی دن آپ نے وہاں لکھنے کو قلم اُٹھایا ہے آپ کو
عارف کامل کیونکر نہ لکھوں اور کیا کہوں ولی نہ کہوں۔ مدعا بیان کرتا ہوں مگر یہ گمان کرتا ہوں کہ
یہ خط پہونچنے نہ پائیگا کہ وہ راز سربستہ آپ پر کھل جائیگا یعنی یک شنبہ ۲۸ نومبر کو دو خط اور دو
پارسل ایک میں دستنبو کا ایک مجلد اور ایک میں تین معاً بسبیل ڈاک روانہ کرچکا ہوں۔ خطوں کا
چوتھے پانچویں دن پارسلوں کا چھٹے ساتویں دن پہنچنا خیال کرتا ہوں۔ پارسلوں کے عنوان پر
خطوں کی معیت رقم کی ہے اور خطوں کے سرنامہ پر پارسلوں کے ارسال کی اطلاع دی ہے۔ تین
کتاب والے پارسل اور ایک خط پر جناب چیف سکرٹر بہادر اول کا نام نامی ہے اور ایک کتاب
والے پارسل اور ایک خط پر جناب سکرٹر بہادر دوم کا اسم سامی ہے آج پانچواں دن ہے خط دونو
اگر پہنچ گئے ہوں تو کیا عجب ہے بلکہ سچ تو یوں ہے کہ اگر نہ پہنچے ہوں تو بڑا غضب ہے۔ اگلے عرائض
کے نہ پہنچنے میں کچھ شک نہیں۔ جواب امر آخری دفتر میں اس کا پتہ آجتک نہیں اب کارپردازان
ڈاک ڈاکو نہ بن جائیں اور میرے ان دونوں خطوں اور پارسلوں کو بہ احتیاط پہنچائیں۔ صرف
عنایت کی گنجائش تو آپ جب پائیں کہ وہ خط اور پارسل پہنچ جائینگے ابھی تو آپ سے مجھ کو ان کے
نہ پہنچنے کا سوال ہے کس واسطے کہ جب تک آپ مجھ کو اطلاع نہ دینگے ان کے پہنچنے کی بھی خبر
مجھ تک پہنچنی محال ہے بہرحال یہ نیازنامہ جس دن پہنچے اس کے دوسرے دن جواب لکھئے جیسا
میں نے جلد لکھا ویسا ہی آپ بھی بشتاب لکھئے آپکے عنایت نامہ میں کوئی امر ایسا نہ تھا کہ جس کا
جواب لکھا جائے یا اس باب میں کچھ اور عرض کیا جائے لوہارو کی روانگی کا خط آئیگا۔ لوہارو کو
بھیجدیا جائیگا۔ جناب منشی نواب جان صاحب اور جناب منشی اظہار حسین صاحب میں اور آپ میں
اگر ربط بے تکلف ہو تو ان دو صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام نیاز پہنچانے میں توقف نہ ہو ع
تم سلامت رہو قیامت تک ◆

ایضاً۔ مولانا بندگی۔ آج صبح کے وقت شوق دیدار میں بے اختیار نہ ریل نہ ڈاک۔ توسن ہمت پر سوار چلا آیا ہوں جانتا ہوں کہ تم تک پہنچ جاؤں گا مگر یہ نہیں جانتا کہ کہاں پہنچوں گا اور کب پہنچوں گا۔ اتنا بیخود ہوں کہ جب تک تم جواب نہ دو گے میں نہ جانوں گا کہ کہاں پہنچا اور کب پہنچا۔ آپکا پہلا خط رامپور سے دلی آیا میں راہ میں تھا۔ پھر دلی سے خط رامپور پہنچا میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلی روانہ ہوا۔ اب کئی دن ہوئے کہ میں نے ڈاک سے پایا اس حال میں کہ میں بیمار تھا۔ مہینہ جاڑے کی شدت مہاوٹ کا مہینہ دھوپ کا پتا نہیں پردے چھٹے ہوئے نشیمن تاریک۔ آج نیر اعظم کی صورت نظر آئی دھوپ میں بیٹھا ہوں خط لکھ رہا ہوں حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔ اس خط کے مضامین اندوہ فزا نے دل کو مضمحل کر دیا۔ جانتا تھا کہ خواجہ صاحب مغفور تمہارے ماموں ہیں۔ نگران کے اور تمہارے معاملات مہرو ولا جیسے کہ تمہاری تحریر سے اب معلوم ہوئے میرے دلنشین نہ تھے۔ ایسے محب کا فراق اور پھر بقید دوام کیونکر جانگزا نہ ہو۔ حق تعالیٰ ان کو بخشے اور تم کو صبر دے۔ حضرت میں بھی اب چراغ سحری ہوں رجب ۱۲۸۲ھ حال کی آٹھویں تاریخ سے اکہتّرواں سال شروع ہو گیا طاقت سلب حواس مفقود امراض مستولی بقول نظامی ع یکے مردہ شخصم بمردی روان ۔ آج میں اور بھی باتیں کرتا مگر میرا خاص تراش آ گیا۔ مہینہ بھر سے حجامت نہیں بنوائی۔ خط لپیٹ کر ڈاک میں بھیجتا ہوں اور خط بنواتا ہوں۔

ایضاً۔ قبلہ پیری و صد عیب ساتویں دہائی کے مہینے گن رہا ہوں۔ قولنج آگے دوری تھا۔ اب دائمی ہو گیا ہے۔ مہینہ بھر میں پانچ سات بار فضول مجتمعہ دفع ہو جاتے ہیں اور یہی منشاء حیات ہے۔ غذا کم ہوتے ہوتے اگر معدوم نہ کہو تو بمنزلہ مفقود کہو۔ پیری گرمی نے مار ڈالا۔ ایک حرارت غریبہ جگر میں پاتا ہوں جس کی شدت سے پھنکا جاتا ہوں۔ اگرچہ جرعہ جرعہ پیتا ہوں مگر صبح سے سوتے وقت تک نہیں جانتا کہ کتنا پانی پی جاتا ہوں۔ میرے ایک رشتہ کے بھتیجے نے بوستان خیال کا اُردو ترجمہ کیا ہے میں نے اس کا دیباچہ لکھا ہے۔ ایک دو ورقہ اس کا بصورت پارسل بلکہ بہیئت خط بھیجتا ہوں۔ آپکا مقصود دیباچہ ہے سو نقل کر لیجیے میرا مدعا اس دو ورقہ کے ارسال سے یہ

کہ اگر آپکے پسند آوے یا اور اشخاص خرید کرنا چاہیں تو چھ روپیہ قیمت اور محصول ذمہ خریدار ہے ؞

ایضاً۔ بندہ گناہگار شرمسار عرض کرتا ہے کہ پرسوں غازی آباد کا اُٹھا ہوا گیارہ بجے اپنے گھر پہونچا مثل
بلائے ناگہانی نازل ہوا ہوں ؎

باید کہ کنم ہزار نفرین بر خویش　　اما بہ زبان جادۂ راہ وطن

خواجہ صاحب کی رحلت کا اندوہ بقدر قرب و قرابت آپکو اور باندازہ مہر و محبت مجھکو وہ مغفور میرا قدردان
اور مجھ پر مہربان تھا۔ حق تعالیٰ اسکو اعلیٰ علیین میں بسبیل دوام قیام دے۔ رامپور ہی میں تھا کہ اود ھ اخبار
میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی کیا کہنا ہے ابداع اس کو کہتے ہیں۔ جدت طرز اس کا نام ہے جو ہنگ
تازہ نوایان ایران کے خیال میں نہ گذرا تھا وہ تم بروے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ اور میرے
اور دکھنی برہان قاطع کے جھگڑے میں سخنلاف اور فارسی والوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔ لو اب
اس خط کا جواب جلد بھیجو تا یہ طریقہ مسلسل ہو جائے ؞

ایضاً۔ قبلہ آپکا خط پہلا آیا اور میں اس کا جواب لکھنا بھول گیا کل دوسرا خط آیا مگر شام کو اسی وقت
پڑھ لیا آدمی لگے حوالہ کیا۔ اُسنے آج صبحدم مجھکو دیا۔ میں جواب لکھ رہا ہوں۔ بعد اختتام تحریر بیرنگ
کرکے ڈاک میں بھجوا دونگا۔ والی رامپور کو خدا سلامت رکھے۔ اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا روپیہ
موافق دستور قدیم آیا۔ جون ماہ آیندہ کا روپیہ خدا چاہے تو آجائے۔ جمعہ ۷ جولائی ہے معمول یہ ہے
کہ سوچیں بارھویں کو رئیس کا خط معہ ہنڈوی آیا کرتا ہے۔ میں نے قصیدہ تہنیت جلوس بھیجا اس کا
جواب آگیا اب میں نظم و نثر کا مسودہ نہیں رکھتا اول اس فن سے نفور ہے۔ دو ایک دوستوں کے
پاس اسکی نقل ہے اُن کو اُسوقت کہلا بھیجا ہے اگر آج وہ آ گیا۔ کل اور اگر کل آیا پرسوں بھیجدوں گا۔
بھائی امین الدین خان صاحب کے اصرار سے خسرو کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے علاؤ الدین خان نے
اس کی نقل ان کو بھیجی۔ میں دیوان پر نہیں چڑھاتا مسودہ پھینکتا ہوں۔ تقدیم و تاخیر ہندسوں کے
مطابق ملحوظ رہے۔ گرمی کی شدت سے حواس بجا نہیں۔ مجمع الامراض جسمانی و آلام روحانی ؞

ایضاً ؎ در نومیدی بسے امید ست　　پایان شب سیہ سپید است

قبلہ آج آپکی خوشی اور خوشنودی کیواسطے اپنی روداد لکھتا ہوں تو طیبہ سنہ ۱۸۶۱ء میں لارڈ صاحب
بہادر نے میرٹھ میں دربار کیا صاحب کمشنر بہادر دہلی کو ساتھ لیگئے۔ میں نے کہا میں بھی چلوں فرمایا کہ
نہیں جب لشکر میرٹھ سے دلی میں آیا موافق اپنے دستور کے روز ورود لشکر مخیم میں گیا۔ میر منشی
صاحب سے ملا۔ ان کے خیمہ میں سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ
تم غدر کے دنوں میں بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ میں
گدای مبرم اس حکم پر ممنوع نہ ہُوا جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے میں نے قصیدہ حسب معمول
قدیم بھیجدیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس مطلق ہو کر
بیٹھ رہا اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔ واقع اواخر ماہ گذشتہ یعنی فروری سنہ ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹنٹ
گورنر پنجاب دلی آئے اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے
اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا کسی سے نہ ملا۔ دربار ہُوا ہر ایک
کامگار ہُوا۔ شنبہ ۸ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمہ میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ
صاحب سکرٹر صاحب بہادر پاس بھیجا بلایا گیا۔ مہربان ہا کر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی وہ بھی
حاصل ہوئی وہ حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتیں دیکھیں جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں جملہ معترضہ
میر منشی لفٹنٹ گورنر سے سابقہ تعارف نہ تھا وہ بطریق حسن طلب میرے خواہاں ہوئے تو میں گیا
جب حکام بجز داستدعا مجھ سے بے تکلف ملے تو میں قیاس کرسکتا ہوں کہ میر منشی کی حسن طلب بایمائے
حکام ہوگی۔ وللہ حسن الطاف خفیہ۔ بقیہ روداد یہ ہے کہ دوشنبہ دوم مارچ کو سواد شہر مخیم خیام
گورنری ہُوا آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے
گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار و خلعت بدستور بحال و برقرار ہے متحیر انہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر حضرت
نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقہ کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے اور
باجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خان کا دربار اور نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے میں نے
پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہُوا فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ حکم

دفتر میں لکھوا کر ۱۴ دن یا ۱۵ دن بعد ادھر کو روانہ ہوئے ہیں میں نے کہا سبحان اللہ ؂

کارساز ما بفکر کار ما　　　فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۲۳ - مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے ہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے انبالہ جاؤ گے تو دربار اور خلعت پاؤ گے عرض کیا گیا حضور کے قدم دیکھے خلعت پایا لارڈ صاحب بہادر کا حکم سُن لیا نہال ہو گیا اب انبالہ کہاں جاؤں جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا ؂

کار دنیا کسے تمام نکرد　　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

ایضاً - حضور خدا کا شکر پھر آپکا شکر بجالاتا ہوں کہ آپنے خط لکھا اور میرا حال پوچھا یہ پرسش حکم نشتر کا رکھتی ہے اب رگ قلم کی خونابہ فشانی دیکھو - گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین لقیۃ السیف تھے ان کو حکم دیا اور دربار عام میں سوائے میرے کوئی نہ تھا - یا چند مہاجن مجھ کو حکم نہ پہنچا - جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا جب یہ سرزمین مخیم خیام گورنری ہوئی میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہنچا - مولوی اظہار حسین خانصاحب بہادر سے ملا - چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی جواب آیا کہ فرصت نہیں میں سمجھا کہ اسوقت فرصت نہیں دوسرے دن پھر گیا - میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو - اُس دن چلا آیا دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام کا لکھ کر ان کو بھیجا مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ہے امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو تا کہ میری صفائی اور بیگناہی ثابت ہو یہاں کے مقامات پر جواب نہ ہوا - اب ماہ گذشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات نہ کرینگے پس یہ مقدمہ طے ہوا دربار و خلعت موقوف پنشن مسدود - وجہ نامعلوم لاموجود الا اللہ ولا مؤثر فی الوجود الا اللہ ۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خان بہادر والی رامپور کہ میرے آشنائی قدیم ہیں اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے ناظم ان کو تخلص دیا گیا - بیس پچیس غزلیں اردو کی بھیجتے ہیں

اصلاح دیکر بھیجدیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری انگریزی پنشن کھلا ہوا انکے عطایا فتوح گنے جاتے تھے۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں تو زندگی کا مدار اُن کے عطیہ پر رہا بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ہوں تو میں آخر جنوری میں رامپور گیا چھ سات ہفتہ وہاں رہ کر دلی آیا یہاں آپکا خط محررۂ ۸۔ مارچ پایا جواب بھیجا جاتا ہے۔

ایضاً۔ قبلہ میں نہیں جانتا کہ ان روزوں میں بقول ہندی اختر شناسوں کے کونسی کھوٹی گرہ آئی ہوئی ہے کہ ہر طرف سے رنج و زحمت کا ہجوم ہے۔ مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات جب وہ دلی آئے تھے اور میر خیراتی کے گھر میں اُترے ہوئے تھے شرفا میں تعارف بنائے محبت اور مودت ہے۔ چہ جائے آنکہ معانقہ اور مکالمہ اور مشاعرہ واقع ہوا ہو۔ روز ملاقات سے اُس دن تک کہ حضرت دکن کو روانہ ہوں کوئی امر ایسا کہ باعث ناخوشی کا ہو درمیان نہیں آیا۔ اور میرے اس قول کی اس راہ سے کہ مولوی صاحب آپکے ہمنشین و ہمدم تھے۔ اور مجھ میں آپ میں پیوند ولائے روحانی متحقق ہے۔ آپ بھی گواہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ میں اُن میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے۔ اب سُنئے حال منشی حبیب اللہ کا میں نے اُن کو دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدرآباد سے آیا۔ اُس میں دو غزلیں خط کا مضمون یہ کہ میں مختار الملک کے دفتر میں نوکر ہوں آپکا تلمذ اختیار کرتا ہوں ان دونوں غزلوں کو اصلاح دیجئے اس امر کی فقط وہ بادی نہیں بریلی اور لکھنؤ اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات نظم و نثر فارسی اور ہندی بھیجتے رہتے ہیں میں خدمت بجالاتا ہوں اور وہ صاحب میرے حک و اصلاح کو مانتے ہیں۔ کلام کا حسن و قبح میری نظر میں رہتا ہے اور ہر ایک کا پایہ اور دستگاہ فن شعر میں معلوم ہو جاتا ہے عادات و عندیات عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں۔ آمدم بر سر مدعا منشی حبیب اللہ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دیکر بھیجتا رہا بعد وارد ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل اُن کی آئی اور اُنہوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید اکبرآبادی کی غزل پر یہ غزل لکھ کر بھیجتا ہوں۔ میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دیکر بھیجا اور یہ لکھا کہ

مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں۔ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی۔ اس میں سے توہین کے معنے مستنبط ہوں تو میں اُن کا مستوجب سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپکو کیا لکھا ؛

ایضاً۔ قبلہ میرا ایک شعر ہے

خود پیش خود کفیل گرفتاری من است　　　هر دم بپرسش دل چادوس میرسد

یہ معاملہ میرا اور آپکا ہے۔ خارج سے مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے۔ اور ایک مجلد اُس کا آپکو بھی بھیج دیا ہے۔ آپ اُس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا لیکن عجب آیا۔ ایک مولوی نجف علی صاحب ہیں۔ باوجود فضیلت علم عربی فارسی میں اُن کا نظیر نہیں۔ وہ جو ایک شخص مجہول الحال نے اہل دہلی میں سے میرے کلام کی تردید میں کتاب تصنیف کی ہے مسمی بہ محرق قاطع برہان۔ اُنھوں نے اُس کی توہین اور مسودہ کی تفضیح میں دو جزو کا ایک نسخہ مختصر لکھا ہے۔ اور ایک طالب علم مسمی بہ عبدالکریم نے سعادت علی مؤلف محرق قاطع سے سوالات کئے ہیں۔ اور ایک محضر اُسنے بفتوائے علمائے شہر مرتب کیا ہے۔ ایک میرے دوست نے بصرف زر اُس کو چھپوایا ہے ایک نسخہ اُس کا آج اُسی خط کے ساتھ بسبیل پارسل ارسال کیا ہے۔ اس شہر میں ایک میلہ ہوتا ہے۔ پھول والوں کا میلہ کہلاتا ہے۔ بھادوں کے مہینے میں ہوا کرتا ہے۔ امرائے شہر سے لیکر اہل حرفہ تک قطب جاتے ہیں۔ دو تین ہفتہ تک وہیں رہتے ہیں مسلمان و ہندو دونوں فرقے کی شہر میں دوکانیں بند پڑی رہتی ہیں۔ بھائی ضیاء الدین خان اور شہاب الدین خان اور میرے دونوں لڑکے سب قطب گئے ہوئے ہیں۔ اب دیوان خانہ میں ایک میں ہوں اور ایک داروغہ اور ایک بیمار خدمتگار۔ بھائی صاحب وہاں سے آئینگے تو مقرر آپکو خط لکھیں گے۔ بڑے پہاڑ سے اُترے چھوٹے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ عدم تحریر کی وجہ یہ ہے:۔

ایضاً۔ قبلہ حاجات قطعہ میں جو حضرت نے الہام درج کیا ہے وہ تو ایک لطیفہ بسبیل دعا ہے۔ مگر ہاں یہ کشف یقینی ہے اور مخدوم کی روشن دلی اور دوربینی ہے کہ جو سوالات میں نے ۳۰ جنوری کو کئے

اُن کے جواب تم نے ۲۷ جنوری لکھ کر بھیج دیئے کیوں نہ کہوں روشن ضمیر ہو۔ اگرچہ جوان ہو مگر میرے
پیر ہو۔ خلاصہ تقریر یہ کہ ۳۰ جنوری کو آخر روز میں نے ڈاک میں خط بھجوایا۔ اور ۳۱ کو ڈاک کا ہرکارہ دن
چڑھے تمہارا خط لایا۔ سوالات میں ایک سوال کا جواب باقی رہا ہے۔ یعنی جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر کی
جگہ چیف سکرٹر گورنمنٹ کلکتہ کون ہوا۔ یہ دل میں پیچ و تاب باقی رہا۔ کتاب کے باب میں جو کچھ لکھا ہے
واقعی یہ کہ درست اور بجا ہے۔ جو کچھ واقع ہوا اُس کو مفید مطلب فرض کروں لیکن اگر اجازت پاؤں تو اسی
باب میں یہ عرض کروں کہ پیشگاہ گورنمنٹ میں بتوسط چیف سکرٹر بہادر سابق اور لفٹننٹ گورنر بہادر حال
دو مجلد پیش کئے ہیں۔ ایک نذر گورنمنٹ اور دوسری کے واسطے یہ سوال کہ میری عزت بڑھائی جائے
اور یہ مجلد حضور حضرت شاہنشاہی میں بھجوائی جائے۔ اچھا نذر گورنمنٹ میں تو مولوی اظہار حسین صاحب کا
وہ اظہار ہے۔ نذر سلطانی کے ارسال و عدم ارسال میں کیا دار و مدار ہے۔ دو نسخے جو اُن دونوں صاحبوں کے
پیشکش مقرر ہوئے اُن میں سے ایک صدر بورڈ کے حاکم اور لفٹننٹ گورنر ہوئے رد و قبول۔ نفرین و
آفرین کچھ بھی نہیں قیاسا جو چاہوں سو کروں یقین کچھ بھی نہیں "

۱۷ اردسمبر ۱۸۵۵ء کا لکھا ہوا حکم وزیر اعظم کا ولایت کی ڈاک میں مجھ کو آیا ہے کہ قصیدہ کے صلہ اور جائزہ کے
واسطے کہ جو بتوسط لارڈ والن برا سائل نے بھجوایا ہے۔ خطاب اور خلعت اور پنشن کی تجویز ضرور ہے۔ جو حکم
صادر ہوگا سائل کو بتوسط گورنمنٹ اُس کی اطلاع دینی ضرور ہے۔ یہ حکم مورخہ ۱۷ اردسمبر ۱۸۵۶ء آخر جنوری
۱۸۵۷ء میں مجھے پایا۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل خوشی اور توقع میں گذرے مئی ۱۸۵۷ء میں فلک نے
یہ فتنہ اُٹھایا اب اس کتاب اور دوسرے قصیدے کی جا بجا نذر کرنے کا یہ سبب ہے کہ سائل محکمہ
ولایت کو یاد دہی کرتا ہے اور گورنمنٹ سے تحسین طلب ہے جب یہاں سے نوید تحسین نہیں تو ولایت کو نذر
کے ارسال کا بھی یقین نہیں تحسین اور آفرین سے گذرا نذر کے ولایت جانے کا یقین کیونکر حاصل ہو۔
جہاں یہ تفرقہ اور بے اتفاقی اور یہ دشواری اور یہ مشکل ہو۔ جی میں آتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر اور
نواب لفٹننٹ گورنر بہادر اور حاکم صدر بورڈ کو ایک عریضہ جدا جدا لکھوں۔ پھر یہ سوچتا ہوں کہ انگریزی
لکھواؤں فارسی لکھوں اور دونوں صورتوں میں کیا لکھوں۔ کل کا بھیجا ہوا خط اور یہ آج کا خط

یقین ہے کہ دونوں معاً ایک وقت میں پہونچیں وہ تو جواب طلب نہیں اس کا جواب لکھئے اور بہت شتاب لکھئے ؎

ایضاً۔ میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے یوں سنا مجھے باور نہ آیا یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا جھگڑا استعجاب پر ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپکا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیا کا یہ حال ہے۔ وائے بر حال ہم اشقیا کے یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ میں دنیاداری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شیاد و کیاد۔ ستر برس کی عمر ہے بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گذرے ہونگے۔ زمرہ خواص میں سے عوام کا شمار نہیں وہ مخلص صادق الولاد یکھے۔ ایک مولوی سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ۔ دوسرا منشی غلام غوث سلمہ اللہ تعالیٰ لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا۔ اور خلوص اخلاص اس کا خاص میرے ساتھ تھا۔ اللہ اللہ دوسرا دوست خیر خواہ خلق حسن و جمال چشم بد دور کمال مہر و وفا صدق و صفا نور علیٰ نور۔ میں آدمی ہوں آدم شناس ہوں ؎

نگہم نقب ہمیزد بہ نہان خانۂ دل مژدہ باد اہل ریارا کہ ز میدان رفتم

غایت مہر و محبت جس کے ملکہ کا تم کو مالک سمجھا ہوں وہ بہ نسبت اپنے اسقدر یقین کرتا ہوں کہ پہلے دو آدمیوں کو اپنے بعد اپنا ماتم دار سمجھا ہوا تھا۔ ایک کو تو میں رو لیا۔ اب اللہ آمین کا ایک دوست رہ گیا۔ دعائیں مانگتا ہوں کہ خدایا اس کا داغ نہ مجھے دکھائیو۔ اس کے سامنے مروں میاں میں تمہارا عاشق صادق ہوں بھائی ابھی قطب سے نہیں آئے۔ دافع ہذیان کے دو مجلد اور بھیج دوں گا ؎

بنام نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب بہادر

جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان کے دینے میں تامل کیوں ہے۔ روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا بغیر اس کے دیکھے آپکو کھانا ہضم نہ ہوتا ہو یہ بھی نہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں دیتے۔ ایک جلد ہزار جلد بن جائے میرا

کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہلِ عالم دیکھیں تمہارے بھائی کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گذرے۔ اتنے فواید کیا تھوڑے ہیں۔ رہا کتاب کے تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے کتاب کیوں تلف ہوگی۔ احیاناً اگر ایسا ہوا اور دلّی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بسبیل ڈاک رام پور جاؤں گا۔ اور نواب فخرالدین خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔ اگر یہ کہتے ہو کہ اب وہاں سے لیکر بھیج دو۔ وہ نہ بھیجینگے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے۔ ہاں یہ لکھوں کہ نواب ضیاءالدین خان صاحب نہیں دیتے تو کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب تمہارے بھائی اور تمہارے قریب ہو کر نہیں دیتے تو میں اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تفصیل سے لکھ کر بھیجدو وہ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں۔ اگر دیں تو میرے کس کام کا پہلے تو ناتمام پھر ناقص بعض بعض قصائد اس میں سے اور کے نام کر دیئے گئے ہیں اور اس میں اُسی طرح سابق کے نام پر ہیں شہاب الدین خان کا دیوان جو یوسف مرزا لیگیا ہے اس میں یہ دونوں قباحتیں موجود تیسری یہ کہ سراسر غلط ہر شعر غلط ہر مصرعہ غلط یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائیگا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں ہاں احتمال نقصان وہ بھی از روئے وہم سو وہم اس صورت میں مَیں تلافی کا کفیل جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں بہرحال راضی ہو جاؤ۔ اور مجھ کو لکھو تو میں طالب کو اطلاع دوں اور طلب اُس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیجدوں رحم و کرم کا طالب۔ غالب ؏

بنام مرزا شہاب الدین احمد خانصاحب

بھائی تمہارا خط حکیم محمود خان صاحب کے آدمی کے ہاتھ پہنچا خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ انصاف کرو کتاب کوئی سی ہو اُس کا پتہ کیونکر لگے۔ لوٹ کا مال چوری چوری کتنے کبھیڑیوں میں بک گیا۔ اور اگر سڑک پر بھی بکا تو میں کہاں جو دیکھوں۔ صبر کرو اور چُپکے ہو رہو ؎

بر دل نفس اندہ گیتی بسر آید   گیرم پدر گیتی ہمہ یکسر بسر آمد

آدمی تو آتے جاتے رہتے ہیں خدا کرے یہاں کا حال سُن لیا کرتے ہو۔ اگر جیتے رہے اور ملنا نصیب

ہوا تو کہا جائیگا ورنہ قصہ مختصر تمام ہوا (قصہ) لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں اور وہ بھی کونسی خوشی کی بات ہے جو لکھوں
اپنے گھر میں اور اپنے بچوں کو میری اور میرے گھر کی طرف سے دعا کہدینا۔ اور تم کو بھی تمہاری اُستانی
دعا کہتی ہیں زیادہ زیادہ از غالب دوشنبہ ۸ فروری ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی شہاب الدین خان واسطے خدا کے تم نے اور حکیم غلام نجف خان نے میرے دیوان کا
کیا حال کر دیا ہے۔ یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دیئے ہیں دیوان
تو چھاپے کا ہے متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں ہیں بالفرض
اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو یوں سمجھنا کہ کسی ملعون زن جلب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات
لکھ دیئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مقصد کے یہ شعر ہیں اُس کے باپ پر اور دادا پر لعنت اور وہ ہفتاد
پُشت تک ولد الحرام اس کے سوا اور کیا لکھوں۔ ایک تو لڑکے میاں غلام نجف۔ دوسرے تم میری
کمبختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔ بعد ان سطروں کے لکھنے کے تمہارا خط پہنچا یہ
دوسرا حادثہ مجھ کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا قضا و قدر کے امور میں دم مارنے کی گنجایش نہیں ہے
کہیں جاگیر پر جلد جانے کی اجازت ہو جائے تاکہ سب یکجا باہم آرام سے رہو۔ اپنے کاتب کو کہہ دینا کہ
یہ خرافات متن میں نہ لکھے۔ اگر لکھ دیئے ہوں تو وہ ورق نکلوا ڈالنا۔ اور ورق اُس کے بدلے
لکھوا کر لگا دینا مناسب تو یوں ہے کہ تم کسی آدمی کے ہاتھ وہ دیوان جو تمہارے کاتب نے نقل کیا ہے
میرے پاس بھیجدو تاکہ میں اُس کو ایک نظر دیکھ کر پھر تم کو بھیج دوں زیادہ زیادہ۔ آج میرے پاس
ٹکٹ ہے نہ دام معاف رکھنا والسلام

ایضاً۔ بھائی تمہارا خط پہنچا کوئی مطلب جواب طلب نہیں تھا کہ میں اُس کا جواب لکھتا پھر سوچا کہ مبادا
تم آزردہ ہو اسواسطے آج یہ رقعہ تم کو لکھتا ہوں۔ میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ اب جو خط تمہیں لکھوں اُسکے
آغاز میں یہ لکھوں کہ مبارک ہو۔ تمہارے اب و عم مع الخیر اپنی جاگیر کو روانہ ہو گئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ
اگلے جو خط تم کو لکھوں گا اُس کا مضمون یہی ہو گا خاطر جمع رکھنا۔ اور اگر میرا خط دو چار دن نہ پہنچے تو مجھ کو
اُسی مضمون کے ظہور کا منتظر سمجھنا اور گلہ نہ کرنا اور ہاں صاحب تم جو خط لکھتے ہو تو اُس پر احمد سعید خان کا

کچھ ذکر نہیں لکھتے لازم ہے کہ اُس کی خیر و عافیت اور اُس کی بہن کی خیر و عافیت لکھتے رہا کرو۔ یہاں تمہاری پھوپھی اور تمہارے دونوں بھتیجے اچھی طرح ہیں۔ والدعا۔ از غالب یکشنبہ ۱۲۔ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں مرزا شہاب الدین خاں اچھی طرح رہو۔ غازی آباد کا حال شمشاد علی سے سُنا ہوگا۔ ہفتے کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے راہی ہُوا قصد یہ تھا کہ پلکھوے رہوں وہاں قافلے کی گنجایش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہُوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیئے چار گھڑی دن رہے میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہونچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔ میں نے چھٹانک بھر گھی واغ کیا۔ دو شامی کباب اُس میں ڈالدیئے رات ہوگئی تھی شراب پی لی کباب کھائے۔ لڑکوں نے ارہر کی کھچڑی پکوائی خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوایا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ بارے آجتک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے۔ آپس کی صلاح و مشورت سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زاید ہے کہ حسین علی منزل پہ اُتر کر پاپڑ اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتا ہے۔ دونوں بھائی مل کر کھا لیتے ہیں آج میں نے تمہارے والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے پانچ کے عمل میں ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابوگڈھ کی سرائے میں آپہنچا چارپائی بچھائی اُس پر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑے کوتل آگئے۔ دونوں لڑکے رتھ میں سوار آتے ہیں۔ اب وہ آئے اور کھانا کھالیا اور چلے۔ تم اپنی اُستانی کے پاس جا کر یہ رقعہ سراسر پڑھ کر سُنا دینا۔ شمشاد کو کتاب کے مقابلے اور تصحیح کی تاکید کر دینا۔

ایضاً۔ میاں وہ قاضی تو مسخرہ چوتیا ہے اُن کا خط دیکھ لیا۔ خیر ہاں علاؤالدین خاں کا خط گھنٹہ بھر بھانڈ کے طائفہ کا تماشہ ہے۔ اب تم کہو اُستاد میر جان کو کیونکر بھیجے گے اُن کو کہاں پاؤ گے اور علاؤالدین خاں نے حسب الحکم تمہارے چچا کے لکھا ہے۔ لوہارو کی سواریاں آئی ہوئی شاید کل یا پرسوں جائیں اس کی فکر آج کرو۔ امین الدین خاں بیچارہ اکیلا گھبراتا ہوگا۔ چکیدن دہیم۔ رسیدن دہیم یہ غزل علاؤالدین کو بھیج چکا ہوں۔ تم علاؤالدین خاں کو لکھو کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ مصرع ع ہر دم آزردگی غیر سبب راچہ علاج

علاج ،، اس غزل کو حافظ کی غزل سمجھتے ہو۔ واہ واہ غیر سبب یہ کہاں کی بولی ہے مصرع ع از خواندن
قرآن تو قاری چہ فایدہ ،، عیاذاً باللہ امیر خسرو قرآن کو کہ بسکون رائے قرشت و الف ممدودہ ہے۔
قرآن بروزن پُران لکھیں گے یہ دونوں غزلیں دو گدھوں کی ہیں۔ شاید ایک نے مقطع میں حافظ
اور ایک نے مقطع میں خسرو لکھ دیا ہو ،،

ایضاً۔ نور چشم شہاب الدین خان کو دعا کے بعد معلوم ہو یہ جو رقعہ لیکر پہونچتے ہیں ان کا نام حسن علی ہے
اور یہ سید ہیں۔ دوا سازی میں یگانہ۔ رکاب داری میں یکتا۔ جان محمد خان کا باپ ملازم سرکار شاہی تھا
اب ان کا چچا میر فتح علی پندرہ روپیہ مہینے کا الور میں نوکر ہے بہر حال ان سے کہا گیا کہ پانچ روپیہ
مہینہ ملیگا اور لوہارو جانا ہوگا۔ انکار کیا کہ پانچ روپیہ میں مَیں کیا کھاؤں گا۔ یہاں زن و فرزند کو کیا بھجواؤنگا
جواب دیا گیا کہ سرکار بڑی ہے اگر کام تمہارا پسند آئیگا تو اضافہ ہوجائیگا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خیر توقع پر یہ
قلیل مشاہرہ قبول کرتا ہوں مگر دونوں وقت روٹی سرکار سے پاؤں بغیر اس کے کسی طرح نہیں جاسکتا
سنو میاں حق بجانب اس غریب کے ہے روٹی بغیر بات نہیں بنتی یقین ہے تم رپورٹ کروگے تو اس
امر کی منظوری کا حکم آجائیگا یہ قصہ فیصل ہوا۔ اب یہ کہتا ہے کہ دو ماہ مجھے پیشگی دو تاکہ کچھ کپڑا لتّا بناؤں
اور کچھ گھر میں دے جاؤں راہ میں روٹی اور سواری سرکار سے پاؤں تو یہاں بھی حق بجانب سائل
کے جانتا ہوں۔ مگر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنی رائے اس باب میں لکھ نہیں سکتا۔ خیر تم بھی میرا رقعہ اپنے
نام کا علائی مولائی کو بھیجدو۔ غالب سہ شنبہ ۴ ستمبر ۱۸۶۱ء ،،

ایضاً۔ تمہارے بھائی کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ کلیات اُردو جو تم نے خریدے ہیں ایک اُن میں
سے چاہو اپنے چچا کی نذر کرو چاہو بھائی کو تحفہ بھیجو۔ میں نے اسوقت اُن کے نام کا خط لوہارو کو روانہ کیا
ہے بعد ارسال خط مولوی سدید الدین خان صاحب میرے ہاں آئے۔ اثنائے حرف و حکایت میں
مینے شاہین کی حقیقت پوچھی جواب دیا کہ ہاں عربی میں ایک باجے کا نام شاہین ہے۔ صورت اُسکی پوچھی
گئی کہا مجھے معلوم نہیں صراح میں میں نے دیکھا ہے فقط تم جو مولانا علائی کو خط لکھو یہ رقعہ ملفوف
کردو۔ غالب ،،

رباعی

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلو کو دے کے بے جے جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

ایضاً

اے روشنیٔ دیدۂ شہاب الدین خان کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن

بنام نواب انوارالدولہ سعدالدین خانصاحب شفق

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

خداوند نعمت آج دوشنبہ ۱۸۔ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہے۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں عطوفت نامہ پہنچا۔ اُدھر پڑھا۔ اِدھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں۔ کل شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک میں بھجوا دونگا۔ سال گذشتہ مجھ پر بہت سخت گذرا ۱۲۔۱۳ مہینے صاحب فراش رہا۔ اُٹھنا دشوار تھا۔ چلنا پھرنا کیسا۔ نہ تپ نہ کھانسی نہ اسہال نہ فالج نہ لقوہ ان سب سے بدتر ایک صورت پُر کدورت یعنی احتراق کا مرض مختصر یہ کہ سر سے پانؤں تک بارہ پھوڑے ہر پھوڑہ ایک زخم۔ ایک غار ہر روز بے مبالغہ بارہ تیرہ پھاہے اور پاؤ بھر مرہم درکار۔ نو دس مہینے بے خور و خواب رہا ہوں۔ اور شب و روز بیتاب راتیں یوں گذریں ہیں کہ اگر کبھی آنکھ لگ گئی دو گھڑی غافل رہا ہوں گا کہ ایک آدھ پھوڑے میں ٹیس اُٹھی جاگ اُٹھا۔ تڑپا کیا۔ پھر سو گیا۔ پھر ہوشیار ہو گیا۔ سال بھر میں سے تین حصے دن یوں گذرے۔ پھر تخفیف ہونے لگی۔ دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا نئے سر سے روح قالب میں آئی۔ اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی اب اگرچہ تندرست ہوں لیکن ناتوان و سُست ہوں۔ حواس کھو بیٹھا۔ حافظہ کو رو بیٹھا اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اُٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں ایک قد آدم دیوار اُٹھے۔ آپکی پرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک

میرا مرنا نہ سُنا میری خبر نہ لی ۔ میری مرگ کے مخبر کی تقریر اور شمّا میری یہ تحریر آدھی سچ اور آدھی جھوٹ
درصورت مرگ نیم مردہ اور در حالت حیات نیم زندہ ہوں ؎

درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن   اینکہ من نمے میرم ہم ز ناتوانیہاست

اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم مولوی غلام غوث خان صاحب بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری غرب و شمال کے پاس بھیجدیجئے گا تو اُن کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجئے گا ۔

ایضاً ۔ پیر و مرشد حضور کا توقیع خاص اور آپکا نوازشنامہ ۔ یہ دونوں حرز بازو ایک دن اور ایک وقت پہنچے ۔ توقیع کا جواب دو چار دن میں لکھوں گا ۔ ناسازی مزاج مبارک موجب تشویش و ملال ہوئی اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہُوا کہ مرض باقی نہیں مگر ضعف باقی ہے لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں ۔ معہ۳۷ کی ہنڈوی پہنچی ۔ اس کا بھی حال سابق کی ہی ہنڈوی کا سا ہے یعنی ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کالپی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی جو ہم روپیہ دیں اگر سرکار کے کارپرداز وہانکے ساہوکار سے کہکر اجازت لکھوا بھیجیں تو مناسب ہے ۔ صہبائی کے تذکرہ کی ایک جلد میری ملک میں سے میرے پاس تھی وہ میں اپنی طرف سے بسبیل ارمغان آپکو بھیجتا ہوں نذر قبول ہو ۔ اب میں حضرت سے باتیں کر چکا ۔ خط کو سرنامہ کر کے کہار کو دیتا ہوں کہ ڈاک میں دے آوے ۔ بارہ پردونجے کتاب کا پارسل بطریق بیرنگ روانہ کروں گا پیشگاہ وزارت میں میری بندگی پہونچے ۔ عرضداشت بعد اس کے پہونچیگی جناب میر صاحب قبلہ میر امجد علی صاحب کو سلام نیاز اور جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو سلام ۔

ایضاً ۔ پیر و مُرشد اگر میں نے اُمیدگاہ بکاف عربی از راہ شکوہ لکھا تو کیا گناہ کیا نہ خط کا جواب نہ قصیدہ کی رسید ؎

دریں خستگی پوزش از من مجوئے   بود بندۂ خستہ گستاخ گوئے

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ان موانع کے سبب سے میں قصیدہ کی تحسین نہیں لکھ سکا بندہ بے ادب نہیں تحسین طلب نہیں ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ کے کوئی سخندان نہیں ۔ میں جو

اپنا کلام آپکے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں ؎ وائے بر جان سخن گر بہ سخندان
نہ رسد۔ افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار آپکی نظر میں نہیں ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے
دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔ نواب صاحب اب نہ
دل میں وہ طاقت نہ قلم میں وہ زور سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے بے تامل اور بے فکر جو خیال میں
آجائے وہ لکھ لوں ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہو سکتا بقول مرزا عبدالقادر بیدل ؎

جہد ہا در خور توانائی ست ۔۔۔ ضعف یکسر فراغ مے خواہد

مُہر کا حال معلوم ہُوا پہلے آپ لکھ بھیجئے کہ کیا کھودا جائیگا۔ مہدی حسن خان۔ مہدی حسین خان بہادر
لکھ رہا ہوں صرف یاد پر لکھ رہا ہوں ورنہ خط اُلٹکوں نے کھود یا یاد پڑتا ہے کہ نگینہ وہاں سے بھیجنے
کو آپنے لکھا ہے سو اب میں مکرر خواہاں ہوں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگینہ بھیجئےگا یا یہاں خرید ا جائیگا۔
اور نقش نگین کیا ہوگا تا کہ شمار حروف کا مجھ کو معلوم رہے اب جب آپ مجھ کو لکھیں گے تب میں
اس کا جواب لکھوں گا۔ حافظ صاحب کا پہنچنا تقریباً معلوم ہُوا یعنی اُن کی طرف سے آپنے مجھ کو
سلام لکھا ہے۔ سو میں بھی اُن کی خدمت میں بندگی اور جناب منشی نادر حسین خان صاحب کی جناب
میں سلام عرض کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب ؛

ایضاً ۔ قبلہ حاجات قصیدہ دوبارہ پہونچا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی ناچار اُس کو ایک اور ورقہ
پر لکھوایا اور حضور میں گذرانا اور تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس
ہو گئے۔ احترام الدولہ بہادر میرے ہم زبان اور آپکے ثناخوان رہے گویا اس امر خاص میں وہ شریک
غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرہ اضافی و ہم بطریق کسرۂ توصیفی پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے
کہ قدر دان کمال بلکہ حق تو یُوں ہے کہ خیر محض ہے غیاث اللغات ایک نام موقر و معزز جیسے الفرہ
خواہ مخواہ مرد آدمی آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے ایک معلم فرومایہ رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے
ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام انشاء خلیفہ و منشیات مادھو رام کا پڑھانیوالا چنانچہ دیباچہ
میں اپنا ماخذ بھی اسنے خلیفہ شاہ محمد و مادھو رام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے یہ لوگ رہ سخن کے

غول ہیں آدمی کے گمراہ کرنے والے یہ فارسی کو کیا جانیں۔ ہاں طبع موزون رکھتے تھے شعر کہتے تھے ؏

ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار ‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اے کہ در راہ سخن چو تو ہزار آمد و رفت

میرا دل جانتا ہے کہ آپکے دیکھنے کا میں کس قدر آرزومند ہوں۔ میرا ایک بھائی ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا اور مسند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میرے اپنی ممانی اور اُس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہُوا تھا میرے باندا بوندیل کھنڈ آنے کا میں نے سب سامان سفر کر لیا۔ ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دیدیا قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤنگا وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جاکر ہفتہ بھر رہ کر کالپی ہوتا ہُوا آپکے قدم دیکھتا ہُوا بسبیل ڈاک دلی چلا آؤنگا ناگاہ حضور والا بیمار ہو گئے۔ اور مرض نے طول کھینچا وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا۔ اور پھر مرزا اورنگ خان میرا بھائی مر گیا مصرع ؏ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا مگر میں نتیجہ اس شکل کا آپکے دیدار کو سمجھا ہوا تھا۔ ہرزہ سرائی کا جرم معاف کیجئے گا میرا جی آپکے ساتھ باتیں کرنے کو چاہا۔ اسواسطے جو دل میں تھا وہ اس عبارت سے زبان پر لایا۔

ایضاً۔ پیر و مرشد۔ کورنش۔ مزاج اقدس۔ الحمدللہ تو اچھا ہے حضرت دعا کرتا ہوں۔ پرسوں آپکا خط مع سارٹیفکٹ کے پہونچا۔ آپکو مبداء فیاض سے اشرف الوکلاء خطاب ملا محبتانہ ایک لطیفہ نشاط انگیز سُنئے۔ ڈاک کا ہرکارہ جو بلیماروں کے خطوط پہنچاتا ہے ان دنوں میں ایک بینا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلاں نام تھ۔ ڈھمک داس ہے۔ میں بالاخانہ پر رہتا ہوں حویلی میں آکر اُسنے داروغہ کو خط دیکر مجھ سے کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپکو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا۔ اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا حیران کہ یہ کیا کہتا ہے۔ بنظر و غور سے دیکھا کہیں قبل از اسم مخدوم نیاز کیشان لکھا تھا۔ اُس قرم مساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے کیشان کو کپتان پڑھا۔ بھائی ضیاءالدین خانصاحب شملہ گئے ہوئے ہیں۔ شاید ماہ حال یعنی جولائی۔ یا اوّل ماہ آئندہ یعنی اگست میں یہاں آجائیں آپکو نوید تخفیف تصدیع دیتا ہوں۔ آپ

نواب صاحب سے کتاب کیوں مانگیں اور زحمت کیوں اُٹھائیں جبقدر کہ علم اُن کو اس خاندان مجدت نشان کے حال پر حاصل ہوگیا ہے کافی ہے۔ مولانا قلق کے نام کی عرضی اُن کو پہنچا دیجئے گا اور جناب نادر حسین خانصاحب کو میرا سلام فرما دیجئے گا۔

ایضاً۔ پیر و مرشد شب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط برودت سے گرمی پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہے ہوا ٹھنڈی بے گرمی چل رہی ہے۔ ابر تنک محیط ہے۔ آفتاب نکلا ہے پر نظر نہیں آتا ہے میں عالم تصور میں آپکو مسند عز و جاہ پر جا نشین۔ اور منشی نادر حسین خان صاحب کو آپکا جلیس مشاہدہ کر کے آپکی جناب میں کورنش بجا لاتا ہوں اور منشی صاحب کو سلام کرتا ہوں۔ کافر نعمت ہو جاؤں اگر یہ مدایح بجا نہ لاؤں حضرت نے اور منشی صاحب نے میری خاطر سے کیا زحمت اٹھائی ہے۔ بھائی صاحب بہت خوشنود ہوئے۔ منت پذیری میں میرے شریک غالب ہیں فی الحال بتوسط میرے سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔ اغلب ہے کہ نامہ جداگانہ بھی ارسال کریں۔ حضرت آپ غالب کی شرارتیں دیکھتے ہیں سب کچھ کہے جاتا ہے اور اُس اصل کا کہ جس پر یہ مراتب متفرع ہوں ذکر نہیں کرتا۔ فقیر کو یہ طرز پسند نہ آئی مطلب اصلی کو مقدر چھوڑ جانا کیا شیوہ ہے۔ یوں لکھنا تھا کہ آپکا عنایت نامہ اُس کے ساتھ نسب نامہ خاندان مجد و علا کا پارسل پہنچا میں ممنون ہوا۔ نواب ضیاء الدین خان بہادر بہت ممنون و شاکر ہوئے۔ جناب عالی میں تو غالب ہر زہ سرا کا معتقد نہ رہا۔ آپنے اُس کو مصاحب بنا رکھا ہے۔ اس سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ قبلہ و کعبہ جناب مولانا قلق میں حضرت شفق نے جو غالب کی شکایت کی تھی وہ مقبول نہ ہوئی۔ اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان اور مددگار بنا کر پھر کہتے ہیں آپکی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا جبتک سید صاحب کا خوشنودی نامہ نہ بھیجوائیگا اس سارٹیفکیٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود ہیں۔ والسلام۔

ایضاً۔ پیر و مرشد میں آپکا بندہ فرمانبردار۔ اور آپکا حکم بطیب خاطر بجا لاتا ہوں مگر سمجھ تو لوں کہ کیا لکھوں وہ مکتوب کہاں بھیجوں۔ آپکے پاس بھیجدوں یا انہیں منشی صاحب کے پاس بھیجدوں اور نسیم الدین ظہیر الدین کو منشی میر شیخ خواجہ کیا کر کے لکھوں دو حاکم کی رائے کے شمول کا قیدی اور

اُس زمانہ میں سینکڑوں جزیرہ نشین رہائی پاکر اپنے اپنے گھر آگئے باایں ہمہ منشی کو کیا اختیار ہے کہ وہ چھوڑ دے۔ یہ آپکی تحریر سے نہیں معلوم ہوتا کہ اب سعی منحصر اس میں ہے کہ قیدی دریائے شور کو نہ جاوے اور یہیں محبوس رہے یا یہ منظور ہے کہ جزیرہ کو بھی نہ جاوے اور یہاں کے قید سے بھی رہائی پائے۔ خواہش کیا ہے اور کار پرداز سے کس طرح کی اعانت چاہوں۔ پہلے تو یہ سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ پھر جو کچھ لکھوں اُس کو کہاں بھیجوں۔ طریق یہ ہے کہ میاں امیرالدین وہ نگارش لیکر منشی صاحب کے پاس جائیں۔ اور بذریعہ اُس خط کے روشناس ہوں۔ میں کیا جانوں کہ امیرالدین کا مسکن کہاں ہے منشی صاحب کو خط بھیجدوں۔ اُن کے نزدیک احمق بنوں کہ کس امر موہوم مجہول میں مجھ کو لکھا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھکر تفحص کریں کہ امیرالدین کون ہے اور کہاں ہے اور کیا جانتا ہے بہرحال اس خط کے ساتھ ایک اور لفافہ آپکے نام کا روانہ کرتا ہوں۔ اُس میں صرف ایک خط موسومہ منشی صاحب ہے۔ کھلا ہوا اُس کو پڑھکر میاں امیرالدین کے پاس بھیج دیجئے گا۔ مگر کوند لگاکر۔ اور اگر یہ منظور نہ ہو تو میری طرف سے منشی صاحب کے نام کے خط کا مسودہ لکھکر میرے پاس بھیجئے کہ اُس مسودہ کو صاف کرکے کہاں بھیجوں ؎

ایضاً۔ خداوند نعمت۔ شرف افزا نامہ پہونچا۔ شاہ اسرارالحق کے نام کا مکتوب اُن کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جناب شاہ صاحب سالک، مجذوب یا مجذوب سالک ہیں اگر جواب بھجوادینگے تو جناب میں ارسال کیا جائیگا قصیدہ کو بارہا دیکھا اور غور کی جس طرح پر ہے اُس میں گنجایش اصلاح کی نہ پائی یعنی لفظ کی جگہ لفظ مرادف بالمعنی لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے ورنہ کوئی لفظ بےمحل اور بےموقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی ٹکسال سے باہر نہیں۔ مگر ہاں طرز گفتار کا بدلنا اُس کے واسطے چاہیئے۔ دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور لکھنا اور دہ تکلف بار دہے۔ بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہ ہو۔ پس شرم کم خدمتی سے دل ریش اور فرط خجلت سے سر در پیش ہوکر قصیدہ کو اس لفافہ میں بھیجتا ہوں۔ خدا کرے مورد عتاب نہ ہوں۔ غالب کی کیا کیا آفت آسمانی امراض جسمی بلائے جانی انواع واقسام کے اورام وبثور شایع چارہ ناسود مند وسعی ضایع یہ نہیں

جانتا کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پہر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلّی آئی تھی یا خود قہر الٰہی کا پے بہ پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی ممتاز ہے ورنہ سرتاسر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جناب میر امجد علی صاحب کو بندگی۔ جناب منشی نادر حسین خان صاحب کو سلام ؞

ایضاً۔ پیر و مرشد ۱۲ بجے تھے میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقّہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا میں نے کھولا پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا حفرہ کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا مرے سے سُنئے آپکا قصیدہ بعد اصلاح بھیجا اُس کی رسید آئی کٹے ہوئے شعر اُلٹے آئے ان کی قباحت پوچھی گئی۔ قباحت بتائی گئی۔ الفاظ قبیح کی جگہ عجیب الفاظ لکھ دیئے گئے۔ لو صاحب یہ اشعار بھی قصیدہ میں لکھ لو۔ اس نگارش کا جواب آجتک نہیں آیا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا کاغذ اُن کو دیا جواب میں جو کچھ اُنہوں نے زبانی فرمایا۔ آپکو لکھا گیا حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا ؎

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا ‏ ‏ ‏ ‏ اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں۔ خیر اب بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے۔ باسی کڑھی میں اُبال کیوں آئے۔ بندگی بیچارگی۔ پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ہوا پہلا باغیوں کا لشکر اُس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا۔ اُس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لُٹ گئے تیسرا لشکر کال کا اُس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضہ کا اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا اُس میں تاب و طاقت نہ پائی اب تک اس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر میں دو آدمی تپ میں مبتلا ہیں ایک بڑا لڑکا اور ایک میرا داروغہ۔ خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔ برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے لیکن نہ ایسی کہ جیسی کالپی اور بنارس میں زمیندار خوش۔ کھیتیاں تیار ہیں خریف کا بیڑا پار ہے ربیع کیواسطے پوہ ماہ میں مینہ درکار

ہے کتاب کا پارسل پرسوں ارسال کیا جائیگا ا ہا ہا جناب حافظ محمد بخش صاحب میری بندگی
مغل علیخان غدر سے کچھ دن پہلے مستسقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیونکر لکھوں حکیم رضی الدین خان کو قتل
عام میں ایک خاکی نے گولی مار دی۔ اور احمد حسین خان اُن کے چھوٹے بھائی اُسی دن مارے گئے
طالع یار خان کے دونوں بیٹے ٹونک سے رخصت لیکر آئے تھے غدر کے سبب جا نہ سکے یہیں
رہے۔ بعد فتح دہلی دونوں بیگناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خان ٹونک میں ہیں زندہ ہیں پر
یقین ہے کہ مُردہ سے بدتر ہو نگے میر چھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام الدین
کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر کے بھاگ گئے تھے وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے بڑودہ میں رہے اورنگ آباد
میں رہے حیدر آباد میں رہے سالگذشتہ یعنی جاڑوں میں یہاں آئے سرکار سے اُن کی صفائی
ہو گئی لیکن صرف جان بخشی۔ روشن الدولہ کا مدرسہ جو متصل کوتوالی چبوترہ ہے وہ اور خواجہ قاسم کی
حویلی جس میں مغل علی خان مرحوم رہتے تھے وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یہ املاک خاص حضرت
کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پاکر ضبط ہوئی۔ اور نیلام
ہو کر روپیہ سرکار میں داخل ہو گیا۔ ہاں قاسم خان کی حویلی جس کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ
کے نام کے ہیں وہ اُن کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی ہے۔ فی الحال میاں نظام الدین
پاک پٹن گئے ہیں شاید بہاولپور بھی جائیں گے۔

ایضاً پیر و مرشد آداب۔ غلط نامہ قاطع برہان کو بھیجے ہوئے تین دن۔ اور آپکی خیر و عافیت مولوی
حافظ عزیز الدین کی زبانی سُنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپکا نوازشنامہ پہنچا۔ قاطع برہان
کے پہونچنے سے اطلاع پائی معتقدان برہان قاطع برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اُٹھ کھڑے
ہوئے ہیں ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہونچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاطع برہان غلط ہے یعنی ترکیب
خلاف قاعدہ ہے۔ کلام قطع کیا جاتا ہے برہان قاطع نہیں ہو سکتی ہے۔ لو صاحب برہان قاطع صحیح
اور قاطع برہان غلط۔ مگر برہان قطع کی فاعل ہو سکتی ہے اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتے۔
قاطع برہان میں جو برہان کا لفظ ہے مخفف بر ہان قاطع ہے برہان قاطع کی رد کو قطع سمجھ کر

قاطع برہان نام رکھا تو کیا گناہ ہوا۔ دوسرا ایراد یہ ہے مصرع بانگلشیان ستیزے جا۔ انگلش
کا نون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں خدا کیواسطے انگلش اور انگریز کا نون باعلان کہاں ہے
اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں گر انگلش
کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔ وہ ورق جو چھاپے کا آپکے پاس بھیجا ہے اُس کو غلط نامہ شاملہ
کے بعد لگا کر جلد بندھوا لیجیئے گا۔ حضرت کیوں آپنے مراسلہ اور میرے مکتوب کا حال پوچھا مصرع
ایں ہم کہ جوابے نہ نویسند جواب ست ۔ سمجھ لو اور چُپ رہو۔ میں نے مانا جس کو تم نے لکھا ہے وہ
لکھیگا کہ میں نے مختار سے پوچھا۔ اسنے یوں کہا پھر میں نے یوں کہا اب یہ بات قرار پائی ہے تو
اس تقریر کو حضرت ہی باور کرینگے فقیر کبھی نہ مانیگا ایک حکایت سُنو امجد علی شاہ کی سلطنت کے
آغاز میں۔ ایک صاحب میرے نیم آشنا یعنی خدا جانے کہاں کے رہنے والے کسی زمانہ میں وارد
اکبر آباد ہوئے تھے کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے زبان آور اور چالاک اکبر آباد میں
نوکری کی جستجو کی کہیں کچھ نہ ہوا۔ میرے ہاں دو ایکبار آئے تھے پھر وہ خدا جانے کہاں گئے
میں دلی آرہا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے ہونگے امجد علیشاہ کے عہد میں اُن کا خط ناگاہ مجھ کو
بسبیل ڈاک آیا۔ چونکہ اُن دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا میں نے جانا کہ یہ ہی بزرگوار
ہیں۔ خط میں مجھ کو پہلے یہ مصرع لکھا مصرع از بخت شکر دارم واز روزگار ہم۔ بر آپ سے جدا ہو کر
بیس برس آوارہ پھرا۔ جے پور میں نوکر ہو گیا وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب
لکھنؤ میں آیا ہوں وزیر سے ملا ہوں۔ بہت عنایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انہیں کے ذریعہ
سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خان اور بہادر کا خطاب دیا ہے۔ مصاحبوں میں نام لکھا ہے۔
مشاہرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپکا بہت مشتاق کیا ہے اگر آپ کوئی قصیدہ حضور
کی مدح میں اور عرضی یا خط جو مناسب جانیں وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے تو بیشک
بادشاہ آپکو بلائینگے اور وزیر کا خط فرمان طلب آپکو پہنچیگا۔ میں نے اُسی عرصہ میں ایک قصیدہ
لکھا تھا جس کی بیت اسم یہ ہے ؎

امجد علی شہ آنکہ بہ ذوقِ دعائے او   صدرہ نمازِ صبح قضا کردروزگار

الخ متردد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ توکلت علی اللہ بھیج دیا رسید آگئی صرف پھر دو ہفتہ کے بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا بہ آئین شائستہ پیش کرنے کا وعدہ کیا میں متوقع ہوں کہ میاں بدرالدین مہرکن سے میری مہر خطائی کھدوا کر بھیج دیجئے چاندی کا نگینہ ہو مربع اور قلم جلی فقیر نے سرانجام کر کے بھیج دیا رسید آئی اور قصیدہ کی بادشاہ تک گذرنے کی نوید بس پھر دو مہینے تک اُدھر سے کوئی خط تک نہ آیا میں نے جو خط بھیجا اُلٹا پھر آیا ڈاک کا یہ توقیع کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں۔ ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا وزیر تک پہنچنا اور حاضر رہنا سچ بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی مہر تم سے بغیر حاصل کئے مرشد آباد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دو سو روپیہ دیئے تھے۔ ایک قاعدہ کلیہ دلی کا سمجھ لو۔ خالق کی قدرت مقتضی اس کی ہے کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہوا مرد یا عورت۔ خفقان۔ مراق۔ اُس کی خلقت و فطرت میں ہو۔ آٹھ دس برس کے بعد ساون کے آخر میں مینہ خوب برسا۔ لیکن نہ دریا جاری ہوئے نہ طوفان آیا۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری۔ دو ایک آدمی کچھ جانور تلف ہوئے۔ مکان گرے دس بیس آدمی دب کر مرے۔ دو تین شخص کوٹھے پر سے گر کر مرے مراقیوں نے غل مچانا شروع کیا۔ اپنے اپنے عزیزان بسفر رفتہ کو لکھا۔ جا بجا اخبار نویسوں نے اُن سے سُنکر درج اخبار کیا۔ لو اب دس بارہ دن سے مینہ کا نام نہیں۔ دھوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے وہی خفقانی صاحب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں اگر مینہ نہ برسے گا تو پھر کال پڑے گا۔ مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے کہ چار پانچ برس ضبط رہے۔ یغمائی لوگ کڑی تختہ۔ کیواڑ چوکھٹ بعض مکانات کی چھت کا مصالح سب لیگئے۔ اب اُن غربا کو وہ مکان ملے تو اُن میں مرمت کا مقدور کہاں۔ فرمایئے مکانات کیونکر نہ گریں ٭

ایضاً - پیر و مرشد ایک نوازشنامہ آیا۔ اور دستنبو کے پہونچنے کا مژدہ پایا۔ اُس کا جواب یہی کہ کارپردازان ڈاک کا احسان مانا۔ اور اپنی محنت کو رائگان نہ جانا۔ چند روز کے بعد ایک عنایت نامہ

اور پہنچا۔ گویا ساغر التفات کا دوسرا دور پہنچا۔ اب ضرور آپڑا کہ کچھ حال اس ستارۂ دُم دار کا لکھوں
چنانچہ جس وقت سے وہ خط پڑھا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ چونکہ بسبب فقدان اسباب
یعنی عدم رصد و کتاب کچھ نہیں کہا جاتا ہے۔ ناچار مرزا صائب کا مصرع زبان پر آجاتا ہے
مصرع ازیں ستارۂ دُنبالہ دار می ترسم ۔ یہ مطلع ہے۔ اور یہ پہلا مصرع ہے مصرع ز خال گوشۂ ابروے
یار می ترسم ۔ کیا آپ مجھ کو بے ہنری اور ہیچ میرزی میں صاحب کمال نہیں جانتے۔ اور خاص عبارت
فارسی کو میرا مصدق حال نہیں مانتے۔ بیش ملا طبیب و بیش طبیب ملا بیش ۔ ہیچ ہر دو بیش
ہر دو ہیچ آرایش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے موزونی
طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے۔ بہرحال علم نجوم کے قاعدہ کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں
فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں تب سطح فلک پر یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں جس برج میں یہ نظر
آئے اُس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں۔ تب ایک حکم نکالتے
ہیں۔ شاہجہان آباد میں بعد غروب آفتاب اُفق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ اُن دنوں میں
آفتاب اوّل میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے درجہ و دقیقہ کی حقیقت
نامعلوم رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی۔ اب دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا
وہاں شاید اب نظر آتا ہے جو آپ نے اس کا حال پوچھا ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں
قہر الٰہی کی ہیں۔ اور دلیلیں مُلک کی تباہی کی۔ قِران النحسین پھر کسوف۔ پھر خسوف۔ پھر یہ صورت
پُر کدورت عیاذاً باللہ و پناہ بخدا۔ یہاں پہلی نومبر کو بدھ کے دن حسب الحکم حکام کوچہ و بازار میں
روشنی ہوئی اور شب کو کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا بادشاہی عمل میں آنا سنایا گیا۔ نواب
گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند خطاب دیا اور اپنی طرف سے
نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ پہلے ہی اس تہنیت میں لکھ چکا ہوں چنانچہ تمثیل
وہ شنیدہ نظر انوار سے گذرا ہوگا ؎

تا نہال دوستی کے بر دہد — حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجا لاؤ۔ خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انوار الدولہ کا خط لایا مصرع ع این کہ مے بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب ۔ منہ پیٹتا ہوں اور سر پٹکتا ہوں کہ جو کچھ لکھا چاہتا ہوں نہیں لکھ سکتا ہوں۔ آبِ حیات جاودانی نہیں مانگتا۔ پہلے انوار الدولہ سے مل کر سرگذشت بیان کروں۔ پھر اس کے بعد مروں روپیہ کا نقصان اگرچہ جانکاہ اور جانگداز ہے پر بموجب تلف المال خلف العمر عمر فزا ہے جو روپیہ ہاتھ سے گیا ہے اس کو عمر کی قیمت جانئے اور ثبات ذات و بقائے عرض و ناموس کو غنیمت جانئے۔ اللہ تعالیٰ وزیر اعظم کو سلامت رکھے۔ اور اس خاندان کے نام و نشان و عز و شان کو برقرار تاقیامت رکھے۔ میں نے گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد نثر میں بعبارت فارسی ناآمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کو مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگذشت اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے کام رکھا ہے بعد چھپ جانے کے وہ نسخہ حضرت کی نظر سے گذرانوں گا اور اس کو ہم سخنی اور ہمزبانی جانوں گا جناب میر امجد علی صاحب کا جو آپکے خط میں ذکر نہیں آیا ہے تو اس خیر خواہ احباب کا دل گھبرایا ہے۔ اب جو خط لکھئے تو ان کی خیر و عافیت بہر نمط لکھئے۔ ان کو بندگی اور جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو سلام پہونچے ۔

ایضاً۔ پیر و مرشد معاف کیجئے گا۔ میں نے جمنا کا کچھ حال نہ لکھا۔ یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی کہ جس سے استبعاد اور استعجاب پایا جائے پرسش کے بعد بھی کوئی بات نہیں سُنی۔ سُنئے تو سہی موسم کیا ہے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات تینوں فصلیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ تگرگ باری علاوہ ایک بحر رواں کی حقیقت متغیر ہو جائے تو محل استعجاب کیوں ہو۔ اور یہ بات کہ دلی میں تغیر نہ ہو۔ اور پورب میں ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمنا بانفراد بہ رہی ہے اور وہاں کہیں کہیں گنگا باہم مل گئی ہیں مجمع البحار ہے۔ حضرت نے خوب وکالت کی۔ مولانا علی سے تقصیر میری معاف

نہ کروائی۔ کہہ دو گے کہ گناہ معاف ہو گیا۔ میں بغیر سارٹیفکٹ کے کب مانوں گا یہ دن مجھ پر بُرے
گذرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہ وہ ہوتا ہے۔ جیسا زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا۔
خصوصاً اس تموز میں کہ غم وہم کا ہجوم ہے ؎

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں　　　سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

ایضاً۔ قبلہ وکعبہ وہ عنایت نامہ جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی پڑھ کر بے چین ہو گیا
ہوں۔ اور عرض کر چکا ہوں کہ مزاج کا حال مفصل لکھئے۔ چونکہ آپ نے کچھ نہیں لکھا تو اور زیادہ مشوش
ہوں۔ نسخہ رفع تشویش یعنی شفقت نامہ جلد بھیجئے۔ جناب منشی نادر حسین خانصاحب کا کچھ حال معلوم
نہیں حضرت میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں متوقع ہوں کہ ان دونوں صاحبوں کی خدمت
میں میرا سلام پہنچے اور آپ ان کی خیر و عافیت لکھیں۔ کبوتروں کا نسخہ جیسا کہ میرے پاس آیا
بجنسہٖ ارسال کرتا ہوں۔ آپکو معلوم ہو گا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا یہ چھوٹے بھائی تھے
مجتہد العصر لکھنؤ کے نام اُن کا سید حسین اور خطاب سید العلما نقش نگین میر حسین ابن علی یہ نے
ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اُس میں پانچ بڑھتے ہیں یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے تخرجہ نئی روش کا
میرے خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہے دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں قطعہ

حسین ابن علی آبروے علم و عمل　　　کہ سید العلما نقش خاتمش بودے
نماندو ماندے اگر بودے پنجسال دگر　　　غم حسین علی سال ماتمش بودے

زیادہ حد ادب۔ فقط

ایضاً۔ پیر و مرشد یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب
نہیں لکھتا۔ خلاصہ عرض کا یہ ہے کہ آج شہر میں بدرالدین علی خان کا نظیر نہیں۔ بس مُہر اور کون کھود
سکیگا۔ ناچار بیٹے آپکا نوازشنامہ جو میرے نام تھا وہ اُن کے پاس بھجوا دیا۔ انہوں نے رقعہ
میرے نام آج بھیجا۔ سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ آپ پڑھ لیں اور سمجھ لیں اور
نگین یا خنیا طار سال فرما دیں۔ پھر اُس کے بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہے جب میں عرض کروں

تب بھیجیئے گا۔ تعجب ہے کہ جناب میر امجد علی صاحب قلق کا اس خط میں سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے اُن کو سُنا دیئے جاویں۔ اور میری بندگی کہی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو میرا سلام بہ ہزار اشتیاق پہونچے ؞

ایضاً۔ للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاج اقدس بہ خیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازشنامہ کا جواب باآنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا۔ ہنوز لکھنے نہیں پایا کہ کل ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں چنانچہ کل میرا مسہل ہو گیا اس سبب سے توقیع کا پاسخ نگار نہ ہو سکا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا جو آپنے لکھا ہے ارنی کی رے کی حرکت و سکون کے باب میں قول فیصل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور ارنی بروزن خمپی گنجایش پائے تو نعم الاتفاق ہے ورنہ قاعدۂ تصرف مقتضی جواز ہے مرزا عبدالقادر بیدل ؎

چو رسی بطور ہمت ارنی مگو و مگریز　　　که نیرزد ایں تمنا بجواب لن ترانی

اسد اللہ بیگ غالب ؎

رفت آنکه ما ز حسن مدارا طلب کنیم　　　سر رشته در کف ارنی گوے طور بود

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہائے کیا غزل لکھی۔ قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان۔ کیا میں سخن ناشناس اور ناانصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جرأت کروں مصرع ؏ چہ حاجت ست مشاطہ روئے زیبا را ؞ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں مصرع ؏ اے مطرب جادو فن بازم رہ ہوشم زن ؞ دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار ہے دیگر کی جگہ آپ بازم لکھ گئے ہیں ؎ اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن ؞ اب دیکھئے اور صاحبوں کی غزلیں کب آتی ہیں۔ اتنی عنایت فرمائیے گا کہ صاحب کے تخلص کے ساتھ اُن کا اسم مبارک اور کچھ حال رقم کیجئے گا۔ زیادہ حد ادب ؞

ایضاً۔ کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں واہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلۂ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں نہ القاب نہ آداب نہ بندگی نہ تسلیم حسن غالب ہم تجھ سے

کہتے ہیں بہت مصاحب نہ بن۔ اے ایاز حد خود بشناس مانا کہ تونے کئی برس کے بعد نوبت کی غزل لکھی ہے اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہے مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے۔ پہلے القاب لکھ پھر بندگی عرض کر۔ پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ۔ پھر عنایت نامہ کے آنیکا شکر ادا کر۔ اور یہ کہکر کہ جو میں تصور کر رہا تھا وہ ہوا یعنی جس دن صبح کو میں نے خط بھیجا۔ اُسی دن آخر روز حضور کا فرمان پہنچا۔ معلوم ہُوا کہ حرارت ہنوز باقی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ رفع ہوجائیگی موسم اچھا آگیا ہے ؎

گرمی از آب برون رفت و حرارت ز ہوا　　　محل ہر جہا نتاب بمیزان آمد

اگر صرف تبرید و تعدیل سے کام نکل جائے تو کیا کہنا ہے ورنہ بحسب رائے طبیب تنقیہ کرڈالئے مجھ کو بھی آج دسواں منضج ہے۔ پانچ سات دن کے بعد مسہل ہوگا ؛

ایضاً۔ پیر و مرشد آداب۔ مزاج مقدس۔ میرا جو حال آپنے پوچھا اس پرسش کا شکر بجالاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپکا بندہ بے درم خریدہ اچھی طرح ہے۔ ایک فصد۔ بائیس منضج۔ چار مسہل کہانتک آدمی کو ضعیف نہ کرے۔ بارے آفتاب عقرب میں آگیا۔ پانی برف آب ہوگیا ہے۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے لگا ہے۔ یہ ضعف ضعف قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اُس کو زائل کرسکیں غزلوں کو پرسوں سے پڑھ رہا ہوں۔ اور وجد کر رہا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو اُن غزلوں کی حقیقت میری نظر میں ہے۔ وہ مجھ سے سُن لیجئے اور میری داد دینے کی داد دیجئے۔ مولانا قلق نے متقدمین یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحد کمال کو پہنچایا ہے۔ اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لیگئے ہیں اور تکلف و تملق سے کہتا ہوں تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو۔ یہ جو آپ اپنے کلام کے حک و اصلاح کیواسطے مجھسے فرماتے ہیں یہ آپ میری آبرو بڑھاتے ہیں۔ کوئی بات بیجا ہو۔ کوئی لفظ ناروا ہو تو میں حکم بجالاؤں زیادہ حد ادب ؛

ایضاً۔ قبلہ و کعبہ کیا لکھوں۔ امور نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔ کیونکر ہوسکے ایک وقت خاص میں ایک امر خاص موجب انشراح کا بھی ہو اور باعث انقباض کا بھی ہو۔

یہ بات میں نے آپکے اس خط میں پائی کہ اُس کو پڑھ کر خوش بھی ہُوا اور غمگین بھی ہُوا۔ سُبحان اللہ اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع پاتا ہوں۔ عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی میرا ہم قوم تو سراسر قلمرو ہند میں نہیں۔ سمرقند میں دو چار۔ یا دشت خفچاق میں سو دو سو ہونگے۔ مگر ہاں اقربائے سببی ہیں۔ سو پانچ برس کی عمر سے اُن کے دام میں اسیر ہوں۔ اکسٹھ برس ستم اُٹھائے ہیں ؎

گر وہ ہم شرح ستم ہائے عزیزان غالب　　رسم اُمید ہمانا ز جہان برخیزد

تم میری خبر لیسکتے ہو نہ میں تم کو مدد دیسکتا ہوں۔ اللہ اللہ دریا سارا تیر چکا ہوں ساحل نزدیک ہے دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے ؎

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ　　مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

شاہ اسرار الحق کو حافظ نظام الدین صاحب کا خط بھجوا دیا۔ ہفتہ بھر کے بعد جواب مانگا جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ حضرت خود تشریف لائے جواب آپکے اور حافظ جی کے خط کا مانگا کہا کل بھیجدونگا۔ اس واقعہ کو آج قریب دو ہفتہ کے عرصہ ہُوا۔ ناچار اُن کے جواب سے قطع نظر کرکے آپکو یہ چند سطریں لکھیں ؎

از خون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ　　انی رایت دہراً فی ہجرک القیامہ

حافظ جی صاحب کو میری بندگی کہئے گا اور یہ خط ان کو پڑھوا دیجئے گا۔ جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو میرا سلام پہنچے۔ اگرچہ آپ مبتلائے رنج والم ہو مگر یہ شرط کیا کم ہے کہ انوار الدولہ کے ہمدرد ہو موردِ ستمہائے روزگار ہونا شرافت ذاتی کی دلیل ہے ساطع اور برہان ہے قاطع ہاں حضرت بہت دن سے جناب میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں اُن کے تخلص نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں آپ اُن کا حال لکھئے۔ خواجہ اسمٰعیل خان صاحب کہاں ہیں اور کس طرح ہیں سُنئے قبلہ میں تو آپ سے شاہ انوار الحق کے خط کے جواب کا طالب نہیں ہوں کہ آپ اُن کے خط کے حاصل ہونے کے انتظار میں مجھ کو خط نہ لکھ سکیں متر صد ہوں کہ اس اپنے خط کا جواب جلد پاؤں ۔

بنام میر افضل علی عُرف میرن صاحب

سعادت و اقبال نشان میر افضل علی صاحب المعروف بہ میرن صاحب خدا تم کو سلامت رکھے اور پھر تمہاری صورت مجھ کو دکھاوے۔ تمہارا خط پہونچا۔ آنکھوں سے لگایا۔ آنکھوں میں نور آیا۔ دل پہ رکھا مزا پایا۔ کل تک اس نام کو سُن کر شرماتے تھے اور آپ ہی آپ کھلے جاتے تھے اب بن بن کر باتیں بناتے ہو اور ہم کو کڑیاں سُناتے ہو۔ کاشکے تم یہاں آجاؤ تب اس تحریر کا مزا پاؤ میر مہدی صاحب وہ تحریر تمہاری بہ نسبت میرے دیکھ کر بہت خفا ہوئے چنانچہ اب جو تمہاری ان کی ملاقات ہو گی تو تم کو معلوم ہو گا۔ بھائی تمہارے سالے صاحب غرور کے پُتلے ہیں دو ایک بار میں نے ان کو بُلایا اُنھوں نے کرم نہ فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو یہ لوگ اور ہی آب و گل کے ہیں۔ تمہاری ان کی کبھی نہ بنے گی اور گھری نہ چھنے گی۔ وہیں بیٹھے رہو دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ رنج و عذاب کا زمانہ جلد گذرتا ہے۔ میر سرفراز حسین صاحب کو میری دُعا کہنا اور کہنا بھائی وہ زمانہ آیا ہے کہ سینکڑوں عزیز راہی مُلک عدم ہوئے سینکڑوں ایسے مفقود الخبر ہو گئے کہ اُن کی مرگ و زیست کی خبر نہیں دو چار جو باقی رہے ہیں خدا جانے کہاں بستے ہیں کہ ہم اُن کے دیکھنے کو ترستے ہیں میر نصیر الدین کو پہلے بندگی پھر دُعا۔ دوشنبہ۔ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء۔ بین الظہر و العصر۔ حوالہ میر مہدی طال عمرہٗ ٭

ایضاً۔ برخوردار کامگار میر افضل علی عُرف میرن صاحب طال عمرہٗ۔ بعد دُعا کے واضح رائے سعادت انتمائے ہو آپکا خط پہنچا اگرچہ میں نے صرف پڑھا میر مہدی کے جلانے کو لکھتا ہوں کہ میں نے آنکھوں سے لگایا۔ ہاں صاحب تم نے جو لکھا ہے کہ قبلہ و کعبہ کہنے سے وہ صاحب بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیوں نہ خوش ہوں خوشی کی بات ہے تمہارے سر کی قسم میں گویا دیکھ رہا ہوں اور میری نظر میں پھر رہا ہے وہ میر سرفراز حسین کا شرما کر آنکھیں نیچی کر لی اور مُسکرانا خدا کبھی مجھ کو بھی وہ صورت دکھائے۔ میر نصیر الدین یہاں آ گئے ہیں تم مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو میری دُعا کہنا اور میر مہدی پوچھیں تو کہنا کہ تم کو کچھ نہیں لکھا کل میں نے خبر منگوائی تھی۔ سو لڑکی کو ابھی تپ آئے جاتی ہے

یقین ہے کہ تم نے وہاں پہنچ کر مولوی مظہر علی کو خط لکھا ہوگا ہاں تم کو ضرور ہے اُن سے نامہ و پیام کی رسم رکھنی والدعا چہار شنبہ ششم جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میری جان تمہارا رقعہ پہنچا۔ نہ کھلا کہ میر سرفراز حسین جے پور کیوں جاتے ہیں۔ بہرحال میر مہدی کو دعا کہنا۔ اور میر سرفراز حسین سے یہ پوچھنا کہ تم جے پور چلے میں نے تم کو خدا کو سونپا تم مجھے کس کو سونپ چلے۔ جواب کا طالب غالب ۲۱۔ جولائی ۱۸۶۴ء

بنام مرزا قربان علی بیگ خانصاحب سالک

وللہ الحمد الطاف خفیہ۔ خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی۔ دم غنیمت ہے۔ جان ہے تو جہان ہے کہتے ہیں کہ خدا سے نا اُمیدی کفر ہے۔ میں تو اپنے باب میں خدا سے نا اُمید ہو کر کافر مطلق ہو گیا موافق عقیدہ اہل اسلام جب کافر ہو گیا تو مغفرت کی بھی توقع نہ رہی۔ چل بھئی نہ دُنیا نہ دین۔ مگر تم حتی الوسع مسلمان بنے رہو اور خدا سے نا اُمید نہ ہو۔ اِنَّ مَعَ العُسْرِ یُسْرا کو اپنا نصب العین رکھو ع در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست، گھر میں تمہارے سب طرح خیر و عافیت ہے۔ محمد میرزا پنجشنبہ اور جمعہ کو داستان کے وقت آجاتا ہے۔ رضوان ہر روز شب کو آتا ہے۔ یوسف علی خان عزیز سلام اور باقر اور حسین علی بندگی کہتے ہیں۔ کلو داروغہ کورنش عرض کرتا ہے۔ اوروں کو یہ پایہ حاصل نہیں کہ وہ کورنش بھی بجا لائیں خط بھیجتے رہا کرو۔ والدعا۔ اپنی مرگ کا طالب غالب صبح دوشنبہ ۶ صفر و ۱۱ جولائی سال حال

ایضاً۔ میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی رو۔ تجھ کو خدا جیتا رکھے اور تیرے خیالات و احتمالات کو صورت وقوعی دے۔ یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں مخلوق کا کیا ذکر کچھ بن نہیں آتی اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے جو دُکھ مجھے پہونچتا ہے کہتا ہوں لو غالب کے ایک اور جوتی لگی بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں۔ آج دُور دُور تک میرا جواب نہیں لے ابتو

قرضداروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا بڑا ملحد مرا۔ بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تعظیم جیسا بادشاہوں کو بعد اُن کے جنت آرامگاہ و عرش نشیمن خطاب دیتے ہیں چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا سقر مقر اور ہاویہ زاویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئیے نجم الدولہ بہادر ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضدار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں اُن سے پوچھ رہا ہوں۔ اجی حضرت نواب صاحب۔ نواب صاحب کیسے۔ اوہ خان صاحب آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے کچھ تو اکسو کچھ بولو۔ بولے کیا بیحیا بے غیرت کوٹھی سے شراب۔ گندھی سے گلاب۔ بزاز سے کپڑا۔ میوہ فروش سے آم۔ صراف سے دام قرض لئے جاتا ہے یہ بھی سوچا ہوتا کہاں سے دونگا۔

بنام مرزا شمشاد علی بیگ خانصاحب رضوان

فرزند دلبند شمشاد علی بیگ خان کو اگر خفا شدہ ہوں تو دعا۔ اور اگر آزردہ ہوں تو بندگی۔ غازی آباد سے جاکر طبع اقدس ناساز ہوگئی مصرع ع از آمدن کعبہ پشیمان شدہ باشی۔ قربان علی بیگ خان کو دعا کہنا مرزا تفضل حسین خان کو دعا کہنا۔ اور اُن کا حال لکھنا۔ آج شنبہ ۴ نومبر کی ہے پرسوں نواب صاحب دورہ کو گئے ہیں۔ فرما گئے ہیں کہ دو ہفتہ میں آؤنگا۔ اگر چار روز یہاں رہینگے پھر نمایش گاہ بریلی کی سیر کو جائینگے وہاں سے پھر کر جب آئینگے تو صاحب کشنر بریلی کا انتظار فرمائینگے وہ پنجم دسمبر تک آ جائینگے تین دن جشن رہیگا اُس کے دو چار روز بعد غالب رخصت ہوگا۔ خدا کرے تم تک زندہ پہنچ جائے۔ پیر جی بہت یاد آتے ہیں اُن کو دُعا کہنا اور یہ کاغذ پہلے تم پڑھنا پھر سالک کو پڑھانا۔ پھر میاں خواجہ امان اور حکیم رضا خان کو دکھانا۔ پھر مرزا تفضل حسین خان کے پاس لیجانا۔ اس قصیدہ کے ساتھ کی نثر نواب ضیاء الدین خان یا مرزا ثاقب سے مانگ لینا۔ اور اُس کی نقل کر لینا۔ اور قاطع برہان کا حال لکھنا۔ میں نے تیس روپیہ کی ہنڈوی سو روپیہ کی باقی حکیم جی کو بھیجدی ہے حضرت نے رسید بھی نہیں لکھی اُن سے رسید لکھوا بھیجو۔ اور سب جلدوں کے شیرازے بندھ جائیں اور مولا کاغذ دونوں طرف لگ جائے خبردار کوئی نسخہ بے جلد نہ رہے۔ تین سو مجلد کے تیار ہونے کی خبر اور

بقیہ حساب میرے پاس بھیجدینا یا روپیہ فوراً بھیجدوں گا یا آکر دونگا۔ گورنر کا حال لکھو۔ کون کون حاضر ہوا کس کس کی ملاقات ہوئی فرخ سیر کے دادا صاحب آئے ہیں یا نہیں اگر آئے ہیں تو روداد مفصل لکھو ہاں بھائی ٹونک والے سید سراج احمد کا بھی حال ضرور لکھنا۔ علی نقی خان وزیر شاہ اودھ کی حقیقت بھی ضرور لکھنا۔ اور مجھ کو ان مقاصد کے جواب کا منتظر سمجھنا آج دوشنبہ ۱۴ نومبر کی ہے آٹھ دن میں خط کی آمد و شد یقینی ہے تو دن راہ دیکھوں گا۔ دسویں دن اگر تمہارا خط نہ آیا تو میں تمہارا رافضی بن جاؤنگا مطالب مندرجہ کے جواب کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ مرزا سیم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہے۔ تحریر کا تارک نہیں ہوں بلکہ متروک ہوں۔ اب مجھے ویسا نہ سمجھو جیسا چھوڑ گئے ہو۔ رام پور کے سفر میں تاب طاقت حسن فکر لطف طبیعت یہ سب اسباب لٹ گیا اگر تمہارے خط کا جواب نہ لکھوں تو محل ترحم ہے نہ مقام شکایت سنو میرے خط کے نہ پہونچنے سے تم کو تشویش کیوں ہو جب تک زندہ ہوں غمزدہ و افسردہ ناتوان و نیجان ہوں۔ جب مرجاؤنگا تو میرے مرنے کی خبر سن لوگے۔ پس جب تک میرے مرنے کی خبر نہ سنو جانو کہ غالب جیتا ہے خستہ و نثر مدر نجور و دردمند یہ سطریں لکھ کر اسوقت تمہارے بھائی پاس بھیجتا ہوں مگر اُن کو ہمیشہ سفر در وطن ہے بفرض محال اگر گھر میں ہیں تو عنایت اللہ اُن کو ورنہ محمد مرزا کو دے آئیگا۔ ربیع الثانی جمعہ کا دن صبح کا وقت ہے ؎

بنام مرزا باقر علیخان صاحب کامل

اقبال نشان مرزا باقر علی خان کو غالب نیم جان کی دعا پہونچے۔ تمہارا خط آیا۔ تمہارے روزگار کی درستی آگے سن چکا تھا۔ اب تمہارے لکھنے سے دیکھ بھی لی۔ دل میرا خوش ہوا اور تم خاطر جمع رکھو جیسا کہ مہاراج نے تم سے کہا ہے تمہاری ترقی انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہوگی۔ مجھ سے جو تم گلہ کرتے ہو خط کے نہ بھیجنے کا بھائی اب میری انگلیاں نکمی ہوگئی ہیں اور بصارت میں بھی ضعف آگیا ہے دو سطریں نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کے خطوط آئے ہوئے دھرے رہتے ہیں جب کوئی دوست

آجاتا ہے۔ میں اُس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ پرسوں کا تمہارا خط آیا ہُوا دھرا تھا۔ اب اس وقت مرزا یوسف علی خان آ گئے ہیں۔ میں نے اُن سے یہ خط لکھوا دیا۔ تمہاری دادی اچھی طرح ہے۔ تمہارا بھائی اچھی طرح ہے۔ تمہارے گھر میں سب طرح خیر و عافیت ہے۔ تمہاری لڑکی اچھی طرح ہے۔ کبھی روز، کبھی دوسرے تیسرے میرے پاس آجاتی ہے۔

ایضاً۔ نور چشم و راحت جان مرزا باقر علی خان کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط جو میرے خط کے جواب میں تھا وہ مجھ کو پہنچا۔ اُس میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ اس خط میں ایک نئے امر کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔ وہ امر یہ ہے کہ میں نے اگلے مہینے میں سبد چین کی ایک جلد مع عرضی اقبال نشان مرزا تفضل حسین خان کی معرفت الور کو بھجوائی تھی۔ سو اب کی ہفتے میں حضور پُر نور مہاراؤ راجہ بہادر کا خط اُنہیں کی معرفت مجھ کو آیا۔ حضور نے از راہ بندہ پروری و قدر افزائی القاب بہت بڑا مجھے لکھا اور خط میں فقرے بہت عنایت اور التفات کے بھرے ہوئے درج کئے۔ تم تو وہیں ہو، تم کو اُس کی اطلاع ہو گئی تھی یا نہیں۔ اور اگر ہو گئی تھی تو تم نے مجھ کو کیوں نہیں لکھا۔ اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کبھی دربار میں کچھ میرا بھی ذکر آتا ہے یا نہیں۔ اور اگر آتا ہے تو کس طرح آتا ہے۔ حضور سُن کر کیا فرماتے ہیں۔ غالب ۔ ۷ دسمبر ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ اقبال نشان باقر علی خان کو غالب نیم جان کی دُعا پہنچے۔ بہت دن ہوئے کہ تمہارا خط آیا۔ اگر تم نے اپنے مکان کا پتہ تو لکھا ہی نہ تھا۔ فقط الور کا نام لکھ کر چھوڑ دیا۔ میں کیونکر خط بھیجتا۔ بارے اب شہاب الدین خان کی زبانی پتہ معلوم ہُوا۔ سو اب میں تم کو خط لکھتا ہوں۔ جبینا بیگم اچھی طرح ہے۔ میرے پاس آتی رہتی ہے اور تمہارے گھر میں سب طرح خیر و عافیت ہے۔ اکتوبر کے مہینے کی تمہاری تنخواہ تمہارے گھر بھیج دی۔ مرزا حسین علیخان بندگی عرض کرتا ہے۔ اسد اللہ تحریر تاریخ ۱۶ نومبر ۱۸۶۷ء

بنام ذوالفقار الدین حیدر خان عُرف حسین مرزا صاحب

بھائی تمہارے خطوں کا اور یوسف مرزا کے خطوں کا جواب بھیج چکا ہوں۔ محمد قلی خان صاحب ہمہ تن

مصروف ہیں۔ دوالی کی تعطیل ہو چکی ہے۔ نوندرائے کی بی بی مرگئی ہے وہ غمزدہ ہو رہا ہے مگر
خیر کام کریگا۔ کاشی ناتھ بے پروا آدمی ہے۔ تم ایک خط تاکیدی اُس کو بھی لکھ بھیجو۔ اکثر وہ کہا کرتا ہے
کہ حسین مرزا صاحب جب لکھتے ہیں مرزا نوشہ صاحب ہی کو لکھتے ہیں یہ امر اُس پر ظاہر نہ ہو کہ میں نے
تمہیں یُوں لکھا ہے مطلب اپنا اس کو لکھو۔ میں کیا کروں۔ اگر کہوں کہ میری جان بھی تمہارے کام
آئے تو میں حاضر ہوں یہ کہنا تکلف محض ہے۔ کون جان دیتا ہے اور کون کسی سے جان مانگتا ہے
مگر جو فکر مجھ کو تمہاری ہے اور جو میری دسترس ہے اُس کو میرا خدا اور میرا خداوند جانتا ہے۔ دسترس
کو تم بھی جانتے ہو انشاءاللہ تعالیٰ اوائل ماہ آیندہ یعنی نومبر میں نیروالا مقدمہ درست ہو جائے ان
سطور کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ ابھی چنی لال تمہارا قرض خواہ آیا تھا۔ تمہارا حال پوچھتا تھا کچھ جھوٹ
کہکر اُس کو اس راہ پر لایا ہوں کہ سو دو سو روپیہ تم کو بھیجدے۔ بنیوں کی طرح کی تقریر اُسکو سمجھائی
ہے کہ لالا جس درخت کا پھل کھانا منظور ہوتا ہے تو اُس کو پانی دیتے ہیں۔ حسین مرزا تمہارے کھیت
ہیں۔ پانی دو تو اناج پیدا ہو۔ بھائی کچھ تو نرم ہُوا ہے۔ تمہارے مکان کا پتہ لکھوا کر لیگیا ہے اور
یہ کہہ گیا ہے کہ میں اپنے بیٹے رامجیداس سے صلاح کرکے جو بات ٹھہرے گی آپ سے آکر کہونگا۔ اگر وہ
روپیہ ہی بھیجدے تو تو کیا کہنا ہے اور اگر وہ خط لکھے اور تم اُس کا جواب لکھو تو یہ ضرور لکھنا کہ
اسداللہ نے جو تم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور وہ امر ظہور میں آنیوالا ہے۔ بس زیادہ کیا لکھوں یہاں تک
لکھ چکا تھا کہ سردار مرزا صاحب تشریف لائے۔ میں نے خط اُن کو نہیں دکھایا مگر عندالاستفسار
کہا گیا کہ خط حسین مرزا صاحب کو لکھتا ہوں اُنہوں نے کہا میرا سلام لکھنا اور لکھنا کہ یہاں سب
خیر و عافیت سے ہیں اور سب کو دُعا سلام کہتے ہیں۔ یوسف مرزا کو بعد دُعا کے معلوم ہو کہ اسوقت
سردار مرزا سے دریافت ہو گیا کہ عباس مرزا کے نام کا تمہارا رقعہ اُن کو پہنچ گیا۔ شنبہ ۲۹۔ اکتوبر ۶۰ء

ایضاً۔ نواب صاحب آج تیسرا دن ہے کہ تم کو حال لکھ چکا ہوں۔ محمد قلی خان آئے ہم میں اُن میں
باہم گفتگو ہوئی۔ نواب گورنر کی آمد آمد میں کچہریاں بند۔ حکام میرٹھ کو چلے جاتے ہیں ۱۹ یا ۲۰ دسمبر کو
میرٹھ مخیم خیام ہوگا۔ دربار وہیں ہوگا۔ رہا دلی کا آنا مشتبہ فیہ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہ آئینگے کوئی کہتا

ہے جریدہ سبیل ڈاک آئینگے۔ کوئی کہتا ہے مع لشکر آئینگے ۱۳ دن یہاں رہینگے۔ آج ۱۵ دسمبر کی ہے جو کچھ واقع ہوگا وہ تم کو لکھوں گا نقل حکم کی درخواست اور اس مقدمہ کی فکر بعد اس ہنگامے کے عمل میں آئیگی خاطر عاطر جمع رہے۔ تمہارا دوست بھی حسب الحکم کمشنر ہانسی حصار کل یا پرسوں میرٹھ کو جائیگا اور ادھر سے امین الدین خان بھی وہاں آئیگا۔ میرا دربار اور خلعت دریا بُرد ہوگیا نہ پنشن کی توقع نہ دربار و خلعت کی صورت نہ سزا نہ انعام نہ رسم معمولی قدیم۔ یوسف مرزا صاحب کو دعا پہنچے۔ پرسوں کلو چوتالے آیا۔ کل دونوں طرف سے کھلا ہوا لیکر گیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے اُلٹا پھیر دیا اور کہا کر پولندہ بنالاؤ۔ پولندہ بناکر لیگیا کہا بارہ پر بھیجے لیلیا جائیگا۔ بیٹھا رہا رات کو ۹ بجے اُس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لیکر اپنے گھر آیا خدا کرے تم کو پہنچ جائے اور پسند آئے۔ قصیدہ کے باب میں میں مایوس مطلق ہوں مگر جو کچھ واقع ہو بطریق خبر لکھ بھیجنا۔ مثنوی باد مخالف کی رسید تمہاری تحریر سے معلوم ہوگئی خیر مفتی صاحب کے حکم کی تعمیل ہوگئی فیل خانہ ملک پیرالال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرائے گئے بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں اہل قلم بچاتے ہیں پایان کار دیکھئے کیا ہو۔ جمعہ ۱۶ دسمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ جنابعالی کل آپکا خط لکھا ہوا سہ شنبہ یکم نومبر کا پہنچا۔ لطف یہ کہ کل وہی سہ شنبہ کا دن ۸ نومبر کی تھی۔ آج بدھ کا دن ۹ نومبر کی صبح کے وقت میں تم کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ برخوردار یوسف مرزا خان کا خط لکھا ہوا ۳ نومبر کا پہنچا۔ اب میں دونوں خطوں کا جواب باہم لکھتا ہوں۔ دونوں صاحب باہم پڑھ لیں ۱۲ مرزا آغا جانی صاحب اچھی طرح ہیں اُن کو تپ آگئی تھی۔ اب تپ مفارقت کر گئی ہے مگر ضعف باقی ہے آج چوتھا دن ہے کہ میرے پاس آئے تھے۔ کاشی ناتھ سراسر پہلوتہی کرتا ہے۔ نوندرائے یکسر ہر ار سودا محمد قلی خان اکثر علی جی رہتے ہیں کبھی یہاں آجاتے ہیں تب نوندرائے کو تاکید کرتے ہیں آجکل یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ پون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی پرسوں ۷ نومبر سے جاری ہوگئی۔ سالگ رام خزانچی چھنا مل مہیش داس ان تین شخصوں کو یہ کام بطریق امانی سپرد ہوا ہے۔ غلّہ اور اُپلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر محصول

نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے خلق کا اژدحام ہے۔ آگے حکم تھا کہ مالکان رہیں کرایہ دار نہ رہیں پرسوں
سے حکم ہو گیا کہ کرایہ دار بھی رہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں یا کوئی اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔
وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ سے کرایہ کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں مگر کرایہ
سرکار کو دیں۔ تم انصاف کرو ہمشیرہ کی درخواست کیونکر گذرے جب وہ خود آئیں اور درخواست دیں
اور منظور ہو اور مکان ملے تو اس تمام شہرستان ویران میں سے ایک حویلی ملیگی اور اُن کو یہاں رہنا ہوگا
کیونکر اُس ویرانہ میں تنہا رہینگی۔ سہم کر دم نکل جائیگا مانا کہ جبر اختیار کر کر رہیں۔ کھائینگی کہاں سے۔ بہرحال
یہ سب خیالات خام اور جملے ناتمام ہیں ہاں نقل لینی اور مرافعہ نہ کرنا اور نقل حکم لینی اور پھر مرافعہ کرنا پھر
اُس حکم کی نقل لینی یہ امور ایسے نہیں کہ جلد فیصل ہو جائیں حکام بے پروا۔ مختار عدیم الفرصت میں
پاشکستہ محمد قلی خان کبھی یہاں کبھی وہاں وقت پر موقوف ہے۔ گھبراؤ نہیں حکیم احسن اللہ خان کے
مکانات شہر اُن کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ دروازہ سے باہر نہ نکلو۔ اپنے گھر میں
بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خان کے مکانات سب ضبط ہو گئے وہ قاضی کے حوض پر کرایہ کے مکانات
میں مع ممتوعہ کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم اُن کو بھی نہیں۔ مرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانیکا
ہے اُنہوں نے زمین پکڑی ہے سلطان جی میں رہتے ہیں عذر کر رہے ہیں۔ دیکھئے یہ جبر اُٹھ
جائے یا یہ خود اُٹھ جائیں ؎

ایضاً۔ نواب صاحب پرسوں صبح کو تمہارا خط پہونچا۔ پہر دن چڑھے لارڈ صاحب کا لشکر آیا۔
کابلی دروازہ کی فصیل کے قریب بھولو شاہ کی قبر کے سامنے خیمہ خاصہ برپا ہوا۔ اور باقی لشکر تیس
ہزاری باغ تک اُترا ہے پنجشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۸۵۹ء۔ آپ غالب کی مصیبت کی داستان سنئے۔ پرسوں
تمہارا خط پڑھ کر لشکر کو گیا میر منشی سے ملا اُن کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکرٹر بہادر کو اطلاع کروائی۔
چپراسی کے ساتھ کلو بھی گیا تھا۔ جواب آیا کہ ہمارا سلام دو اور کہو کہ فرصت نہیں ہے۔ خیر میں اپنے
گھر آیا۔ کل پھر گیا خبر کروائی حکم ہوا کہ غدر کے زمانہ میں تم باغیوں کی خوشامد کرتے رہتے تھے اب
ہم سے ملنا کیوں مانگتے ہو۔ عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ یہ جواب پیام نومیدی جاوید ہے نہ وہ

نہ خلعت نہ پنشن انا للہ وانا الیہ راجعون بقیہ خبر شکریہ ہے کہ راجہ بھرت پور برات لیکر پٹیالے
گیا تھا۔ اور اس سبب سے آگرہ میں لارڈ صاحب سے نہیں ملا تھا۔ ایک ہفتہ سے معاودت کرکے
یہاں آیا ہوا تھا آج اُس کی مُلازمت ہے شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۹ء گیارہ بجے ہونگے میں خط لکھ رہا ہوں
توپیں چل رہی ہیں۔ شاید راجہ صاحب کی مُلاقات اسی وقت ہوئی۔ کل یکشنبہ ہے پرسوں دوشنبہ کو یا سہ
شنبہ کو لارڈ صاحب کا کوچ ہے۔ کہتے ہیں کہ پشاور تک جائینگے۔ کل صبح کو محمد قلی خان آئے ایک
عرضی انگریزی اُن کے ہاتھ میں کہنے لگے یہ عرضی طالب علی فیلبان نے مجھ کو پھیر دی ہے اور کہا ہے
کہ اس کے گذراننے کا موقع نہیں ہیں اسوقت سوار ہوا چاہتا تھا۔ تمہاری یاس سُن کر گیا۔ اپنا داغ
حسرت جیسا اوپر لکھ آیا ہوں لیکر آیا۔ ابراہیم علی خان الور میں مستسقی ہوکر مر گئے۔ خدا اُن کو بخشے اور مجھ کو
بھی یہ دن نصیب کرے کمشنر صاحب کا نائب یہاں کوئی نہیں اور نہ کسی انگریزی خوان سے اسکی
تصدیق ہو سکتی ہے اتنا مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز
ہوا ہے اور حکم یہ ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے۔ البتہ اُس کا معاوضہ بحساب وہ یک
سرکار سے ہوگا یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے کو سو روپیہ ملینگے اور جو گوروں کے وقت کی
غارت گری ہے وہ ہدر اور بحل ہے اُسکا معاوضہ نہ ہوگا شاید یہ وہی کمشنر ہوں۔ مکانات کو
حامد علیخان کا کر کیوں لکھتے ہو وہ تو مدت سے ضبط ہوکر سرکار کا مال ہو گیا۔ باغ کی صورت
بدل گئی۔ محل سرا اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھاٹک اور سر تا سر دو کانیں گرا دی گئیں۔
سنگ و خشت کا نیلام کرکے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ حامد علی خان کے مکان کا عملہ
ہے سرکار نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو
رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے تم ابتک سمجھے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ کبھی سمجھو گے
کیسا نوندھرائے کیسی نقل حکم کیسا مرافعہ۔ جو احکام کہ دلی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا
قدر ہیں اُن کا مرافعہ کہیں نہیں اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے
نہ املاک رکھتے تھے نہ پنشن رکھتے تھے رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا جو

تم لکھتے ہو کہ اللہ تم وہاں جاؤ تو مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب رام پور میں دیکھوں جو تدبیر وثیقہ کے باب میں تمنے کی ہے وہ بہت مناسب ہے۔ بشرط پنشن ہونے کے اور ولایت پہنچنے کے سجاد مرزا اور اکبر مرزا اپنی پیرانہ سری میں اُس پر قابض ہو ہینگے انشاءاللہ العلی العظیم۔ یوسف مرزا خان کو دعا پہنچے۔ حال قصیدہ و مخمس کا معلوم ہوا۔ قبلہ و کعبہ وہ کر رہے ہیں جو آبا و اولاد سے اور آقا غلام سے سلوک کرتا ہے۔ اُن کو منظور رہے کہ دُعا کا عطیہ جدا پاؤں اور ثنا کا صلہ جدا پاؤں ؎ کارساز ما بفکر کارِ ما۔ لیکن میری جان انصاف تو کرو ان صلوں میں زندگی تو بسر نہیں ہوتی یہ فکر بھی بیہودہ ہے۔ زندگی میری کب تک سات مہینے یا اور بارہ مہینے سال آیندہ کے۔ اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں۔ وہاں نہ روٹی کی فکر نہ پانی کی پیاس نہ جاڑے کی شدت نہ گرمی کی حدت۔ نہ حکم کا خوف نہ مخبر کا خطرہ۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے۔ نہ کپڑا خریدنا پڑے نہ گوشت گھی منگاؤں نہ روٹی پکواؤں۔ عالم نور اور سراسر سرور ؎

یارب این آرزوئے من چہ خوش ست تو بدیں آرزو مرا برسان

بندۂ علی ابن ابی طالب آرزومند مرگ۔ غالب۔ روز سہ شنبہ۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

بنام یوسف مرزا صاحب

کوئی ہے ذرا یوسف مرزا کو بلائیو۔ لو صاحب وہ آئے۔ میاں میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے مگر تمہارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے۔ اب سُن لو تفضل حسین خان اپنے ماموں مؤید الدین خان پاس میرٹھ ہے۔ شاید دلی آیا ہو مگر میرے پاس نہیں آیا۔ والد اُن کے غلام علی خان اکبرآباد میں ہیں مکتب داری کرتے ہیں لڑکے پڑھاتے ہیں روٹی کھاتے ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ پچاس محل واجد علیشاہ کے کلکتے گئے۔ تمہارے ماموں محمد قلی خان کے خط میں لکھتے ہیں کہ شاہ اودھ بنارس آگئے اس خبر کو اُس خبر کے ساتھ منافات نہیں ہے۔ اُدھر سے آپ بنارس کو چلے ہوں ادھر سے بیگمات کو

وہاں بُلایا ہو مگر میری جان ہم کو کیا مصرع عالم پس مرگ ماچہ دریا چہ سراب ؛؛

ایضاً۔ آؤ صاحب میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے۔ ساتویں تاریخ رمضان کی اور اُنیسویں اپریل کی صبح کو بھائی فضلو جن کو میر کاظم علی بھی کہتے ہیں۔ اور ہم نے احتشام الدولہ خطاب دیا ہے وہ تین پاؤ کھجوریں اور ایک ٹین کا لوٹا اور دو سوت کی رتیاں لیکر بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ہو کر الور کو روانہ ہوئے۔ پہر دن چڑھے ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط میرے نام کا اور ایک حکمنامہ محکمۂ لاہور موسومہ میر کاظم علی لایا۔ یہانتک لکھ چکا تھا کہ تمہارے ماموں صاحب مع سجاد مرزا تشریف لائے۔ تمہارا خط اُن کو دیدیا وہ اُس کو پڑھ رہے ہیں اور میں یہ خط تم کو لکھ رہا ہوں۔ پہلے تو یہ لکھتا ہوں کہ حکمنامہ میر کاظم علی کو دیدینا اور میری طرف سے تعزیت کرنا کہ خیر بھائی صبر کرو اور چپ ہو رہو۔ تاریخ کے دو قطعوں میں ایک قطعہ رہا۔ ماہر و خوش خرام کی جگہ سرخ خوش خرام بنا دیا ہے قطعہ اچھا ہے بشرطا آنکہ متوفیہ کا شوہر یہ الفاظ اپنی زوجہ کے واسطے گوارا کرے خواجہ جان جھوٹ بولتا ہے والی رامپور کو اس پنشن کے اجرا میں کچھ دخل نہیں یہ کام خداساز ہے۔ یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ ناظر جی نے تمہارے قول کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ ہاں سو تو وہ عرضی کا میرے پاس آ گیا ہیں تم کو دکھاؤنگا خیر تم نے جو لکھا ہوگا وہ مناسب ہوگا خدا اس لائے۔ اور کام بن جائے۔ الگزنڈر ہیڈر لی صاحب میرے دوست کے فرزند ہیں اور نیک بخت اور سعادتمند ہیں۔ میر کاظم علی وغیرہ کی تنخواہ میں میری سپارش کو دخل نہیں ہے۔ تم میر کاظم علی سے دریافت کرلو۔ ہاں دو مقدموں میں میں نے اُن کو دو خط لکھے مگر اُنھوں نے ایک کا بھی جواب نہیں لکھا۔ اور اُن مقدموں میں کوشش بھی نہیں کی۔ اب اس کو سمجھ کر جو کچھ تم لکھو اُس کے موافق عمل میں لاؤں۔ ناظر جی صاحب اور سجاد مرزا اپنے گھر گئے وہ تم کو دعا۔ اور سجاد بندگی کہہ گیا ہے۔ اپنے آنے میں جلدی نہ کرو ماں کی رضاجوئی کو سب امور پر مقدم جانو۔ میں ابھی رامپور نہیں جاتا۔ برسات بعد بشرط حیات جاؤنگا یعنی اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر میں قصد ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط دو دن میر کاظم علی کے پہنچنے سے پہلے تمہارے پاس پہنچے۔ اُن کے نام کا حکمنامہ بہت احتیاط سے اپنے

پاس رہنے دینا۔ خبردار جانا نہ رہے جب وہ پہنچیں تب اُن کو حوالہ کرنا۔ صاحب نہ خمس نہ نذر یہ باتیں غیرت کی ہیں۔ جس طرح اپنے اور بچوں کو دونگا مظفر میرزا اور تم کو بھی اُسی طرح بھجوا دونگا ہمشیرہ عزیزہ کو یعنی اپنی والدہ کو میری دُعا کہنا۔ مرقومہ یک شنبہ وقت نیمروز ہفتم رمضان ۲۹۔ اپریل غالب ؁

ایضاً۔ یوسف مرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط کل منگل کو پہونچا۔ آج بدھ ۷ شوال اور ۹ مئی کی ہے اُس کا جواب بھیجتا ہوں۔ خدا کی قسم تامس ہڈرلی صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے ہاں الکھ صاحب سے ہے سو اُن کے نام کا خط کھلا ہوا تم کو بھیجتا ہوں پڑھ کر بند کر کر اُن کو دو۔ اور اُن سے ملو۔ اور جو کچھ وہ کہیں مجھ کو لکھو۔ احتلام الدولہ بھائی فضلو میر کاظم علی بہادر کیا جانے کتاب کس کو کہتے ہیں۔ اور آگرہ کس ہتھیار کا نام اور سکندر شاہ کونسے درخت کا پھل ہے میرا اُردو کا دیوان میرٹھ کو گیا۔ سکندر شاہ لیگئے مصطفےٰ خان کو دے آئے ڈاک میں اُس کی رسید آگئی۔ نہ برہان قاطع نہ قاطع برہان۔ کل جسوقت تمہارا خط آیا اُسوقت منشی میر احمد حسین میرے پاس بیٹھے تھے اور اسوقت سالک مجذوب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دونوں صاحب تم کو اور بھائی فضلو کو سلام کہتے ہیں۔ اور بھائی فضلو سے یہ کہدینا کہ باتفاق رائے منشی میر احمد حسین اب باغ کی درخواست کی عرضی بیفائدہ بلکہ مضر ہے۔ تمہارا کاغذ قیمتی ایک روپیہ کا منشی جی کے پاس موجود ہے وہ اُس کو بیچ کر روپیہ تم کو بھجوا دینگے۔ غالب ؞

ایضاً۔ یوسف مرزا کیونکر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا۔ اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو مگر صبر۔ یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے۔ تعزیت یُوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجا کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سر و پا کس کو کہتے ہیں۔ تو میں کہونگا یوسف مرزا کو تمہاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا یہ بات سچ ہے اگر سچ ہے تو جوانمرد ایکبار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ۔ ہاں صاحب وہ لکھتے ہیں کہ پنشن کا روپیہ ملگیا تھا وہ تجہیز و تکفین کے

کام آیا۔ یہ کیا بات ہے جو مُجرم ہو کر ۱۴ برس کو مقید ہُوا ہو اُس کا پنشن کیونکر ملیگا۔ اور کس کی درخواست سے ملیگا۔ رسید کس سے لیجائیگی مصطفےٰ خان کی رہائی کا حکم ہُوا مگر پنشن ضبط۔ ہر چند اس پرسش سے کچھ حاصل نہیں لیکن بہت عجیب بات یہ ہے تمہارے خیال میں جو کچھ آئے وہ مجھ کو لکھو۔ دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب عیاذاً باللہ۔ علی کا غلام کبھی مرتد نہ ہو گا۔ ہاں یہ ٹھیک کہ حضرت چالاک و سخن ساز اور ظریف تھے سوچے ہونگے کہ ان دموں میں اپنا کام نکالو۔ اور رہا ہو جاؤ۔ عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو اُن کا گمان غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں۔ قصہ مختصر تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے مجھ کو بھیجا تھا وہ میں نے تمہارے ماموں کے پاس بھیج دیا۔ اُن کی جاداد کی واگذاشت کا حکم ہو گیا ہے اگر اُن کے بڑے بھائی کے یار اُن کو چھوڑیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے مظفر مرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔ تمہارے چچا کا آغاز اچھا ہے خدا کرے انجام اسی آغاز کے مطابق ہو۔ ان کا مقدمہ دیکھ کر تمہاری پھوپھی کا اور تمہارا سر انجام دیکھا جائیگا کہ کیا ہوتا ہے۔ ہو گا کیا اگر جاداد بھی مل بھی گئیں تو قرضدار دام دام لے لینگے۔ رزاق حقیقی پنشن دلوا دے کہ روٹی کا کام چلے۔ جناب میر قربان علی صاحب کو میرا سلام نیاز اور میر کاظم علی کو دُعا۔ غالب۔ مرقومہ شنبہ ۲۷ شوال و ۹ مئی سال حال۔

ایضاً۔ اے میری جان اے میری آنکھیں ؎

زہجران طفلے کہ در خاک رفت　　　چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رفت

وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی رُوح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا یہاں رہ کر کیا کرتا ہرگز غم نہ کرو۔ اور ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تم کو جیتا رکھے اولاد بہت۔ نانا نانی کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو وہ اپنی اجل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔ ہاں مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعات کربلائے معلےٰ ہے یہ داغ ماتم جیتے جی نہ مٹیگا۔ والد کی خدمت بجا نہ لانیکا ہرگز افسوس نہ چاہئے کچھ ہو سکتا ہو اور نہ کیا ہو تو مستحق ملامت ہوتے کچھ ہو ہی نہ سکے۔ تو کیا کرو۔ اتنو فکر یہ پڑی ہوئی ہے کہ رہئے کہاں اور کھائیے کیا

مولانا کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہُوا کچھ تم مجھ سے معلوم کرو مرافعہ میں حکم دوام حبس بحال رہا۔
بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائیگا۔ اُن کا بیٹا ولایت
میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا سو ہولیا انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ناظر جی کو سلام
کہنا اور کہنا کہ حال اپنا مفصل تم کو لکھ چکا ہوں وہ دہلی اُردو اخبار کا پرچہ اگر ملجائے تو بہت
مفید مطلب ہے ورنہ خیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے۔ حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کرینگے
میں نے سکہ کہا نہیں اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا یہ گناہ نہیں اور اگر گناہ بھی ہے
تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی اُس کو نہ مٹا سکے۔ سُبحان اللّٰہ گولہ انداز کا بارود بنانا
اور توپیں لگانی اور بنک گھر اور میگزین کا لوٹنا معاف ہوجائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف
نہ ہوں۔ ہاں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار ہے اور شاعر کا سالا بھی جانبدار نہیں۔ لو حضرت
میر عنایت حسین صاحب کل آئے۔ میر ارتضیٰ حسین کا خط دیدیا عینک لگاکر خوب پڑھا۔ کہہ گئے
ہیں کہ اس کا جواب کل لاؤنگا میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں وہ آج یا کل جب خط لاویں گے
اُس کو جُداگانہ لفافہ میں روانہ کرونگا۔ مظفر مرزا دیکھئے کب تک آوے اور مجھ سے کیونکر ملے
ایک لطیفہ پرسوں کا سنو حافظ ممّو بےگناہ ثابت ہو چکے رہائی پا چکے حاکم کے سامنے حاضر
ہُوا کرتے ہیں۔ املاک اپنی مانگتے ہیں قبض و تصرف ان کا ثابت ہوچکا ہے صرف حکم کی دیر۔
پرسوں وہ حاضر ہوئے مثل پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا حافظ محمد بخش کون عرض کیا کہ میں پھر
پوچھا کہ حافظ ممّون کون عرض کیا کہ میں اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ ممّو ممّو مشہور ہوں فرمایا یہ
کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم حافظ ممّو بھی تم سارا جہان بھی تم۔ جو دنیا میں ہے وہ بھی تم۔
ہم مکان کس کو دیں۔ مثل داخل دفتر ہوئی میاں ممّو اپنے گھر چلے آئے۔ ہاں صاحب خواجہ بخش
درزی کل سہ پہر کو میرے پاس آیا میں نے جانا ایک ہاتھی کوٹھے پر چڑھ آیا ہے۔ کہتا تھا کہ
آغا صاحب کو میری بندگی لکھ بھیجنا۔ میرن صاحب آجکل پانی پت کو جایا چاہتے ہیں۔ میر
کاظم علی ابن میر قلندر علی الور سے آئے ہوئے سلطان جی میں اُترے ہوئے ہیں۔ بقان بنہدرہ

ایک ہوئے محمد قلی خان میری ملاقات کو آئے تھے علی جی میں رہتے ہیں۔ رضا شاہ پاٹودی گئے
ہوئے ہیں میر اشرف علی ابن میر اسد علی مرحوم نے رہائی پائی۔ ابھی املاک کی درخواست نہیں
دی۔ ہماری بھابی صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خان مغفور اپنی حویلی میں چین کر رہی ہیں۔ ایک
آدھ دن میں جاؤں گا خدا جانے جمعہ کے دن ناظر جی کی درخواست پر کیا گذری۔ اسوقت تک
اُنکا کوئی خط نہیں آیا۔ وہ دھیان لگا ہوا ہے زیادہ کیا لکھوں ۔

ایضاً۔ میری جان خدا تیرا نگہبان میں نے گرڈ پھینک کو دام میں پھنسایا۔ پھر قفس میں بند کر کے
یہ رقعہ لکھوایا میر ارتضی حسین کو فقط اُن کے نام کی جو عبارت ہے وہ پڑھا دینا تاکہ اُنکی خاطر
جمع ہو جائے۔ مثنوی کبھی اصلاح نہ پائیگی جب تک تمام نہ ہو۔ مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو۔ کیونکر
اصلاح دیجائے اپنے چھوٹے ماموں صاحب کو میر اسلام باعتبار محبت کے اور بندگی باعتبار
سیادت کے اور دعا باعتبار یگانگی اور اُستادی کے کہنا اور کہنا کہ بھائی اور کیا لکھوں جس حکم کی
نقل کے واسطے تم لکھتے ہو وہ اصل کہاں ہے کہ جس کی نقل لوں ہاں زبان زد خلق ہے کہ قدیم
نوکروں سے بازپرس نہیں۔ مشاہدہ اس کے خلاف ہے اسے کوئی دن ہوئے کہ حمید خان
گرفتار آیا ہے پاؤں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں حوالات میں ہیں دیکھئے حکم اخیر کیا ہو۔
صرف لوندرائے کی مختار کاری پر قناعت کیگئی۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو رہیگا ہر شخص کی سرنوشت
کے موافق حکم ہو رہے ہیں نہ کوئی قانون ہے نہ قاعدہ ہے نہ نظیر کام آئے نہ تقریر پیش جائے۔
ارتضی خان ابن مرتضی خان کی پوری دو سو روپے کی پنشن کی منظوری کی رپورٹ گئی اور اُن کی
دو بہنیں سو سو روپیہ مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمہارے بھائی مجرم تھے تمہاری پنشن
ضبط۔ بطریق ترحم دس دس روپیہ مہینہ تم کو ملیگا ترحم یہ ہے تو تغافل کیا ٹھہر ہوگا میں خود موجود
ہوں اور حکام صدر کا روشناس پشم نہیں اُکھیڑ سکتا ۵۲ برس کا پنشن تقرر اُس کا بہ تجویز لارڈ
لیک و منظوری گورنمنٹ اور پھر نہ ملا ہے نہ ملیگا خیر احتمال ہے ملنے کا۔ جانتے ہو کہ علی کا بندہ
ہوں اُس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا۔ اسوقت کلو کے پاس ایک روپیہ سات آنے باقی ہیں

بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی امید ہے نہ کوئی جنس رہن و بیع کے قابل۔ اگر رامپور سے کچھ آیا تو خیر ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ اس مہینے میں پنشن کی تقسیم کا حکم آجائیگا۔ دیکھئے آتا ہے یا نہیں اگر آتا ہے تو میں مقبولوں میں ہوں یا مردودوں میں۔ مظفر مرزا کا خط الور سے آگیا بخیر و عافیت پہونچے میر قاسم علی کا قافلہ بھی وہیں ہے۔ میر قاسم علی کی بی بی الور کی تنخواہ میں سے بموجب سہام شرعیہ دو ثلث مظفر مرزا کو دو ایک ثلث اپنے کو تجویز کرتی ہے۔ ظاہرا بموجب تعلیم میر قاسم علی کے ہے غالب محررہ جمعہ ۱۳ ذی الحجہ و ۱۵ جولائی سال حال۔

ایضاً۔ میاں پرسوں قریب شام مرزا آغا جانی صاحب آئے وہ اور اُن کے متعلق سب اچھی طرح ہیں جتو بیگ ہانسی گئے۔ کل تمہارا خط آیا۔ بھائی تمہیں خارش کیوں ہوئی حسین مرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے خدایا اُن آوارگان دشت غربت کو جمعیت جب تو چاہے عنایت کر۔ مگر تصدق مرتضیٰ علی کا تن درست رکھ۔ اللہ اللہ حسین مرزا کی ڈاڑھی سفید ہوگئی یہ شدت غم و رنج کی خوبیاں ہیں۔ اس خط کے پہونچتے ہی اپنی اور ان کی خیر و عافیت لکھنا۔ جہاں تم نے اپنے نام کا خط پڑھا وہاں کا حال یہ ہے ؎

بگفت احوال ما برق جہان ست — دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارم اعلے نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ہمارے خداوند ہیں قبلہ و کعبہ ہیں خدا اُن کو سلامت رکھے۔ آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزاخانہ ہے ایک بنائے قدیم رفیع مشہور۔ اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں۔ ایک ٹھنڈی سڑک اور ایک آہنی سڑک محل ان کا الگ الگ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارگھ بھی شہر میں بنے گا اور قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے ایک میدان نکالا جائیگا۔ محبوب کی دُکانیں بہیلیوں کے گھر فیل خانہ۔ بُلاقی بیگم کے کوچہ سے خاص بازار تک یہ سب میدان ہو جائیگا۔ یوں سمجھو کہ امو جان کے دروازہ سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہیگی۔ آج جان نثار خان کے چھتے کے

مکان ڈہنے شروع ہوگئے ہیں۔ کیوں ہیں دلّی کے ویرانے سے خوش نہ ہوں جب اہل شہر ہی
نہ رہے۔ شہر کو لے کے کیا چولہے میں ڈالوں حسین مرزا صاحب کو میرا سلام کہنا یہ رقعہ پڑھا دینا
اُن کا خط موسومہ محمد قلی خان آیا۔ کلو کے ہاتھ اُن کے گھر بھجوایا۔ اُن کا گھر کہاں وہ تو میر احمد علیخان
مرحوم کی بی بی کے ہاں رہتے ہیں۔ وہ نہ تھے جب بھابی صاحب کو معلوم ہُوا کہ میرے دیور کا
آدمی ہے۔ اُنھوں نے مدعا دریافت کر کے خط رکھ لیا اور کلو سے کہا کہ بھائی کو سلام کہنا کہ محمد قلیخان علی
جی گئے ہوئے ہیں خط اُن کے پاس بھجوا دونگی۔ کل رضا شاہ آئے تھے ہیں نے اُن کو کہا تھا کہ
تم میر احمد علی خان کی بی بی کو تاکید کر دینا کہ خط ضرور کا ہے اُس کو باحتیاط پہونچا دینا۔ صاحب
تمہاری اناکو ہیں کیا جانوں کس پتے سے ڈھونڈوں دوا سے ہیں نے پوچھا امیر النسا کو وہ نہ
سمجھی واجد علی کی ماں کر کے پہچانا۔ سو وہ کہتی تھی کہ واجد علی مع اپنی ماں کے پہاڑ گنج ہے ہمشیرہ
کی عرضی کے روانہ ہونے کا حال معلوم ہُوا۔ تم سمجھو اگر وہ عرضی فی الحقیقت کمشنر نے بھیجدی ہے
تو بیشک مدعائے سائلہ قبول کر کے بھیجی ہے اگر خود نہ منظور کرتا تو کبھی نہ بھیجتا۔ باقر علی اور حسین علی
اپنی دادی کے ساتھ ضیاء الدین خان کی والدہ کے پاس قطب صاحب گئے ہوئے ہیں۔ ایاز
اور نیاز علی اُن کے ساتھ ہیں۔ دو بندگیاں اور ایک دُعا اور دو آداب ملتوی۔ دوا اور کلو اور
کلیان کی بندگیاں پہنچیں۔ قمر الدین خان پرسوں آیا تھا اب آئیگا تو دُعا تمہاری اُس کو کہدونگا۔
غالب ٭

ایضاً۔ حق تعالیٰ تمہیں عمر و دولت و اقبال و عزّت دے۔ خط محررہ دوم محرم ہیں کوئی مطلب
جواب طلب نہ تھا۔ مرزا حیدر صاحب کی رحلت کی خبر تھی اور بس۔ کل بدھ کا دن دونوں مہینوں
کی ۷ تاریخ تھی صبح کے وقت مرزا آغا جانی صاحب آئے اور اُنھوں نے فرمایا کہ حسین مرزا کی
حرم لکھنؤ سے آئی تھی۔ بی فتن کے ہاں اُتری تھی اب وہ پٹودی کو اپنے بیٹے کے پاس گئی۔ کہتی
تھی کہ نصیب اعدا ناظر جی بہت بیمار ہیں خدا خیر کرے۔ یوسف مرزا میری جان نکل گئی کیا کروں
کیونکر خبر منگاؤں۔ یا علی یا علی یا علی دس بارہ بار دل ہیں کہا ہوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ہُوا آیا اور

تین خط لایا۔ یعنی وہ نیچے حویلی میں تھا۔ ڈاک کے ہرکارہ نے خط لا کر دیئے۔ نیاز علی اوپر لے
آیا ایک خط یار عزیز کا اور ایک خط ہرگوپال تفتہ کا۔ اور ایک خط ذوالفقار الدین حیدر مولوی
کا میاں قریب تھا کہ خوشی کے مارے مجھ کو رونا آجائے۔ بارے اُس خط کو میں نے آنکھوں
سے لگایا۔ چھپیاں لیں۔ اب تم تماشہ دیکھو ۱۳ محرم کا خط ۷ اکو مجھے پہنچا۔ اُس میں مندرج کہ جمعہ
کے دن ۱۹ اکو بسبیل ڈاک کلکتے جاؤں گا۔ اور پھر حضرت مجھ سے مطلب کا جواب مانگتے ہیں۔
ہاں جب کلکتے پہنچ لینگے اور وہاں سے مجھ کو خط بھیجیں گے اور اپنے مسکن کا پتہ لکھیں گے
تب جو کچھ مجھ کو لکھنا ہو گا لکھونگا آغا صاحب کو سب خط سُنا دیا اور اُن کو اُسی وقت کاشی ناتھ
کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ اُس کو گرمائیں اور شرمائیں اور کچھ سجاد مرزا کے واسطے بھجوائیں۔
ضیاء الدین خان دو ہفتہ سے یہاں ہیں اپنے باغ میں اُترے ہوئے ہیں دو بار میرے پاس
بھی دو دو گھڑی کے واسطے آئے تھے کچھ اُن کو منظور ہے۔ رعایت اخلاص و محبت قدیم
خدا چاہے تو کچھ سجاد مرزا کو اور کلکتے سے اُن کے خط کے آنے کے بعد کچھ ناظر جی کو اُن سے
بھجواؤں۔ میرا وہی حال ہے بھوکا نہیں ہوں مگر کسی خدمتگذاری کی توفیق نہیں ہے بُرے
بھلے حال سے گذرے جاتی ہے۔ افسوس ہزار افسوس جو تم سے اور ناظر جی سے میرے دل کا
حال ہے اگر کہوں تو کون باور کرے اور وہ بات خود کہنے کی نہیں کرنے کی ہے سو کرنیکا مقدور
نہیں تفضل حسین خان ابن غلام علی خان میرٹھ میں اپنے ماموں صاحب کے پاس ہے شہر
میں آیا تھا میرے پاس بھی آیا تھا تمہارا سلام کہدیا۔ پرسوں پھر وہ میرٹھ گیا بھائی فضل عز
سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سے آئے ہوئے ہیں۔ ڈھونڈتے ہیں عرضیاں دیتے
پھرتے ہیں۔ کوئی سُنتا نہیں۔ تم کو سلام کہتے ہیں۔ آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔
فقیر اور ہتھیار جس پاس ہو وہ نہ آئے۔ اور باقی ہندو مسلمان عورت مرد سوار پیادہ جو چاہے
چلا آئے چلا جائے مگر غیر آبادی کے ٹکٹ کے رُت کو شہر میں نہ رہنے پائے۔ وہ شور و غل تھا کہ
سڑکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤنی بنے گی کچھ بھی نہ ہوا۔ مرہٹ کرا ایک جان نثار خان کے

چھتے کی سڑک نکلی ہے۔ دلی والوں نے لکھنؤ کا خاکہ اُڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھا دیئے اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا بات اتنی ہی ہے جو تم نے لکھی ہے بہرحال اب جو کچھ ہو لکھو۔ اور ناظر جی کے روانہ ہو جانے کی خبر اور سجاد۔ اور اکبر اور اُن کی ماں کی خیریت اور اپنے باپ کا حال لکھو۔ پنجشنبہ ۱۸ محرم الحرام ؂

ایضاً۔ میری جان شکوہ کرنا سیکھو۔ یہ باب میں نے کو ابھی پڑھایا نہیں۔ کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اُسی دن یا دوسرے دن جواب نہ لکھا ہو۔ بلکہ میں ایسا جانتا ہوں کہ یہ جو تم نے مجھ کو شکایت نامہ بھیجا ہے اس کے بعد ایک خط میرا ابھی تم کو پہنچا ہو گا یہ خط کل آیا آج میں اسکا جواب لکھتا ہوں سنو صاحب تم جانتے ہو کہ میں ۷ پارچہ کا خلعت ایکبار اور ملبوس خاص شال رومال دو شالہ ایکبار پیشگاہ حضرت سلطان عالم سے پا چکا ہوں مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دو بار کس کے ذریعہ سے ملا ہے۔ یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر مدظلہ العالی۔ اب آدمیت اسکی مقتضی نہیں ہے کہ میں بے اُن کے توسط کے مدح گستری کا قصد کروں۔ چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا کہ میرا دستور ہے کاغذ کو بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیجدیا ہے یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیجدیا ہو گا۔ اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ کو بھیج دیا ہے اُسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلما سید نقی صاحب اگر کلکتے پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو۔ دارو غگی املاک کے باب میں جو مناسب اور معقول اور واقعی ہے وہ میں بے پردہ عالیشان مظفر حسین خان کے خط میں لکھتا ہوں یہ ورق پڑھکر اُنکی خدمت میں گذران دو اور جو وہ ارشاد کریں مجھ کو لکھو۔ تمہارے اس خط کے مطالب مندرجہ کا جواب ہو چکا۔ اس سے زیادہ میرے پاس کوئی بات اسوقت لکھنے کو نہیں ہے۔ مگر یہ کہ ایک خط تمہارے ماموں صاحب کے نام کا بھیج چکا ہوں اگر وہ پہنچیگا اور خدا کرے پہنچے تو اُس سے تم کو ایک حال معلوم ہوگا۔ غالب شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء ؂

ایضاً۔ یوسف مرزا میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت غم سے

سودائی ہو جاتے ہیں عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس ہجوم غم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آگیا ہو تو
کیا عجب ہے بلکہ اس کا باور نہ کرنا غضب ہے۔ پوچھو کہ غم کیا ہے۔ غم مرگ۔ غم فراق۔ غم رزق۔
غم عزت۔ غم مرگ میں قلعہ نامبارک سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں مظفر الدولہ میر ناصر الدین
مرزا عاشور بیگ میرا بھانجا اُس کا بیٹا احمد مرزا اُنیس برس کا بچہ مصطفےٰ خان ابن اعظم الدولہ
اُس کے دو بیٹے ارتضیٰ خان اور مرتضیٰ خان قاضی فیض اللہ کیا میں اُن کو اپنے عزیزوں کے برابر
نہیں جانتا تھا اے لو بھول گیا۔ حکیم رضی الدین خان۔ میر احمد حسین میکش اللہ اللہ ان کو کہاں سے
لاؤں۔ غم فراق حسین مرزا۔ یوسف مرزا۔ میر مہدی۔ میر سرفراز حسین۔ میرن صاحب خدا ان کو
جیتا رکھے کاش یہ ہوتا کہ جہاں ہوتے وہاں خوش ہوتے گھر اُن کے بے چراغ وہ خود آوارہ۔
سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے کہنے کو ہر کوئی ایسا کہہ
سکتا ہے مگر میں علی کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں
عالم میری نظر میں تیرہ و تار ہے۔ حقیقی میرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا۔ اُس کی بیٹی اُس کے چار بچے
اُس کی ماں یعنی میری بھاوج جے پور میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تین برس میں ایک روپیہ ان کو
نہیں بھیجا بھتیجی کیا کہتی ہوگی کہ میرا بھی کوئی چچا ہے۔ یہاں اغنیا اور امرا کے ازواج و اولاد بھیک
مانگتے پھریں اور میں دیکھوں۔ بس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاہیئے۔ اب خاص اپنا دُکھ روتا
ہوں۔ ایک بیوی دو بچے تین چار آدمی گھر کے کلو کلیان ایاز یہ باہر مداری کی جورو بچے بدستور
گویا مداری موجود ہے۔ میاں گھمن گئے گئے مہینہ بھر سے آگئے کہ بھوکا مرتا ہوں اچھا بھائی تم بھی
رہو۔ ایک پیسے کی آمد نہیں۔ بیس آدمی روٹی کھانیوالے موجود۔ مقام معلوم سے کچھ آئے جاتا
ہے۔ وہ بقدر سد رمق ہے۔ محنت وہ ہے کہ دن رات میں فرصت کام سے کم ہوتی ہے۔ ہمیشہ
ایک فکر برابر چلی جاتی ہے۔ آدمی ہوں دیو نہیں۔ بھوت نہیں۔ ان رنجوں کا تحمل کیونکر کروں
بڑھاپا ضعف قویٰ۔ اب مجھے دیکھو تو جانو کہ میرا کیا رنگ ہے شاید کوئی دو چار گھڑی بیٹھتا
ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں گویا صاحب فراش ہوں نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ کوئی میرے پاس

آئیوالا وہ عرق جو بقدر طاقت بنائے رکھتا تھا۔ اب میسر نہیں۔ سب سے بڑھ کر آمد آمد گورنمنٹ کا ہنگامہ ہے دربار میں جاتا تھا خلعت فاخرہ پاتا تھا۔ وہ صورت اب نظر نہیں آتی نہ مقبول ہوں نہ مردود ہوں نہ بیگناہ ہوں نہ گنہگار ہوں نہ مخبر نہ مفسد۔ بھلا اب تم ہی کہو۔ اگر یہاں دربار ہوا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں۔ دو مہینے دن رات خون جگر کھایا اور ایک قصیدہ چونسٹھ بیت کا لکھا محمد افضل مصور کو دیدیا وہ پہلی دسمبر کو مجھ کو دیگا یہ اُس کا مطلع ہے

زسال نو دگر آبے بروے کار آمد ہزار و ہشتصد و شصت در شمار آمد

اس میں التزام اپنی تمام سرگذشت کے لکھنے کا کیا ہے اسکی نقل تم کو بھیجونگا میرے آقازادۂ روشن گہر جناب مفتی میر عباس صاحب کو دکھانا۔ اس بجھے ہوئے بلکہ مرے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے۔ جہاں پناہ کی مدح کی فکر نہ کرسکا۔ یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گذرا نہ تھا۔ میں نے اسی میں امجد علیشاہ کی جگہ واجد علیشاہ بٹھا دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کہا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے کہ ایک کا قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا۔ میں نے اگر باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ اور پھر کیسی حالت اور کیسی مصیبت میں کہ جس کا ذکر بطریق اختصار اوپر لکھ آیا ہوں اس قصیدہ سے مجھ کو غرض دستگاہ سخن منظور نہیں۔ گدائی منظور ہے۔ بہر حال یہ تو کہو قصیدہ پہنچا یا نہیں پہنچا۔ پرسوں تمہارے ماموں کا خط آیا۔ وہ قصیدہ کا پہونچنا لکھتے ہیں۔ کل تمہارا خط آیا اُس میں قصیدہ کے پہنچنے کا ذکر نہیں اس تفرقہ کو مٹاؤ۔ اور صاف لکھو کہ قصیدہ پہونچا یا نہیں۔ اگر پہونچا تو حضور میں گذرا یا نہیں اگر گذرا تو کس کی معرفت گذرا اور کیا حکم ہوا۔ یہ امور جلد لکھو۔ اور ہاں یہ بھی لکھو کہ املاک واقع شہر دہلی کے باب میں کیا حکم ہوا۔ میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ کل میں نے فرد فہرست دیہات و باغات و املاک مع حاصل ہر ایک باغ و دہ و ملک ناظر جی کو بھیجدی ہے۔ اس خط سے ایک دن پہلے وہ فرد پہنچے گی۔ یہ فرد کلکٹری کے دفتر سے لی ہے مگر اتنا معلوم ہے کہ شہر کی عمارت جو سڑک میں نہیں آئی۔ اور برسات میں ڈھئے نہیں گئی وہ سب خالی پڑی ہے کرایہ کا نام نہیں۔ مجھ کو یہاں کی املاک کا علاقہ حسین مرزا کیواسطے مطلوب ہے میں تو پنشن کے باب

ہیں حکم اخیر سُن لو پھر رام پور چلا جاؤں گا جمادی الاوّل سے ذی الحجہ تک ۸ مہینے اور پھر محرم سے ۱۲۷۷ھ سال شروع ہوگا۔ اس سال کے دو چار حد دس گیارہ مہینے غرضکہ اُنیس بیس مہینے ہر طرح بسر کر لیتے ہیں۔ اس میں رنج و راحت ذلت و عزت جو مقسوم میں ہے وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملک عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رامپور میں اور روح عالم نور میں یا علی یا علی یا علی میاں ہم تمہیں ایک اور خبر لکھتے ہیں۔ برہما کا بیٹا دو دن بیمار پڑا تیسرے دن مرگیا ہے ہے کیا نیکبخت غریب لڑکا تھا۔ باپ اُس کا شیو جی رام اُس کے غم میں مُردہ سے بدتر ہے یہ دو صاحب میرے پُوں گئے ایک مُردہ دل افسردہ کون ہے جس کو تمہارا سلام کہوں۔ یہ خط اپنے ماموں صاحب کو پڑھا دینا اور فرد اُن سے لیکر پڑھ لینا۔ اور جس طرح اُن کی رائے میں آئے اُس پر حصول مطلب کی بنا اُٹھانا اور ان مدارج کا جواب شتاب لکھنا۔ ضیاء الدین خان رہتک چلے گئے اور وہ کام نہ کر گئے۔ دیکھئے آکر کیا کہتے ہیں۔ یا رات کو آگئے ہوں یا شام تک آجائیں۔ کیا کروں کس کے دل میں اپنا دل ڈالوں۔ مرتضیٰ علی پہلے سے نیت میں یہ ہے کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے حصہ برادرانہ کروں نصف حسین مرزا و ریحم اور سجاد نصف میں مفلسوں کا مدار۔ حیات خیالات پر ہے۔ مگر اُسی خیالات سے اُن کا حسن طبیعت معلوم ہوجاتا ہے۔ والسلام خیر ختام

دوشنبہ دوم جمادی الاوّل ۱۲۷۶ھ مطابق ۲۸ نومبر وقت صبح ❖

ایضاً۔ میاں صبح کو تمہارے نام کا خط روانہ کیا۔ شام کو تمہارا ایک خط اور آیا۔ حضرت زبدۃ العلما کا اب تک وہاں نہ پہنچنا تعجب کی بات ہے۔ حق تعالیٰ اُن کو جہاں رہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ جب چاہیں وہاں پہونچیں میرا مقصود تو اتنا ہی ہے کہ قصیدہ گذرے۔ اور کچھ ہمارے تمہارے ہاتھ آئے لیکن کل کے خط کی پُشت پر جو سطریں ناظر جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اُس کے دیکھنے سے آس ٹوٹ گئی۔ کچھ ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔ املاک واقع شہر دہلی کے سوال کا جواب اگر بار قلم انداز ہوا مکرر اگر کہا جائیگا تو بیشک یہ جواب آئیگا کہ ہم نے تو عوض اُن مکانات کے یہ مکانات دیئے معاوضہ ہوگیا۔ بھائی میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی اور وہ سوا لاکھ

روپیہ جو علاوہ زر مقررہ ملا ہے وہ دلی کی املاک کا خونبہا ہے پرسوں ناظر جی کے نام کے سرنامے
میں فرد فہرست مجموع املاک بھیج چکا ہوں خیر یہ دار بھی خالی گیا۔ مولانا غالب علیہ الرحمۃ خوب
فرماتے ہیں ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اُس کی دیکھا چاہئے

تمہارے ماموں صاحب کی دستخطی تحریر نے جو میرا حال کیا ہے وہ کس زبان سے ادا کروں۔ ہے ہے
حسین مرزا اور یہ کہے کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ اور مجھ کمبخت سے اُس کا جواب سرانجام نہ
ہو سکے۔ بہت بڑا آسرا تھا اور سرکار کی خدمت نہ سہی۔ عُہدہ نہ سہی علاقہ نہ سہی۔ سو ڈیڑھ سو روپیہ
ورما ہہ مقرر ہو جانا کیا مشکل تھا۔ دلی کے آدمی خصوصاً امرائے شاہی ہر شہر میں بدنام اتنے ہیں
کہ لوگ اُنکے ساتھ بھاگتے ہیں۔ مرشد آباد بھی ایک سرکار تھی۔ حیدرآباد بہت بڑا گھر ہے مگر بے ذریعہ
و واسطہ کیونکر جائے اور جائے تو کس سے ملے کیا کہے۔ ناچار وہیں رہو۔ کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا
ہو جائے اور میں کہاں کی صلاح بتاؤں۔ وہ صاحب رہتک گئے ہیں کل یقین ہے کہ آ گئے ہونگے
مجھے ابھی خبر نہیں آئی۔ اگر مشیت الٰہی میں ہے تو دسمبر مہینے میں کچھ ظہور میں آجائیگا۔ نواب گورنر
جنرل بہادر یقین ہے کہ آج آگرہ میں رونق افروز ہو گئے الور۔ جے پور۔ دھولپور۔ گوالیار ٹونک۔
جاورہ چھ رئیسوں کی وہاں ملازمت کی خبر ہے خیر ہم کو کیا۔ لیث الدولہ حسین علی خان بہادر کی خدمت
میں میرا سلام نیاز اور شکر یاد آوری۔ مرقومہ صبح سہ شنبہ ۲۹ نومبر جمادی الاول بحساب جنتری ٭

ایضاً۔ میاں تمہارا خط رامپور پہنچا اور رامپور سے دلی آیا۔ میں ۲۳ شعبان کو رامپور سے چلا اور ۲۹ شعبان
کو دلی پہنچا۔ اُسی دن چاند ہوا۔ یکشنبہ رمضان کی پہلی آج دوشنبہ ۹ رمضان کی ہے سو نواں دن
مجھے یہاں آئے ہوئے ہے۔ میں نے حسین مرزا کو رامپور سے لکھا تھا کہ یوسف مرزا کو میرے
آنے تک الور نہ جانے دینا۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ میرا خط اُن کو تمہاری روانگی کے بعد پہنچا
جو مجھ کو اپنے ماموں کے مقدمہ میں لکھتے ہو۔ کیا مجھ کو اُن کے حال سے غافل اور اُن کی فکر سے فارغ
جانتے ہو۔ کچھ بنا ڈال آیا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو کوئی صورت نکل آئے۔ اب تم کہو کہ کب تک

آؤگے۔ صرف تمہارے دیکھنے کو نہیں کہتا شاید تمہارے آنے پر کچھ کام بھی کیا جائے۔ مظفر مرزا کا اور ہمشیرہ صاحبہ کا آنا تو کچھ ضرور نہیں شاید آگے بڑھ کر کچھ حاجت پڑے۔ بہر حال جو ہوگا وہ سمجھ لیا جائیگا۔ تم چلے آؤ۔ ہمشیرہ عزیزہ کو میری دُعا کہدینا مظفر مرزا کو دُعا پہنچے۔ بھائی تمہارا خط رامپور پہنچا۔ ادھر کے چلنے کی فکر میں جواب نہ لکھ سکا بخشی صاحبوں کا حال یہ ہے کہ آغا سُلطان پنجاب کو گئے۔ جگراؤں میں منشی رجب علی کے مہمان ہیں۔ صفدر سُلطان اور یوسف سلطان وہاں ہیں نواب مہدی علی خان بقدر قلیل بلکہ اقل کچھ اُن کی خبر لیتے ہیں۔ میر جلال الدین خوشنویس اور وہ دونوں بھائی باہم رہتے ہیں میں وہیں تھا کہ صفدر سلطان دلی کو آئے تھے۔ اب جو میں یہاں آیا تو سُنا کہ وہ میرٹھ گئے۔ خدا جانے رامپور جائیں یا کسی اور طرف کا قصد کریں۔ تباہی ہے۔ قہر الٰہی ہے مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا ورنہ چندروز اور رامپور میں رہتا۔ زیادہ کیا لکھوں راقم غالب مرقومہ دوشنبہ ۹ رمضان و ۲- اپریل۔

بنام منشی شیونرائن صاحب

صاحب خط پہنچا۔ اخبار کا لفافہ پہنچا۔ لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپنے کیوں تکلیف کی۔ لفافے بنانا دل کا بہلانا ہے۔ بیکار آدمی کیا کرے۔ بہر حال جب لفافے پہنچ جائینگے۔ ہم آپکا شکر بجا لائینگے ع ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ یہاں آدمی کہاں ہے کہ اخبار کا خریدار ہو۔ مہاجن لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ یہ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کہ گیہوں کہاں سستے ہیں۔ بہت سخی ہونگے تو جنس پوری تول دینگے کاغذ روپیہ مہینہ کا کیوں مول لینگے۔ کل آپکا خط آیا رات بھر میں نے فکر شعر میں خون جگر کھایا۔ ۲۱ شعر کا قصیدہ کہکر تمہارا حکم بجا لایا۔ میرے دوست خصوصاً میرزا تفتہ جانتے ہیں کہ میں فن تاریخ کو نہیں جانتا اس قصیدہ میں ایک روش خاص سے اظہار ۱۸۵۸ء کا کردیا ہے۔ خدا کرے تمہارے پسند آوے تم خود قدر دانِ سخن ہو۔ اور تین اُستاد اس فن کے تمہارے یار ہیں میری محنت کی داد ملجائیگی۔

قصیدہ

ملاذ کشور و لشکر پناہ شہر و سپاہ
جناب عالی ایلن برون والا جاہ

بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر
کہ باج تاج سے لیتا ہے جسکا طرف کلاہ

وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہان
نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جسکی نگاہ

وہ عین عدل کہ وہشت سے جسکی پرسش کے
بنے ہے شعلۂ آتش انیس پر کاہ

زمین سے سودۂ گوہر اٹھے بجائے غبار
جہان ہو توسن حشمت کا اُسکے جولان گاہ

وہ مہربان ہو تو انجم کہیں الٰہی شکر
وہ خشمگین ہو تو گردون کہے خدا کی پناہ

یہ اُسکے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش
کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہر سر راہ

ہژبر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا
کبھی جو ہوتی ہے اُلجھی ہوئی دم روباہ

نہ آفتاب و لے آفتاب کا ہم چشم
نہ بادشاہ و لے مرتبہ میں ہمسر شاہ

خدا نے اُس کو دیا ایک خوبرو فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوے ماہ

زہے ستارۂ روشن کہ جو اُسے دیکھے
شعاع مہر درخشان ہو اُس کا تار نگاہ

خدا سے ہے یہ توقع کہ عہد طفلی میں
نہ ہوگا شرق سے تا غرب اسکا باز نگاہ

جوان ہو کے کریگا یہ وہ جہانبانی
کہ تابع اسکے ہوں روز و شب سپید و سیاہ

کہے گی خلق اسے داور سپہر شکوہ
لکھینگے لوگ اسے خسرو ستارہ سپاہ

عطا کرے گا خداوند کارساز اسے
روان روشن و خوئے خوش و دل آگاہ

ملیگی اس کو وہ عقل نہفتہ دان کہ اسے
پڑے نہ قطع خصومت میں احتیاج گواہ

یہ ترکتاز سے برہم کریگا کشور روس
یہ لیگا بادشہ چین سے چھین تخت و کلاہ

سنین عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھاون
یہ چاہتے ہیں جہاں آفرین سے شام و پگاہ

یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جاویں
دراز اس کی ہو عمر اسقدر سخن کوتاہ

امیدوار عنایات شیونارائن — کہ آپکا ہے نمک خوار اور دولت خواہ
یہ چاہتا ہے کہ دُنیا میں عز و جاہ کیساتھ — تمہیں اور اسکو سلامت رکھے سدا اللہ

ایضاً شفیق میرے مکرم میرے منشی شیونارائن صاحب تم ہزاروں برس سلامت رہو تمہارا مہربانی نامہ اسوقت پہنچا اور میں نے اُسی وقت جواب لکھا بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ دو جزو یا چار جزو کی ہو۔ چھ جزو سے کتاب کم نہ ہو مسطر دس گیارہ سطر ہو مگر حاشیہ تین طرف بڑا رہے شیرازہ کی طرف کا کم ہو۔ یہ باتیں سب میرزا تفتہ کو لکھ چکا ہوں۔ اُس یار بے پروا نے تم سے شاید کچھ نہیں کہا۔ اسکے سوا یہ ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو۔ غلط نامہ کی حاجت نہ پڑے۔ آپ خود متوجہ رہیئے گا۔ اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہئے گا تو وہ بھی شریک رہینگے اور میرزا تفتہ تو مالک ہی ہیں۔ کاغذ شیورام پوری ہو خیر مگر سفید و مہرہ کیا ہُوا اور لعاب دار ہو۔ پھر یہ ہو کہ حاشیہ پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اُس کی طرز تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیہ کا قلم بہ نسبت متن کے قلم کے خفی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان جلدوں میں سے دو جلدیں ولایت کو جائینگی۔ ایک جناب فیض مآب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر اور ایک میرے آقائے قدیم لارڈ ایلن برا بہادر کی نذر۔ اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نذر کروں گا میرزا تفتہ کو پانچ جلدوں کو لکھا تھا لیکن اب چھ جلدیں تیار کر دیجئے گا۔ یعنی شیرازہ اور جدول اوران چھ جلدوں کی جو لاگت پڑے۔ ایک روپیہ جلد سے لیکر دو روپیہ جلد تک وہ مجھ سے منگوا بھیجئے گا میں بمجرد طلب کے فوراً ہنڈوی بھیج دونگا۔ ایک خریدار پچاس جلد کے وہاں پہنچے ہیں واسطے خدا کے مرزا تفتہ سے کہئے کہ اُن سے ملیں یعنی راجہ امید سنگھ بہادر اندور والے وہ چھلی انیٹ میں پولس کے پچھواڑے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپکا خط آگیا اور میرزا تفتہ نے مجھے پارسل کی رسید نہیں لکھی۔ اب میرا خط فارسی اپنے نام کا اور یہ خط دونوں خط اُن کو دکھا دیجئے گا اور راجہ امید سنگھ سے ملنے کو کہئے گا۔ اور ہاں صاحب یہ اُن کو تاکید کیجئے گا کہ وہ رباعی جو میں نے لکھ بھیجی ہے اُس کو سب سے پہلے جہاں اُس کا نشان دیا ہے اُسی فقرے کے آگے ضرور ضرور اور وہ رُباعی

بیسویں صفحہ میں اس فقرہ کے آگے ہے نے نے اختر بخت خسرو دربلندی بجائے رسید کر رخ از خاکیان نہفت۔ تم اُن کو یاد دلا کر اُن سے لکھوا لینا ضرور ضرور۔ یہ جو تم نے لکھا کہ صاحب سُن کر اُس کو پسند کیا میں حیران ہوں کہ کونسا مقام تم نے پڑھا ہوگا کیونکر کہوں کہ صاحب اس عبارت کو سمجھے ہونگے اسکی جو حقیقت ہو مفصل لکھو۔ زیادہ زیادہ راقم اسداللہ۔ سہ شنبہ ۱۳ ماہ اگست ۱۸۵۵ء۔ ضروری جواب طلب ۞

ایضاً۔ مہاراج سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہرگوپال صاحب نے مجھ کو خط لکھنا کیوں چھوڑا اگر مجھ سے خفا ہیں تو کیوں خفا ہیں اور اگر شہر میں نہیں تو کہاں گئے اور کیوں گئے ہیں۔ اور کب تک آئینگے آپ مہربانی فرما کر یہ امور مجھ کو لکھ بھیجئے۔ اس سے علاوہ ایک رباعی مرزا تفتہ کو بھیجی ہے اور اُنکا لکھا ہے کہ اُس کو دستنبو میں فلاں جگہ درج کر دینا اور ایک دو فقرے بھائی منشی نبی بخش صاحب کو لکھے ہیں اور اُن کو بھی دستنبو میں لکھنے کا محل بتا دیا ہے۔ میں نہیں جانتا اُن دونوں صاحبوں نے میرے کہنے پر عمل کیا اور اُنہوں نے نظم کو اور اُنہوں نے نثر کو کتاب کے حاشیہ پر چڑھا دیا یا نہیں تم سے بہزار آرزو خواہش کرتا ہوں کہ اگر وہ رباعی اور وہ فقرے حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں تو مجھ کو اُن کے لکھے جانے کی اطلاع دیجئے کہ تشویش رفع ہو۔ اور اگر اُن دونوں صاحبوں سے بے پروائی کی ہے تو واسطے خدا کے آپ میرزا تفتہ سے رباعی اور منشی نبی بخش صاحب سے دونوں فقرے لے لیجئے اور محل تحریر میرے خط سے معلوم کر کے جا بجا حاشیہ پر رقم کیجئے اور مجھ کو اطلاع دیجئے ضرور ضرور۔ ایک اور کام آپ کو کرنا چاہئے کہ شاید تیسرے صفحے کے آخر میں یا چوتھے صفحہ کے اوّل میں یہ فقرہ ہے۔ اگر ور دم دگر بہ نہیب مباش بہم بر وند۔ نہیب کا لفظ عربی ہے یہ سہو سے لکھا گیا ہے اس کو چھیل ڈالئے اور اسکی جگہ نوائے مباش بنا دیجئے گا حقیقت لکھ کر۔ اب سوالات الگ الگ لکھتا ہوں۔ پہلا سوال میرزا تفتہ کا حال اور اُن کے خط نہ آنیکی وجہ لکھئے دوسرا سوال میرزا تفتہ نے اگر رباعی دستنبو کے حاشیہ پر لکھدی ہے تو اُس کی اطلاع ورنہ اُن کے نام کے خط سے رباعی اور تحریر کا حال

معلوم کرکے آپ حاشیہ پر لکھدیں۔ اور مجھ کو اطلاع دیں۔ تیسرا سوال منشی نبی بخش صاحب نے اگر میری بھیجی ہوئی نثر درج کردی ہے تو اُس کی اطلاع ورنہ اُن سے لیکر اور محل معلوم کرکے حاشیہ کتاب پر لکھ دیجئے اور مجھ کو لکھ بھیجئے۔ چوتھا سوال اب جس طرح لکھ آیا ہوں نہیب کی جگہ نوا کا لفظ بنا کر مجھ کو عنایت کیجئے۔ پانچواں سوال۔ خریدار پچاس جلدوں کے پہنچے میرزا تفتہ سے ملے روپیہ پچاس جلد کی قیمت کا دیا یا ہنوز یہ امور وقوع میں نہیں آئے اسکی اطلاع ضرور دیجئے۔ چھٹا سوال۔ چھاپا شروع ہوگیا یا نہیں۔ اگر شروع نہیں ہوا تو کیا سبب متوقع ہوں کہ میرے یہ سب کام از راہ عنایت بنا کر ان چھ سوال کا جواب اسی طرح جُدا جُدا لکھئے اور ضرور لکھئے اور جلد لکھئے۔ راقم اسداللہ خان روز جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ نُور بصر لخت جگر منشی شیونرائن کو دُعا پہنچے۔ خط اور رپورٹ کا لفافہ پہنچا اور سب حال تمہارے خاندان کا دریافت ہوا سب میرے جگر کے ٹکڑے ہیں اور تم اپنے دودمان کے چشم و چراغ ہو العطیۃ طاقۃ۔ شوق سے لکھو۔ آخر کے صفحہ کی دو سطریں از روئے مضمون سراسر کتاب مضمون کے خلاف ہیں۔ میں نے سرکار کی فتح کا حال نہیں لکھا۔ صرف اپنے پندرہ مہینے کی سرگذشت لکھی ہے تقریباً شہر و سپاہ کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اور وہ اپنی سرگذشت جو مہینے لکھی ہے سو ابتداء ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر ستمبر میں فتح ہوا۔ اس کا بھی بیان ضمناً آگیا۔ خوب ہوا جو تم نے مجھ سے پوچھا ورنہ بڑی قباحت ہوتی۔ اب میں جس طرح سے کہوں سو کرو۔ پہلے سوچو کہ تقسیم یوں ہے کہ تین سطریں اوپر اور تین سطریں نیچے اور بیچ میں ایک سطر اس میں کتاب کا نام کیوں میاں تقسیم یوں ہی ہے۔ اب میں دوسرے صفحہ پر ساتوں سطریں لکھ دیتا ہوں اُسکو ملاحظہ کرو اور میرا کہنا مانو۔ ورنہ کتاب کی حقیقت غلط ہوجائیگی اور مطبع پر بات آئیگی۔ اس صفحہ میں دو ایک باتیں اور سمجھا دوں کہ وہ ضروری ہیں سُنو میری جان نوابی کا مجھ کو خطاب ہے۔ نجم الدولہ اور اطراف و جوانب کے امرا سب مجھ کو نواب لکھتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی چنانچہ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے جو ان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے تو لفافہ پر نواب اسداللہ خان

لکھا لیکن یہ یاد رہے نواب کے لفظ کے ساتھ میرزا یا میر نہیں لکھتے یہ خلاف دستور ہے یا نواب اسداللہ خان لکھو یا میرزا اسداللہ خان لکھو اور بہادر کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے ۔

ایضاً ۔ برخوردار نور چشم منشی شیونرائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو ۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھ سے سنو تمہارے دادا کے والد عہد نجف خان ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خان کے رفیق تھے ۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر خانصاحب کے ساتھ ہیں اور انہوں نے جو کٹھم گانوں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعوی کیا تو منشی بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں میں اور وہ ہم عمر تھے ۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں انیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر ان کی باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت آدھی آدھی رات گذر جاتی تھی چونکہ گھر ان کا بہت دور نہ تھا اسواسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے تھے بس ہمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے درمیان میں تھے ۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھمی چند سیٹھ نے مول لی ہے اسی کے دروازہ کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اُس کے ایک کھٹیا والی حویلی اور سلیم شاہ کے تکیہ کے پاس دوسری حویلی اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اُس سے آگے بڑھ کر ایک کٹرہ کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا اور ایک کٹرہ کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے واصل خان نامی ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا وہ دو کٹروں کا کرایہ اوگا کر اُنکے پاس

جمع کروا تا تھا سنو تو سہی تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ہے علاقے مول لئے تھے۔ اور زمینداره
اپنا کر لیا تھا۔ دس بارہ ہزار روپے کی سرکار کی مالگذاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے
ہاتھ آئے یا نہیں اس کا حال ازروئے تفصیل جلد مجھ کو لکھو۔ اسد اللہ روز سہ شنبہ ١٩۔ اکتوبر
وقت ورود خط۔

ایضاً۔ برخوردار اقبال نشان منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو تمہارے دو خط پہنچے
میرے بھی دو خط پس و پیش پہونچے ہونگے موافق اُس تحریر کے عمل کیا ہو گا۔ دو جلدیں پُر تکلف
اور پانچ جلدیں بہ نسبت اُس کے کم تکلف مرزا حاتم علی صاحب کے عہد اہتمام میں ہیں اُس
سے ہم کو اور تم کو کچھ کام نہیں وہ جیسی چاہیں بنوا کر بھیجدیں۔ تم ایک جلد بس زیادہ صرف کیوں
کرو۔ اپنے طور پر اپنی طرف سے جیسی چاہو بنوا کر بھیجدو میں تم کو اپنے پیارے ناظر بنسی دھر کی
نشانی جانتا ہوں۔ اُس کو تمہاری نشانی جان کر اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ باقی حال اپنے
خاندان اور تمہارے خاندان اور باہم مل کر اپنا اور بنسی دھر کا بڑے ہونا سب تم کو لکھ چکا ہوں
مکرر کیوں لکھوں۔ بادشاہ کی تصویر کی یہ صورت ہے کہ اُجڑا ہوا شہر نہ آدمی نہ آدم زاد۔ مگر
ہاں دو ایک مصوروں کی آبادی کا حکم ہو گیا ہے وہ رہتے ہیں سو وہ بھی بعد اپنے گھر کے
لٹنے کے آباد ہوئے ہیں۔ تصویریں بھی اُن کے گھروں میں سے لٹ گئیں جو کچھ رہیں وہ
صاحبان انگریز نے بڑی خواہش سے خرید کرلیں ایک مصور کے پاس ایک تصویر ہے وہ تیس
روپیہ سے کم کو نہیں دیتا۔ کہتا ہے کہ تین تین اشرفیوں کو میں نے صاحب لوگوں کے ہاتھ
بیچی ہیں تم کو دو اشرفی کو دونگا۔ ہاتھی دانت کی تختی پر وہ تصویر ہے میں نے چاہا کہ اُسکی نقل
کاغذ پر اُتار دے اُسکے بھی بیس روپیہ مانگتا ہے اور پھر خدا جانے اچھی ہو یا نہ ہو۔ اتنا صرف
بیجا کیا ضرور ہے میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے اگر کہیں سے ہاتھ آجائیگی تو
لیکر تم کو بھیجدوں گا مصوروں سے خرید کرنے کا نہ خود مجھ میں مقدور نہ تمہارا نقصان منظور۔
اب چھاپا تمام ہو گیا ہو گا وہ پانچ اور دو سات کتابیں جو میرزا صاحب کی تحویل میں ہیں

وہ اور وہ ایک جلد جو تم نے مجھ کو دینی کی ہے وہ یہ سب لوح اور جلد کی درستی کے بعد پہونچ جائینگی۔ مگر وہ چالیس کتابیں سراسری جو مجھے چاہئے ہیں وہ تو آجکل میں روانہ کرو اور ہاں میری جان یہ چالیس کتابوں کا پشتارہ کیونکر پہنچے اور محصول اس کا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ دس جلدیں رائے امید سنگھ کے پاس کہاں بھیجی جائینگی۔ میرزا تفتہ ہاتھرس کو جاتے ہوئے اُن کا اندور نہ ہونا اور شاید پھر آگرہ اور دلی کا آنا مجھ کو لکھ چکے ہیں۔ ان باتوں کا جواب مجھ کو لکھو تصویر کے باب میں جو کچھ لکھو وہ کروں اور ان مقدمات سے اطلاع پاؤں جواب جلد لکھو اور مفصل لکھو۔ از غالب۔ نگاشتہ و روان واشتہ شنبہ ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء۔

ایضاً۔ میاں تمہارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا۔ اگر مجھ کو کبھی انگریزی لکھوانا ہوگا تو یہاں سے اُردو میں لکھ کر بھیج دونگا تم وہاں سے انگریزی لکھ کر بھیج دیا کرنا۔ قصہ قاصدان شاہی میں نے دیکھا۔ اصلاح کے باب میں سوچا کہ اگر سب فقروں کو مقفیٰ اور عبارت کو رنگین بنانے کا قصد کروں تو کتاب کی صورت بدل جائیگی۔ اور شاید تم کو بھی یہ منظور نہ ہو۔ ناچار اس پر قناعت کی کہ جو الفاظ ٹکسال سے باہر تھے وہ بدل ڈالے۔ مثلاً ویسے کو کہ یہ گنوار و بولی ہے وہ یہ ٹھیٹ اُردو ہے۔ کرآتا یہ پیر و سنجات کی بولی ہے۔ کرجاتا یہ فصیح ہے۔ راجے یہ غلط ہے۔ راجہ صحیح ہے کہیں کہیں روابط و ضمائر نامربوط تھے اُن کو مربوط کر دیا ہے۔ ایک جگہ گھینے بیسے۔ یہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا اس کو تم سمجھ لینا۔ باقی اور سب مربوط اور خوب صاف ہے۔ حاجت اصلاح کی نہیں صاحب کتابیں کب روانہ ہونگی۔ وہ والی بھی ہولی۔ اگر گنگا جانے کا قصد ہو تو بھائی میری کتابیں بھیج کر جانا۔ اور ہاں یہ میں نہیں سمجھا کہ مرزا مہر کی بنائی ہوئی سات کتابیں بھی انہیں کتابوں کے ساتھ بھیجو گے یا وہ اپنے طور پر مجھ کو روانہ کرینگے۔ وہ تم نے اپنی بنوائی ہوئی کتاب کا آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ سے یہ بات تراوش کرتی تھی کہ سادہ کتابیں پہلے روانہ ہونگی اور وہ ایک کتاب ہفتہ کے بعد سو وہ ہفتہ بھی گذر گیا۔ یقین ہے کہ اب وہ سب یکجا پہنچیں اور شاید کل پرسوں

آ جائیں وہ پرچہ اخبار کا جو تم نے مجھ کو بھیجا تھا اُس میں الفنسٹن صاحب کے لفٹنٹ ہونیکی اور بہت جلد آگرہ آنیکی خبر لکھی تھی۔ یہاں مجھ کو کئی باتیں پوچھنی ہیں ایک تو یہ کہ چیف سکرٹر نواب گورنر جنرل کے تھے۔ جب یہ لفٹنٹ گورنر ہوئے تو اب وہاں چیف سکرٹر کون ہوگا۔ یقین ہے کہ ولیم میور صاحب اس عُہدہ پر مامور ہوں پس اگر یُوں ہی ہے تو انکے محکمہ میں چیف سکرٹر کون ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ میر منشی ان کے تو وہی منشی غلام غوث خاں صاحب رہینگے یقین ہے کہ ان کے ساتھ آویں تیسری بات یہ کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے میر منشی ایک بزرگ تھے بلگرام کے رہنے والے منشی سید جان خان۔ آیا اب بھی وہی ہیں یا اُن کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں۔ ان سب باتوں میں سے جو آپکو معلوم ہوں وہ اور جو نہ معلوم ہو اسکو معلوم کر کے مجھ کو لکھئے اور جلد لکھئے اور ضرور لکھئے۔ یقین تو ہے کہ تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیوں پوچھتا ہوں کتابیں جا بجا بھیجنی ہیں جب تک نام اور مقام معلوم نہ ہو تو کیونکر بھیجوں جواب لکھو اور شتاب لکھو۔ کتابیں بھیجو اور جلد بھیجو سہ شنبہ ۹۔ نومبر ۱۸۵۸ء +

ایضاً۔ برخوردار کامگار منشی شیونراین طال عمرہٗ و زاد قدرہٗ۔ کل جمعہ کے دن ۱۲ نومبر کو ۳۲ کتابیں آ گئیں میں بہت خوش ہُوا اور تم کو دعائیں دیں۔ خط تمہارے نام کا ابھی میرا کہار ڈاک میں لیگیا ہے۔ اس رقعہ کی تحریر سے مقصود یہ ہے کہ میاں عبد الحکیم بہت نیک بخت اور اشراف اور ہنرمند آدمی ہیں۔ دلی گزٹ میں حرفوں کے چھاپنے کا کام کیا کرتے تھے چونکہ وہ چھاپہ خانہ اب آگرہ میں ہے یہ بھی وہیں آتے ہیں تمہارے پاس حاضر ہونگے ان پر مہربانی رکھنا بھلا وہ شہر بیگانہ ہے ان کو تمہاری خدمت میں شناسائی رہیگی تو اچھی بات ہے۔ صحافی کا کام بھی بقدر ضرورت کر سکتے ہیں شاید اگر دہلی گزٹ میں ان کا طور درست نہ ہو تو اُس صورت میں بشرط گنجایش اپنے مطبع میں ان کو رکھ لینا۔ راقم اسد اللہ نگاشتہ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء +

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا دل خوش ہُوا۔ دیکھئے مرزا مہر کب روانہ کرتے ہیں۔ اگر بھیج چکے ہیں تو یقین ہے کہ آج یہاں آ پہونچیں آج نہ آئیں کل آئیں۔ کل سے میں شام تک راہ دیکھتا

ہوں۔ پھر نیم ماہ نہیں اُس کا نام مہر نیمروز ہے اور وہ سلاطین تیموریہ کی تواریخ ہے۔ اب تو بات
ہی گئی گذری بلکہ وہ کتاب اب نہ چھاپنے کے لائق ہے نہ چھپوانے کے قابل۔ اردو کے
خطوط جو آپ چھپایا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم
سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اُس کی شہرت میری سخنوری
کے شکوہ کے منافی ہے اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں
پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھپانا میرے خلاف طبع ہے۔ محررہ پنجشنبہ
۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے۔ کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر ۱۸۵۸ء کو سات کتابوں کے
وہ پارسل پہنچے۔ واقعی کتابیں جیسا کہ میرا جی چاہتا تھا اسی روپیہ کی ہیں۔ حق تعالیٰ میرزا مہر
کو سلامت رکھے رقعوں کے چھاپنے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں۔ البتہ اس باب
میں میری رائے پر تم کو اور میرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہے۔ مطلب عمدہ جو اس خط کی تحریر سے
متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جو کتاب تم نے بنوائی ہے اور میں نے تم کو لکھا تھا کہ پہلے ورق کے
دوسرے صفحے پر انگریزی عبارت لکھ کر بھیجنا خدا کرے وہ عبارت تم نے لکھی ہو۔ اگر لکھی
ہو تو ناچار اور اگر نہ لکھی ہو تو اب نہ لکھنا اور سادہ رہنے دینا اور اسی طرح میرے پاس
بھیج دینا یہ بھی معلوم رہے کہ اب ان کتب کی تقسیم اُس کتاب کے آنے تک ملتوی رہیگی
اور وہ کتاب میرے پاس جلد پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ ۲ نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب بلکہ کتاب طلب

ایضاً۔ صاحب تم کندھولی سے کب آئے اور جب آئے تو وہ میرا خط پایا کہ جس میں بات
سو روپیہ کی ہنڈوی ملفوف تھی پایا یا نہیں پایا۔ اگر پایا تو موافق اُس تحریر کے عمل کیوں نہ فرمایا
اور اُس خط میں ایک مطلب جواب طلب تھا اس کا جواب کیوں نہ بھجوایا۔ اچھا اگر تم ایک
آدھ دن کے واسطے کندھولی گئے تھے تو کارپردازان مطبع نے خط لیکر رکھ چھوڑا ہوگا
اور جب تم آئے ہوگے تو وہ خط تمہیں دیا ہوگا پھر کیا سبب جو تم نے جواب نہ لکھا یا ابھی کندھولی ہو

سے تم نہیں آئے یا وہ خط میرا تلف ہو گیا۔ تاریخ تحریر خط مجھے یاد نہیں۔ اب یہ لکھتا ہوں کہ اگر خط پہنچا تو مجھ کو خط کی اور ہنڈوی کی رسید اور میرے سوال کا جواب لکھو اور اگر خط نہیں پہنچا تو اس کی تدبیر بتاؤ کہ اب میں ساہوکار سے کیا کہوں اور ہنڈوی کا ثنی کس طرح سے مانگوں۔ اسد اللہ مضطرب روز شنبہ ۳ نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب شتاب طلب

ایضاً۔ صاحب تم خط کے جواب نہ بھیجنے سے گھبرا رہے ہو گے۔ حال یہ ہے کہ قلم بنانے میں میرا ہاتھ انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے۔ بہرحال اب اچھا ہوں۔ پنج آہنگ تم نے مول لے لی۔ اچھا کیا۔ وہ چھاپے ہیں ایک بادشاہی چھاپے خانے کا اور ایک منشی نورالدین کے چھاپہ خانے کا۔ پہلا ناقص ہے دوسرا سراسر غلط ہے۔ کیا کہوں تم سے ضیاء الدین خان جاگیردار لوہارو میرے نسبتی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا وہ اُنھوں نے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ کلیات نظم فارسی چون چھپن جزو اور پنج آہنگ اور مہر نیم روز اور دیوان ریختہ سب مل کر سو سوا سو جزو مسطر اور مذہب اور انگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپیہ کے صرف میں بھائی میری بخاطر جمع کر کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شاہزادہ نے اُس مجموعے نظم و نثر کی نقل لی۔ اب وہ جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوان یغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے کہیں سے اُن میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ قلمی فارسی کا کلیات قلمی ہندی کا کلیات قلمی پنج آہنگ قلمی مہر نیم روز۔ اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آوے تو اُس کو میرے واسطے خرید کر لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگوا لونگا۔ جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ اُن کی فرمایش ہے اُردو کی نثر وہ انجام پائے تو اُس کے ساتھ اُن کو خط لکھوں مگر بھائی تم غور کرو اُردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا۔ اور اُس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھروں گا ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں کونسی بات

کونسی کہانی کونسا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں تمہاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ ایک قرینہ سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شاید گورنمنٹ سو دو سو دستنبو کی خریداری کریگی اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا بعید ہے کہ ہفتہ دو ہفتہ میں تمہارے پاس الہ آباد سے حکم پہنچے۔ روز دوشنبہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر دیر سے لکھو اگر شتاب نہیں لکھتے تمہارا خط آیا اس کے دوسرے دن میں نے جواب بھجوایا۔ آجتک تم نے اس کا جواب نہ بھیجا۔ حال آنکہ اس میں جواب طلب باتیں تھیں یعنی میں نے اپنی نظم نثر کی کتب کا حال تم کو لکھ کر تم سے یہ استدعا کی تھی کہ قلمی جو نسخہ تمہارے ہاتھ آجائے وہ تم خرید کر کے مجھے بھیج دینا۔ ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اردو کی نثر ان کیواسطے لکھ لونگا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کرونگا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں۔ تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔ سید حفیظ الدین احمد کی مہر کے کھدوانے کو تم نے لکھا تھا کہ ملتوی رہے پھر اس کا بھی کچھ بیورہ نہ لکھا میں اس کو بھی کچھ نہیں سمجھا اسکو سمجھ کر و۔ ہاں تاں تو کچھ لکھ بھیجو۔ تمہاری مہر بدر الدین علی خان کو دی گئی ہے۔ یقین تو یہ ہے کہ اسی دسمبر کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائے اور ۱۸۵۸ سن کھدیں۔ شاید کچھ دیر ہو تو جنوری ۱۸۵۹ء میں کھدے اس سے زیادہ درنگ نہ ہو گی۔ تم کو روپیہ حرف سے آٹھ آنے حرف سے کیا علاقہ تم کو اپنی مہر سے کام سچ تو کہو کیا پھر کند ھولی گئے ہو کیا کر رہے ہو کس شغل میں ہو یا مجھ سے خفا ہو اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو خفگی کی وجہ لکھو۔ بہر حال اس خط کا جواب شتاب بھیجو۔ اور اسی خط میں بعد ان سب باتوں کے جواب کے مولوی قمر الدین خان کا حال لکھو کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں برسر کار ہیں یا بیکار ہیں اچھا میرا بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو۔ زیادہ کیا لکھوں۔ غالب۔ مرسلہ چہار شنبہ ۱۵ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار آج اسوقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا بھائی

میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے از مقام و در مقام یہ تاریخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیئے۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کر ان کی عوض یہ لفافے جو در مقام و از مقام سے خالی ہیں جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو مجھ کو بھیجدو اور یہ لفافے اُس کے عوض مجھ سے لیلو اور اگر اس طرح کے لفافے نہ ہوں تو اُن کی کچھ ضرورت نہیں۔ مُہر کے واسطے صاحب زُمرد کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کی برابر اور ہشت پہلو۔ اس اُجڑے شہر میں کہاں ملیگا عقیق بہت خوش رنگ سیاہ یا سُرخ جیسا تم نے آگے لکھا ہے ہشت پہلو ہوگا۔ یہ مُہر میری طرف سے تم کو پہنچے گی تم کو مہر حرف اسد حرف سے کچھ مدعا نہیں آپ اپنی مُہر چاہو زُمرد پہ چاہو الماس پہ کھُدوا ؤ میں تو عقیق کی مُہر تم کو دونگا رہی وہ دوسری مُہر جب تمہاری مُہر کھُد چکے گی جس طرح تم کہو گے کھُد جائیگی۔ میاں کیا قرینہ بتاؤں گورنمنٹ کی خریداری کا ایک بات ایسی ہے کہ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا خدا کرے اُس کا ظہور ہو جائے ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اُردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کرسکتا ہوں۔ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اُردو بہ نسبت اوروں کے اُردو کے فصیح ہوگا۔ خیر بہرحال کچھ کرونگا اور اُردو میں اپنا زورِ قلم دکھاؤں گا۔ قے کا ہونا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے کہ تم نے رات کو بُری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی کچھ تبرید کرو۔ اور شراب زیادہ نہ پیا کرو۔ میرا رقعہ تمہارے نام کا اور تفتہ کا رقعہ تمہارے نام کا حسب الحکم تمہارے واپس بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تفتہ کا خفا ہونا اسی طرح لکھا تھا جیسا تم کو تمہارا خفا ہونا لکھا تھا۔ بھلا وہ میرے فرزند کی جگہ ہیں مجھ سے خفا کیوں ہونگے۔ اُس دن سے آج تک دو تین خط اُن کے آچکے ہیں چنانچہ ایک خط ابھی تمہارے خط کے ساتھ ڈاک کا ہرکارہ دے گیا ہے محررہ شنبہ ۱۸۔ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اب ایک امر خاص کو سمجھو دو جلدیں دستنبو کی مجھ کو لکھنؤ بھیجنی ہیں اور میرے پاس کوئی جلد نہیں ہے۔ اب جو تم سے منگاؤں اور یہاں سے لکھنؤ بھجواؤں تو ایک قصہ ہے یہ

صاحب لوگ اطراف وجوانب سے مجھ پر فرمائشیں بھیجتے ہیں۔ تم سے بقیمت کوئی نہیں منگواتا
چالیس جلدیں پہلی اور بارہ یہ حال کی سب تقسیم ہوگئیں۔ ان دونوں صاحبوں کی خاطر مجھ کو
بہت عزیز ہے ایک روپیہ کے ۳۲ ٹکٹ اور ۲ ر کے دو ٹکٹ اس خط میں ملفوف کرکے تم کو
بھیجتا ہوں دو پارسل الگ الگ لکھنؤ کو ارسال کرو آنے آنے کے ٹکٹ اس پر لگا دو۔ ایک
پارسل پر یہ لکھوائیں پارسل بصیغہ ہیم فلٹ پاکٹ اسٹامپ پیڈ در لکھنؤ بہ محلہ نخاس در امام باڑہ
اکرام اللہ خان بمکان میرزا عنایت علی بخدمت میر حسین علی صاحب بسید مرسلہ شیو نرائن مہتمم مطبع
مفید خلائق از آگرہ۔ دوسرے پارسل پر بھی یہی عبارت۔ مگر مکان کا پتہ اور نام اور در لکھنؤ
بہ احاطہ خانساماں متصل تکیہ شیر علی شاہ بمکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بخدمت مولوی سراج الدین
احمد صاحب پارسید بھیجئے یعنی دو پارسل اسٹامپ پیڈ دونوں لکھنؤ کو ایک بنام میر حسین علی
اور ایک بنام سراج الدین احمد بسبیل ڈاک روانہ کرو۔ اور ہاں صاحب ان دونوں پارسلوں
کی روانگی کی تاریخ مجھ کو لکھ بھیجو۔ تاکہ میں اپنے خط میں ان کو اطلاع دوں ایک امر اور ہے
اگر تم بھی اس رائے کو پسند کرو یعنی جس طرح سے تم نے ایک جلد مہری اسٹوورٹ ریڈ صاحب
کو اپنی طرف سے بھیجی ہے اسی طرح دو جلدیں ان دونوں صاحبوں کو جن کا نام کاغذ میں لکھا
ہوا ہے بھیجو مگر اپنی ہی طرف سے میرا اس میں اشارہ نہ پایا جاوے اور یہ دونوں صاحب
بالفعل دلی میں وارد ہیں یہ بات ایسی نہیں ہے کہ خواہی نخواہی اس کو کیا ہی چاہئے ایک صلاح
ہے اور نیک صلاح ہے۔ مناسب جانو کرو ورنہ جانے دو میاں اردو کیا لکھوں میرا یہ منصب
ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔ کتاب
نام کو میرے پاس نہیں پنشن مل جائے حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں پیٹ پڑیں
روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں۔ زیادہ زیادہ غالب روز سہ شنبہ ۴ جنوری ۱۸۵۹ء جواب طلب

ایضاً۔ پرسوں اور کل دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں۔ کیا کہوں کہ مجھ پر
بے سابقہ معرفت کیا عنایت فرمائی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ گویا مجھ کو مول لے لیا۔ آج وہ یہاں

اور یہیں کل جائینگے دستنبو تمہاری بھیجی ہوئی اُن کے پاس نہیں پہنچی ناچار ایک دستنبو اور ایک پنج آہنگ اپنے پاس سے اُن کی نذر کرآیا ہوں۔ لکھنؤ کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہوگی۔ ڈاک میں سے معلوم کر کے مجھ کو لکھ بھیجو۔ دیر نہ کرو۔ ورنہ میں مشوش رہونگا۔ از غالب نگاشتہ صبح شنبہ ۱۵ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے۔ اُردو کے دیوان چھاپے کے ناقص ہیں بہت غزلیں اس میں نہیں ہیں۔ قلمی دیوان جو اتم اور اکمل تھے وہ لُٹ گئے۔ یہاں سب کو کہہ رکھاہے کہ جہاں بکتا ہُوا نظر آجائے لیلو۔ تم کو بھی لکھ بھیجا اور ایک بات اور تمہارے خیال میں رہے کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذ و نادر ہے۔ بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی جس غزل کے تم نے پانچ شعر لکھے ہیں یہ نو شعر کی ہے ایک دوست کے پاس اُردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے اُسنے کہیں کہیں سے مسودات متفرق بہم پہنچا لئے ہیں چنانچہ پنہاں ہوگئیں ویران ہوگئیں یہ غزل مجھ کو اُسی سے ہاتھ آگئی ہے اب میں نے اُسکو لکھا ہے اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر رہنے دونگا جب اُس کے پاس سے ایک غزل آجائیگی تو اسی خط میں ملفوف کر کے بھیج دونگا یہ خط یا آج روانہ ہوجائے یا کل میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربی قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح میں اور ایک قصیدہ جناب منٹگمری لفٹنٹ گورنر بہادر ملک پنجاب کی تعریف میں لکھاہے اگر کہو تو یہ بھیجدوں مگر فارسی ہیں اور چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس شعر ہیں کتب دستنبو کے بک جانے سے میں خوش ہُوا۔ خدا کرے جس کو دی ہو دو تین غلطیاں جو معلوم ہیں وہ بنادی ہوں یہ نہ معلوم ہُوا کہ صاحب لوگوں نے خریدیں یا ہندوستانیوں نے لیں تم یہ بات مجھ کو ضرور ضرور لکھو۔ دیکھو صاحب تم گھبراتے تھے آخر یہ جنس پڑی نہ رہی اور بک گئی۔ بھائی ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہوگیا۔ لاکھوں مرگئے جو زندہ ہیں اُن میں سیکڑوں گرفتار بند بلا ہیں جو زندہ ہے اُس میں مقدور نہیں۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی

ہوگی یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں گئی ہونگی۔ پورب میں کم بکی ہونگی۔ میاں میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں۔ خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے تمہاری جگہ میرے دل میں ہے اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں اور جو غزل تم نے بھیجی ہے اُس کو لکھتا ہوں خدا کرے نو کے نو شعر یاد آجاویں ۔

غزل

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جسکے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے
وگرنہ خوف بد آموزیِ عدو کیا ہے

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس اُمید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے

ہُوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہ تمہارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آگئے ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں تین ہفتہ کا گودام تمہارے پاس فراہم ہوگیا اگر منگوائے گئے تو قصیدے دونوں بھیجدوں گا مرقومہ سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء ۔

ایضاً ۔ بھائی حاشا ثم حاشا اگر یہ غزل میری ہو۔ مصرع ع اسد اور لینے کے دینے پڑے۔ اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے بھی اُن سے کہا کہ اگر یہ مقطع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میر امانی اسد ہو گذرے ہیں یہ مطلع اور یہ غزل اُن کے کلام معجز نظام میں سے ہے۔ اور تذکروں میں مرقوم ہے میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص کہا ہے ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔ تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے میرا کلام اور ایسا مزخرف۔ یہ قصہ تمام ہوا وہ غزل جو تمہارے پاس پہنچ گئی ہے چھاپنے سے پہلے ایک نقل اُس کی میرزا حاتم علی مہر کو دیدیا۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے اُسی دن وہ غزل نقل کر کے اُن کو بھیج دینا۔ دستنبو کی خریداری کا حال معلوم ہو گیا میرا ابھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں گئے ہونگے۔ جناب میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر پنجاب نے بذریعہ صاحب کمشنر دہلی مجھ سے منگوائی تھی ایک جلد اُن کو بھی بھیج چکا ہوں۔ قصیدے میں نے دو لکھے ہیں۔ ایک اپنے مربی قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگمری صاحب بہادر کی مدح میں ایک پچپن شعر کا ایک چالیس بیت کا اور پھر فارسی۔ اُن کو ریختہ کی غزلوں میں کہا چھاپو گے جانے بھی دو رہیں غزلیں سابق کی وہ جو میرے ہاتھ آتی جائینگی بھجواتا جاؤں گا۔ میاں تمہاری جان کی قسم نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے نہ مجھ سے کہا جائے۔ اس دو برس میں صرف وہ پچپن شعر بطریق قصیدہ تمہاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے سوائے اُس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہوگا تو گنہگار بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی صرف دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے۔ پرسوں ایک خط تمہیں اور لکھ چکا ہوں اب اُس کا جواب نہ لکھنا۔ والدعا۔ چہار شنبہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط تمہارا مع اشتہار کے پہنچا۔ یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان امیروں میں تین آدمی نواب حسن علی خان۔ نواب حامد علی خان۔ حکیم احسن اللہ خان سو ان کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں معہذا یہاں کی اقامت میں تذبذب۔ خدا جانے کہاں جائیں کہاں رہیں حکیم احسن اللہ خان نے آفتاب عالمتاب کی خریداری کر لی ہے اب وہ بکر رحالات دربار شاہی کیوں لینگے سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے وہ

لوگ اس طرف کیوں توجہ کرینگے۔ تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ رہا نام اس رسالے کا تاریخی
جانے دو۔ رستخیز ہند۔ غوغاے سپاہ فتنہ محشر۔ ایسا کوئی نام رکھو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ رئیس رامپور
کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا معیار الشعرا جاتا ہے یا نہیں۔ اگلے تمہارے معیار الشعرا میں میں نے
یہ عبارت دیکھی تھی کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں ہم کو جب تک اُن کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا
ہم اُن کے اشعار نہ چھاپینگے سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں اور امیر احمد ان کا
نام ہے اور امیر تخلص کرتے ہیں لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں
کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں میں
اُن کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو یعنی غزلیں غالب
نے ہمارے پاس بھیجیں اور اُس کے لکھنے سے ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا نام اور حال
وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں اس کو آپکے معیار الشعرا میں چھاپ کر ایک دو ورقہ یا چہار ورقہ
رام پور اُن کے پاس بھیج دو اور سرنامہ پر یہ لکھو کہ در رامپور بر در دولت حضور رسیدہ بخدمت
مولوی امیر احمد صاحب امیر تخلص برسد اور مجھ کو اسکی اطلاع دو۔ اور اس امر کی بھی اطلاع دو کہ رامپور
کو تمہارا اخبار جاتا ہے یا نہیں ۱۲ مرسلہ یکشنبہ ۱۲ جون ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار نور چشم منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب میں تو منتظر تمہارے آنے کا تھا
کس واسطے کہ منشی پیارے لال بھائیوں میں ہیں ماسٹر رامچند کے۔ انہوں نے پرسوں مجھ
سے کہا تھا کہ منشی شیونرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح کو ناگاہ تمہارا خط آیا۔ اب
مجھ کو اُس کا پوچھنا تم سے ضرور ہوا کہ آنیکی تمہاری خبر جھوٹ تھی یا ارادہ تھا اور کس سبب کے
موقوف رہا۔ بابو ہرگوبند سہائے کا میں بڑا احسانمند ہوں حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر
میں اُن کو عمر و دولت دے۔ سعادتمند اور نیکبخت آدمی ہیں ۱۲ تمہاری خواہش کو میں اچھی طرح
سمجھا نہیں مصرع تم نے لکھا اور وہ چھاپا گیا ہزار پانسو دو ورقے چھپ گئے اب جو مصرع
اور کہیں سے بہم پہنچیگا۔ وہ کس کام آئیگا۔ خود لکھتے ہو کہ پہلا جزو تم کو بھیجا ہے۔ صبر کرو وہ جزو

آنے دو میں اُس کو دیکھ لوں یقین ہے کہ قلمی ہو گا اُس کو دیکھ کر اور مضامین کو سمجھ کر مصرعہ بھی تجویز کر دوں گا۔ مگر اتنا تم اور بھی لکھو کہ آیا یوں منظور رہے کہ اس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھو یا یہی چاہتے ہو کہ یہ بھی رہے اور وہ بھی رہے۔ خط تمہارا آج آگیا ہے پم فلٹ پاکٹ یا آج شام کو یا کل شام تک آجائیگا ۱۲ سہ شنبہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو تمہارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ بغاوت ہند پہنچا تمہارے تصمیم عزیمت سے میں خوش ہُوا۔ اللہ اللہ اپنے پانسی وہر کے پوتے کو دیکھوں گا رسالہ بغاوت ہند ماہ بماہ اور معیار الشعراء ہر مہینے میں دو بار پہنچتا رہے۔ باقی گفتگو عند الملاقات ہورہیگی۔ اپنے شفیق دلی ماسٹر رامچندر صاحب کو تمہارے آنے کی اطلاع دی وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ اُنھوں نے میرے رقعہ کے جواب میں لکھا ہے وہ تم کو بھیجتا ہوں پڑھ لینا اگر دستنبو میں باقی ہوں تو وہ اپنے ساتھ لیتے آنا۔ غالب۔ شنبہ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں یہ کیا معاملہ ہے ایک خط اپنی رسید کا بھیج کر پھر تم چپکے ہو رہے نہ معیار الاشعار نہ بغاوت ہند۔ نہ میرے خط کا جواب نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار نواب شہاب الدین خان نے اگست سے دسمبر تک نچا ہہ معیار الاشعار و بغاوت ہند کا بھیجا ہے یعنی ۱۲ ہے مجھ کو دیئے اور میں نے ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجی یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا۔ جب اِن مطالب جزئی کا یہ حال ہے تو کتاب اور انگریزی عرضی کا تو ابھی کیا ذکر ہے خدا کے واسطے اِن سب مقاصد کا جواب جدا جدا لکھو۔ آج اگست کی ۱۷۔ بدھ کا دن ہے پہلا نمبر معیار الاشعار کا بھی نہیں آیا یہ ہے کیا۔ پھر تمہاری کھُدنی شروع ہو گئی ہے اسی اگست کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائیگی اچھا میرا بھائی اس خط کا جواب جلد پاؤں اور کتاب اور عرضی کا بھی اگر تقاضا کروں تو بعید نہیں مگر آج شام تک اس خط کو رہنے دونگا۔ اگر تمہارا خط یا معیار الاشعار یا بغاوت ہند یا کوئی لفافہ شام تک آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالوں گا ورنہ کل صبح کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ اپنے والد کو دعا اور اشتیاق دیدار کہدینا۔ غالب۔ مرقومہ چہارشنبہ

۱۷ ماہ اگست ۱۸۵۹ء وقت دوپہر۔

ایضاً۔ کیوں میری جان تم نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے یا لکھنا ہی بھول گئے ہو شہر میں ہو یا نہیں ہو تمہارے مطبع کا کیا حال ہے تمہارا کیا طور ہے۔ تمہارے چچا کا مقدمہ کیونکر فیصل ہوا میرا کام تم نے کس طرح درست کیا۔ کروگے یا نہیں معیار الاشعار کا پارسل پہنچ گیا۔ بغاوت ہند کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھیے۔ اور شتاب لکھو۔ غالب محررہ پنجشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو کیا میرے خط نہیں پہنچتے کہ جواب ادھر سے نہیں آتا۔ دو مجلد بغاوت ہند کے زیادہ پہنچے ہیں اس کے واسطے تم سے پوچھا گیا تھا اُس کا جواب بھی نہ آیا۔ میں نے یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمہارے نام لکھی تھی اُنہوں نے تم کو تو پڑھائی ہوگی اُس کا بھی تم نے جواب نہ لکھا۔ ولایت عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں جو اُس کا جواب مانگوں کچھ مجھ سے خفا ہو گئے ہو تو ویسی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تاکہ تم کو تقاضا معلوم ہو۔ اے لو ایک اور بات سنو تمہارا تو یہ حال کہ مجھ کو خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے اور میری خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر جو وہاں تم کو معلوم ہوا کرے مجھ کو لکھا کرو۔ خصوصاً اکبرآباد میں آکر جو کچھ واقع ہو وہ مفصل لکھو آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آئینگے یا جدا جدا آکر یہاں فراہم ہو جائینگے۔ دربار کی صورت خیرخواہوں کے تقسیم انعام کی حقیقت کوئی نیا بندوبست جاری ہو اُس کی کیفیت یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو دیکھو خبردار اس امر میں تساہل نہ کرنا اب کیا سنتے ہو لکھنؤ سے کہاں آئے ہیں۔ کانپور۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرہ آئینگے۔ کہاں کہاں کون کون رئیس آملیگا۔ لکھنؤ کے دربار کا حال جو کچھ سنا ہو وہ لکھو۔ اگرچہ یہاں لوگوں کے ہاں اخبار آتے رہتے ہیں اور میری بھی نظر سے گذر جاتے ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خط سے آگہی پاتا رہوں۔ تم جو لکھو گے منقح اور مفصل لکھوگے یقین ہے کہ برادر زادہ عزیز یعنی تمہارے والد ماجد نے مرزا یوسف علی خاں کے کام کی درستی لالہ جوتی پرشاد کی سرکار میں کر دی ہوگی اس کی بھی اطلاع ضرور ہے۔ صبح چہار شنبہ ۲ نومبر ۱۸۵۹ء

جواب کا طالب غالب ؀

ایضاً۔ برخوردار دو خط آئے اور آج یک شنبہ ۱۳ نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔ یہ اودھ اخبار بھائی
ضیاء الدین خان کے ہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیجدیا کرتے ہیں اسکی حاجت نہیں اپنے اور
میرے ٹکٹ کیوں برباد کرو میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بسبب قرب کے ہاں
معلوم ہوتے ہونگے جو سنو وہ مجھ کو لکھو۔ اور جب نواب معلی القاب آگرے میں آجائیں تو اپنا شاہد
مجھ کو لکھتے رہو پس غرض اتنی ہی ہے۔ آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیجدیتا ہوں اور دونوں
کتابیں بغاوت ہند پرسوں بھیج چکا ہوں۔ تمہارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے۔
دعا کر رہا ہوں خدا میری دعا قبول کرے اور اُن کو شفائے کامل دے میری دُعا اُن کو پہنچا دینا
مرزا یوسف علی خان عزیز کا حال معلوم ہوا یہ عالی خاندان اور ناز پروردہ آدمی ہیں انکو جو راحت
پہنچاؤ گے اور جو ان کی خدمت بجا لاؤ گے اُس کا خدا سے اجر پاؤ گے زیادہ سوائے دعا کے
کیا لکھوں ۱۲ غالب روز یک شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء ؀

ایضاً۔ میری جان دو جلدیں بغاوت ہند کی پرسوں میرے پاس پہنچیں اُسوقت برخوردار میرزا
شہاب الدین خان بیٹھے ہوئے تھے ایک جلد ان کو دی۔ کل ایک پارسل اور میرے نام کا آیا
میں خوش ہوا کہ ولایت کی عرضی اور دستنبو کا پارسل ہوگا دیکھا تو وہی دو جلدیں بغاوت ہند
کی ہیں حیران رہ گیا کہ یہ کیا ظاہرا اہتمامات ارسال نے از راہ سہو دوبارہ بھیجدی ہیں چاہتا تھا کہ
لفافہ بدل کر ڈاک ٹکٹ لگا کر بھیجدوں پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کروں شاید یہیں کسی اور کو
دلوا دو میں اب تمہارے کہنے کا انتظار ہے جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو بھیجدوں کہو کہیں اور تمہاری
طرف سے بھیج دوں میرے کسی کام کی نہیں۔ والدعا راقم اسد اللہ مرقومہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۹ء ؀

ایضاً۔ برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ دستنبو کے آغاز کی عبارت از روئے احتیاط دوبارہ
ارسال کی ہے یقین ہے کہ پہنچ گئی ہوگی اور چھاپی گئی ہوگی اور آپنے اُسی عبارت سے اشتہار بھی
اخبار میں چھاپا ہوگا یا اب چھاپیئے گا۔ بہر حال اس شہر کے اخبار سنئے حکم ہوا ہے کہ دوشنبہ کے

دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کیوقت سب خیر خواہان انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔ فقیر بھی اسی تہیدستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنشن مقرری نہیں پاتا اپنے مکان پر روشنی کریگا اور ایک قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے آپکے پاس اُس کی نقل بھیجتا ہوں اگر تمہارا جی چاہے تو اُس کو چھاپ دو اور جس نمبر میں یہ چھاپا جاوے وہ نمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا۔ اور اب فرمایئے کہ میں کتابوں کے آنے کا کب تک انتظار کروں۔ قطعہ

دریں روزگار ہمایون و فرخ
کہ گوئی بود روزگار چراغاں

شدہ گوش پُر نور چوں چشم بینا
ز آوازۂ اشتہار چراغاں

نگر شہر دریائے نور ست کانجا
نگنجد بہر سو دو چار چراغاں

بسر بردہ بر چرخ مہر منوّر
ہمہ روز در انتظار چراغاں

گواہ من اینک خطوط شعاعی
کہ دارد دلش خار خار چراغاں

دریں شب روا باشد از چرخ گرداں
کند گنج انجم نثار چراغاں

نبودست در دہر زیں پیش ہرگز
بدیں روشنی روے کار چراغاں

شد از فیض شاہنشہ انگلستان
فزوں رونق کار و بار چراغاں

جہاندار و کشور ربا کز فروغش
زآتش دمد لالہ زار چراغاں

ز عدلش چناں گشت پروانہ ایمن
کہ شد دیدہ بان حصار چراغاں

بفرمان سر جان لارنس صاحب
شد ایں شہر آئینہ دار چراغاں

بدہلی فلک رتبہ سانڈرس صاحب
برآراست نقش و نگار چراغاں

شد از سعی ہنری اجرٹن بہادر
رواں ہر طرف جوئبار چراغاں

سخن سنج غالب ز روئے عقیدت
دعا می کند در بہار چراغاں

کہ بادا فزوں سال عمر شہنشہ
بروے زمین از شمار چراغاں

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونراین کو دعائے دوام دولت پہنچے۔ کل تمہارا خط پہنچا دل خوش ہوا
باقر علی خان اور حسین علی خان یہ تو میرے پوتے ہیں اور تم بھی میرے پوتے ہو لیکن چونکہ تم عمر میں بڑے
ہو تو پہلے تم اور بعد تمہارے یہ ہیں حسب الطلب نواب صاحب کے دوستانہ یہاں آیا ہوں اور
اپنی صفائی بذریعہ انکے گورنمنٹ سے چاہتا ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے کتاب اور عرضی اواسط ماہ
جنوری میں ولایت کو روانہ کر کے یہاں آیا ہوں۔ چھ ہفتہ میں جہاز پہونچتا ہے۔ یقین ہے کہ
پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا ؎

بہ بینم کہ تا کردگار جہاں   دریں آشکارا چہ دارد نہاں

اپنے والد کو میری دعا کہنا۔ میرزا یوسف علی خان کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ میں تمہاری فکر سے
فارغ نہیں ہوں۔ اگر خدا چاہے تو کوئی راہ نکل آئے۔ سہ شنبہ ۳ مارچ سنہ ۱۸۶۰ء غالب ❊

ایضاً۔ برخوردار اقبال آثار منشی شیونراین کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ ایک نسخہ بغاوت ہند کا ایک
دو ورقہ معیار الشعرا کا معرفت برخوردار میرزا شہاب الدین خان کے پہنچا۔ اور آج چہارشنبہ ۱۴ مارچ
کی ہے کہ ایک نسخہ بغاوت ہند بھیجا ہوا تمہارا رامپور پہنچا۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اب میں شنبہ کے
دن ۱۷ مارچ کو دلی روانہ ہونگا تم کو بطریق اطلاع لکھا ہے۔ اب بدستور ارسال خطوط دلی کو رہے
یہاں نہ بھیجنا۔ ہاں بھائی ان دنوں میں برخوردار مرزا یوسف علی خان وہاں آئے ہوئے ہیں آج
ہی ان کا خط مجھ کو پہنچا ہے تم ضرور ان سے ملنا منشی میر علی صاحب کے ہاں وہ اترے ہوئے
ہیں ان کو بلا کر میری دعا کہنا اور کہنا کہ اچھا ہے دلی چلے آؤ وہاں جو مجھ سے ملو گے تو زبانی سب کلام
ہو رہیگا۔ اور اگر وہ ہاترس گئے ہوں تو یہ رقعہ جو تمہارے نام کا ہے ایک کاغذ میں لپیٹ کر ٹکٹ لگا کر
ہاترس کو شیخ کریم بخش چوکیداروں کے دفعدار کے گھر کے پتے سے بھیج دینا ضرور ضرور۔ از غالب
روان داشتہ چہارشنبہ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۰ء وقت دوپہر ❊

ایضاً۔ میاں دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو تب کچھ کلام کرو میں رامپور میں
تھا کہ ایک خط تمہارا پہنچا۔ سرنامہ پر لکھا تھا عرضداشت عظیم الدین احمد من مقام میرٹھ۔ واللہ باللہ

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ہے اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہرحال پڑھا معلوم ہوا کہ ہندی
دیوان اپنی سوداگری اور فایدہ اُٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔ خیر چُپ ہو رہا۔ جب میں
رامپور سے میرٹھ آیا۔ بھائی مصطفےٰ خانصاحب کے ہاں اُترا وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے
دوست قدیم مجھ کو ملے اُنہوں نے کہا کہ اپنا اُردو کا دیوان مجھ کو بھیجدیجئے گا عظیم الدین ایک کتاب
فروش اُس کو چھاپا چاہتا ہے۔ اب تم سنو دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ ہاں میں نے غدر سے
پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خان بہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلّی سے رامپور جانے لگا
تو بھائی ضیاء الدین خانصاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان
اُردو لیکر اُس کو کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رامپور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل
ڈاک ضیاء الدین خان کو دلّی بھیج دیا تھا۔ آدم بر سر مدعائے سابق۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے
مجھ سے کہا تو مجھے یہی کہتے بن آئی کہ اچھا دیوان تو میں ضیاء الدین خان سے لیکر بھیج دونگا مگر کاپی
کی تصحیح کا ذمہ کون کرتا ہے نواب مصطفےٰ خان نے کہا کہ میں۔ اب کہو میں کیا کرتا۔ دلّی آکر ضیاء الدین
خان سے دیوان ایک آدمی کے ہاتھ نواب مصطفےٰ خان کے پاس بھیجدیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے
چھپواتا تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا۔ آج اسی وقت
میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفےٰ خان صاحب کو ایک خط بھیجا ہے اور اُنکو
لکھا ہے اگر چھاپا شروع نہ ہُوا ہو تو نہ چھاپا جائے۔ اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر
دیوان آگیا تو فوراً تمھارے پاس بھیج دونگا۔ اور اگر وہاں کاپی شروع ہو گئی ہے تو میں ناچار ہوں میرا
کچھ قصور نہیں ہے۔ اگر سرگذشت کو بھی سُن کر مجھ کو گنہگار ٹھہراؤ تو اچھا میرا بھائی میری تقصیر معاف
کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہُوا ہے یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو۔ اور دیوان میرا میرے
پاس آئے اور تم کو پہنچ جائے ۱۹ یا ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ
کر کے رامپور گیا ہوں۔ تین مہینے کی جہاز کی آمد و رفت ہے سو گذر چکی ہے۔ خواہی اسی مہینہ میں
خواہی آغاز ماہ آیندہ یعنی مئی میں جواب کے آنے کا منتظر ہوں دیکھئے آئے یا نہ آئے۔ آئے تو

خاطر خواہ آئے یا ایسا ہی سرسری آئے ۔

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو۔ تصویر پہنچی تحریر پہنچی۔ سنو میری عمر ستر برس کی ہے اور تمہارا دادا میرا ہم عمر اور ہم باز تھا۔ اور میں نے اپنے نانا صاحب خواجہ غلام حسین مرحوم سے سُنا کہ تمہارے پردادا صاحب کو اپنا دوست بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نبسی دھر کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں غرض اِس بیان سے یہ ہے کہ سو سوا سے برس کی ہماری تمہاری ملاقات ہے پھر آپس میں نامہ و پیام کی راہ و رسم نہیں۔ اور اس راہ و رسم کے مسدود ہونے کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں اگر تم کو میرے حال سے آگاہی ہوتی تو مجھ کو بسبیل ڈاک کبھی اکبرآباد نہ بلاتے لو اب میری حقیقت سنو۔ چھٹا مہینہ ہے کہ سیدھے ہاتھ میں ایک پھنسی نے صورت پھوڑے کی پیدا کی۔ پھوڑا پک کر پھوٹ کر ایک زخم۔ زخم کیا ایک غار بن گیا۔ ہندوستانی جراحوں کا علاج رہا۔ بگڑتا گیا۔ دو مہینے سے کالے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلائیاں دوڑ رہی ہیں۔ اُسترہ سے گوشت کٹ رہا ہے۔ بیس دن سے صورت افاقت کی نظر آنے لگی ہے۔ اب ایک اور داستان سُنو۔ غدر کے رفع ہونے اور دلی کے فتح ہونے کے بعد میرا پنشن کھلا۔ چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔ آیندہ کو بدستور بے کم و کاست جاری ہوا مگر لارڈ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمول و مقرری تھا مسدود ہو گیا یہانتک کہ صاحب سکرٹر بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات کبھی منظور نہیں میں فقیر متکبر مایوس دائمی ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا۔ اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔ بڑے لارڈ صاحب کے ورود کے زمانے میں نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے دربار کیا۔ خیر کر و مجھ کو کیا۔ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا اور کہا کہ نواب لفٹننٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اُس دائیں ہاتھ کے زخم کے سیدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں اُٹھنا دشوار ہے۔ بہرحال سوار ہو گیا پہلے صاحب سکرٹر بہادر سے ملا پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تصور میں کیا بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی یعنی عنایت سے عنایت اخلاق سے اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا

اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں۔ اور مژدہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے
دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ جا دربار میں شریک ہو خلعت پہن حال عرض کیا گیا فرمایا
خیر اور کبھی کے دربار میں شریک ہونا اس بچھڑنے کا بڑا ہوا انبالے نہ جا سکا۔ آگرے کیونکر جاؤں۔
بابو ہرگوبند سہائے صاحب کو سلام مضمون واحد۔ ۳ مئی ٭

ایضاً گ۔ میاں تمہاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے اتم و اکمل ہے وہ اور
کونسی دو چار غزلیں ہیں جو مرزا یوسف علی خان عزیز کے پاس ہیں اور اس دیوان میں نہیں۔ اس طرف سے
آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں۔ معہذا اُن سے بھی کہوں گا اور وہ
غزلیں اُن سے منگا کر دیکھ لونگا تصویر میری لیکر کیا کروگے بیچارہ عزیز کیونکر کھچوا سکیگا۔ اگر ایسی ہی
ضرورت ہے تو مجھ کو لکھو میں مصور سے کھچوا کر تم کو بھیجدوں نہ نذر درکار نہ نیاز۔ میں تم کو اپنے فرزندوں کے
برابر چاہتا ہوں اور شکر کی جگہ ہے کہ تم فرزند سعادتمند ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور مطالب عالیہ کو پہنچاوے
سہ شنبہ ۳ جولائی سنہ ۱۸۶۶ء۔ غالب ٭

ایضاً گ۔ میاں میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی میرا مدعا یہ تھا کہ وہ
تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اُس سے شروع ہوا ہے۔ کہ حکیم احسن اللہ
خانصاحب تمہارا بھیجا ہوا فرمہ مجھ کو دیں اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی
تھی یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمہارا ارادہ اُس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو میرٹھ کے چھاپے خانے والے
محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا۔ اور میں نے نظر تمہاری ناخوشی پر بجبر اُس سے پھیر لیا
یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا میں سمجھا کہ تم خفا
ہو میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیو نرائن سے میری تقصیر معاف کروا دینا۔
بھائی خدا کی قسم میں تم کو اپنا فرزند دلبند سمجھتا ہوں۔ اُس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے۔
رام پور سے وہ دیوان صرف تمہارے واسطے لکھوا کر لایا۔ دلی میں تصویر بہزار جستجو بہم پہنچا کر
مول لی اور وہ دونوں چیزیں تم کو بھیج دیں وہ تمہارا مال ہے۔ چاہو اپنے پاس رکھو چاہو کسی کو

دے ڈالو۔ چاہو پھاڑ کر پھینک دو۔ تم نے دستنبو کی جدول اور جلد بنوا کے ہم کو سوغات بھیجی تھی۔ ہم نے اپنی تصویر اور اُردو کا دیوان تم کو بھیجا۔ میرے پیارے دوست ناظر بنسی دھر کے تم یادگار ہو مصرع ع اے گل بتو خرسندم تو بوے کسے داری ؂ خوشنودی کا طالب غالب ۱ جنوری ۱۸۶۲ء

بنام بابو ہرگوبند سہاے صاحب

برخوردار بہت دن ہوئے کہ میں نے تم کو خط لکھا ہے۔ اب اس خط کا جواب ضرور لکھو اور جلد لکھو۔ دو سوال ہیں تم سے۔ ایک تو یہ کہ یہاں مشہور ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر الہ آباد سے کانپور آ گئے۔ کوئی کہتا ہے آوینگے۔ اس کا حال جو کچھ تم کو معلوم ہو لکھو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ دو قسم کی انگریزی شراب ایک تو کاس ٹیلن اور ایک اولڈ ٹام یہ میں ہمیشہ پیا کرتا تھا اور یہ دونوں قسم بیس روپیہ حد چوبیس روپیہ درجن آتی تھی اب یہاں پہلے تو نظر ہی نہیں آتی تھی اب پچاس روپیہ اور ساٹھ روپیہ درجن آتی ہے وہاں تم دریافت کرو کہ اس کا نرخ کیا ہے اور یہ بھی معلوم کرو کہ بطریق ڈاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں۔ یہ دونوں امور دریافت کر کے مجھ کو جلد لکھو۔ اگر بقیمت مناسب ہاتھ آئے اور اُس کا بھیجنا ممکن ہو تو یہاں سے روپیہ کی ہنڈوی بھیجدوں اور تم خرید کر بیل گاڑی کی ڈاک پر روانہ کر دو۔ جاڑوں میں مجھ کو بہت تکلیف ہے۔ اور یہ گرچھال کی شراب میں نہیں پیتا یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے چہارشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۸۵۸ء ضروری جواب طلب از غالب جان بلب

ایضاً۔ صاحب تم کو دعا کہتا ہوں اور دعا دیتا بھی ہوں۔ شراب کی قیمت کے دو خط بھیجے بھائی کاس ٹیلن اور اولڈ ٹام دونوں چوبیس روپیہ درجن میں ہمیشہ لیا کرتا تھا اب یہاں مہنگی ملتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا جب وہاں بھی اس قیمت کو ملتی ہے تو میرا مقدور نہیں میں سمجھا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو۔ خیر اس کو جانے دو روٹی ہی ملے جائے تو غنیمت ہے مہینہ بھر کی روٹی کا مول ایک درجن کی قیمت ہے ؂

بنام نواب امین الدین احمد خاں صاحب بہادر رئیس لوہارو

بھائی صاحب ساٹھ برس سے ہمارے تمہارے بزرگوں میں قرابتیں بہم پہنچیں پنج کا میرا تمہارا معاملہ یہ کہ پچاس برس سے میں تم کو چاہتا ہوں بے اس کے کہ چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ چالیس برس سے محبت کا ظہور طرفین سے ہوا میں تمہیں چاہتا رہا تم مجھے چاہتے رہے وہ امر عام اور یہ امر خاص کیا مقتضی اس کا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا اخلاص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے۔ تمہارا یہ حال سنوں اور بیتاب نہ ہو جاؤں اور وہاں نہ آؤں مگر کیا کروں مبالغہ نہ سمجھو میں ایک قالب بے روح ہوں مصرع یکے مردہ شخصم بمردی رواں ۔ اضمحلال روح کا روز افزوں ہے۔ صبح کو تبرید قریب دوپہر کے روٹی شام کو شراب۔ اس میں سے جس دن ایک چیز اپنے وقت پر نہ ملی میں مر گیا۔ واللہ نہیں آسکتا۔ باللہ نہیں آسکتا۔ دل کی جگہ میرے پہلو میں پتھر بھی تو نہیں۔ دوست نہ سہی دشمن بھی تو نہ ہوں گا محبت نہ سہی عداوت بھی تو نہ ہو گی۔ آج تم دونوں بھائی اس خاندان میں شرف الدولہ اور فخر الدولہ کی جگہ ہو میں لم یلد و لم یولد ہوں۔ میری زوجہ تمہاری بہن میرے بچے تمہارے بچے ہیں خود جو میری حقیقی بھتیجی ہے اس کی اولاد بھی تمہاری ہی اولاد ہے نہ تمہارے واسطے بلکہ ان بیکسوں کے واسطے تمہارا دعا گو ہوں اور تمہاری سلامتی چاہتا ہوں۔ تمنا یہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا کہ تم جیتے رہو اور تم دونوں کے سامنے میں مر جاؤں تاکہ اس قافلہ کو اگر روٹی نہ دوگے تو چنے دوگے۔ اور اگر چنے بھی نہ دوگے اور بات نہ پوچھوگے تو میری بلا سے میں موافق اپنے تصور کے مرتے وقت ان فلک زدوں کے غم میں نہ الجھوں گا جناب والدہ ماجدہ تمہاری یہاں آنا چاہتی ہیں اور ضیاء الدین خان اسی واسطے وہاں پہونچے ہیں۔ سنو بعد تبدیل آب و ہوا دو فائدے اور بھی بہت بڑے ہیں کثرت اطبا صحبت احبا تنہائی سے نہ ملول رہو گے حرف و حکایت میں مشغول رہو گے۔ آؤ آؤ شتاب آؤ بھائی میرزا علاؤ الدین خان تم کو کیا لکھوں جو وہاں تمہارے

دل پر گذرتی ہو یہاں میری نظر میں ہے۔ خیر دعائے مزید عمر و دولت نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ بعد سلام مسنون و دعائے بقائے دولت روز افزوں عرض کیا جاتا ہے کہ عطوفت نامہ کی رو سے فارسی دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی تیسری غزل گوہر نتواں گفت اختر نتواں گفت۔ جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے کیا نہیں پہنچی بے شبہ پہنچی ہو گی تم بھول گئے ہو گے وکیل حاضر باش دربار اسد اللّٰہی یعنی علائی مولائی نے اپنے موکل کی خوشنودی کیواسطے فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی اگر پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے۔ جھنجوٹی کے اونچے سروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لونگا۔ والسلام مع الاکرام نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۲ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ ہجری۔

غزل

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لئے اے غیرتِ ماہ
ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی

تم ہو بت پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

حسن میں حور سے بڑھکر نہیں ہونے کی کبھی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

تیرے کوچہ کا ہے مائل دل مضطر میرا
کعبہ اک اور سہی قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملالیں یا رب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھکو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی آب بقا اور سہی

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

ایضاً۔ برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ تمہارے تفریح طبع کے واسطے ایک

غزل نئی لکھ کر بھیجی ہے خدا کرے پسند آئے اور مطرب کو سکھائی جائے آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں
سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔ کل پنجشنبہ ۲۵ مئی کو اوّل روز پہلے بڑے زور کی آندھی آئی پھر خوب
مینہ برسا وہ جاڑا پڑا کہ شہر کرۂ زمہریر ہو گیا۔ بڑے دریبہ کا دروازہ ڈھایا گیا۔ قابل عطار کے کوچہ کا
بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کٹرہ کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی وسعت دوچند ہو گئی۔ اللہ اللہ گنبد
مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں اور ہنود کے ڈیوڑیوں کے جھنڈیوں کے پرچم لہراتے ہیں
ایک شیر زور آور اور ہیبتن بندر پیدا ہوا ہے مکانات جا بجا ڈھاتا پھرتا ہے فیض اللہ خان بنگش
کی حویلی پر جو گلدستے ہیں جن کو عوام گمزی کہتے ہیں اُن میں سے ہلا ہلا کر ایک کی بنا ڈھا دی اینٹ
سے اینٹ بجا دی واہ رے بندر یہ زیادتی اور پھر شہر کے اندر ترکستان کے ملک سے ایک سوار
زادہ کثیر العیال عسیر الحال عربی فارسی انگریزی تین زبانوں کا عالم دلی میں وارد ہوا ہے بلیماروں کے
محلہ میں ٹھہرا ہے بسبب ضرورت حکام شہر سے مل لیا ہے۔ باقی گھر کا دروازہ بند کئے بیٹھا رہتا ہے
گاہ گاہ نہ ہر شام و پگاہ غالب علی شاہ درویش کے تکیہ پر آ جاتا ہے۔ اہل شہر حیران ہیں کہ کھاتا
کہاں سے ہے اس کے پاس روپیہ آتا کہاں سے ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ باپ سے پھر گیا ہے
میں جانتا ہوں کہ بے سبب باپ کی نظر سے گر گیا ہے دیکھئے انجام کار کیا ہو۔ غالب علی شاہ کا قول
یہ ہے کہ کل کا بھلا ہو۔ جمعہ ۲۶ مئی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ بعد سلام مسنون و دعائے بقائے دولت روز افزون
عرض کیا جاتا ہے کہ اُستاد میر جان آئے اور اُن کی زبانی تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی خدا تم کو
زندہ و تندرست و شاد و شادان رکھے یہاں کا حال کیا لکھوں بقول سعدی علیہ الرحمۃ مصرع
شماند آب جز چشم در حجیم بشب و روز آگ برستی ہے یا خاک۔ نہ دن کو سورج نظر آتا ہے نہ رات کو تارے
زمین سے اُٹھتے ہیں شعلے آسمان سے گرتے ہیں شرارے چاہا تھا کہ کچھ گرمی کا حال لکھوں عقل نے
کہا کہ دیکھ ناداں قلم انگریزی دیا سلائی کی طرح جل اُٹھیگی اور کاغذ کو جلا دیگی۔ بھائی ہوا کی گرمی تو
بڑی بلا ہے گاہ گاہ جو ہوا بند ہو جاتی ہے وہ اور بھی جانگزا ہے۔ خیر اب تفصیل سے قطع نظر ایک کورک

غریب الوطن کے اختلاط کی گرمی کا ذکر کرتا ہوں کہ وہ جانسوز نہیں بلکہ دل افروز ہے۔ پرسوں فرخ مرزا آیا اُس کا باپ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیوں صاحب میں تمہارا کون ہوں اور تم میرے کون ہو۔ ہات جوڑ کر کہنے لگا کہ حضرت آپ میرے دادا ہیں اور میں آپکا پوتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمہاری تنخواہ آئی کہا جناب عالی آغا جان کی تنخواہ آگئی ہے میری نہیں آئی۔ میں نے کہا تو لوہارو جائے تو تنخواہ پائے کہا حضرت میں تو آغا جان سے کہتا ہوں کہ لوہارو چلو اپنی حکومت چھوڑ کر دلّی کی رعیت ہیں کیوں مل گئے سُبحان اللہ بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم درست اور طبع سلیم میں اسکی خوبی خو اور فرخی سیرت پر نظر کر کے اس کو فرخ سیر کہتا ہوں مصاحب بے بدل ہے تم اُس کو بلا کیوں نہیں بھیجتے۔ مگر بھائی غلام حسین خان مرحوم کے تتبع ہو کہ زین العابدین وحیدر حسن اور اُن کی اولاد کو کبھی مُنہ نہ لگایا۔ علاؤ الدین خان جیسا ہوشمند ہمہ دان بیٹا۔ فرخ سیر جیسا دانشور بذلہ سنج اور شیریں سخن پوتا یہ دو عطیہ عظمٰی و موہبت کبریٰ ہیں تمہارے واسطے من جانب اللہ ؎

اگر دریافتی بر دانشت بوس　　　　　وگر غافل شدی افسوس افسوس

آج ۲۲ جون کی ہے۔ آفتاب سرطان میں آگیا۔ نقطہ انقلاب صیفی ہیں دن گھٹنے لگا چاہئے کہ تمہارا غیظ وغضب ہر روز کم ہو جائے۔ نجات کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ بھائی صاحب آجتک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں تعزیت کیواسطے تین باتیں ہیں۔ اظہار غم۔ تلقین صبر۔ دُعائے مغفرت سو بھائی اظہار غم تکلف محض ہے جو غم تم کو ہُوا ہے ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہُوا ہو۔ تلقین صبر بیدردی ہے۔ یہ سانحہ عظیم ایسا ہے جسنے غم رحلت نواب مغفور کو تازہ کیا پس ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کی جائے رہی دعائے مغفرت میں کیا اور میری دُعا کیا مگر چونکہ وہ میری مربیہ اور محسنہ تھیں دل سے دُعا نکلتی ہے۔ معہذا تمہارا یہاں آنا سُنا جاتا تھا اسواسطے خط نہ لکھا۔ اب جو معلوم ہُوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اور اس سبب سے آنا نہ ہُوا یہ چند سطریں لکھی گئیں حق تعالٰی تم کو سلامت اور تندرست

اور خوش رکھے تمہاری خوشی کا طالب غالب ۱۵ نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ اخ مکرم کے خدام کرام کی خدمت میں بعد ادائے سلام مسنون ملتمس ہوں تمہارا شہر میں رہنا موجب تقویت دل تھا مصرع گو نہ ملتے تھے پر اک شہر میں تو رہتے تھے ۔ بھائی ایک سیر دیکھ رہا ہوں کئی آدمی طیور آشیان گم کردہ کی طرح ہر طرف اُڑتے پھرتے ہیں اُن میں سے دو چار بھولے بھٹکے کبھی یہاں بھی آجاتے ہیں۔ لو صاحب اب وعدہ کپ و فاکر و گے علائی کوکب بھیجو گے ابھی تو شب کے چلیے اور دن کے آرام کرینگے دن میں بارش شروع ہوجائیگی تو آپکی اجازت بھی کام نہ آئے گی۔ چلنے والا کہیگا میں رہرو چالاک ہوں تیراک نہیں لوہارو سے دہلی تک کشتی بغیر کیونکر جاؤں۔ دخانی جہاز کہاں سے لاؤں مصرع اے زفرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش ۔ علائی کے دیدار کا طالب غالب استاد میر جان صاحب کو سلام یوم الخمیس ۱۷ محرم ۱۲۸۱ھ

بنام مرزا علاؤالدین احمد خاں صاحب بہادر

صاحب تمہارا خط پہنچا مطالب دل نشین ہوئے غوغائے خلق سے مجھکو غرض نہیں۔ کیا اچھی بات ہے کسی کی

مومن بخیال خویش مستم داند ۔ کافر بگمان خدا پرستم داند

مردم ز غلط فہمی مردم مُردم ۔ اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم داند

بھائیوں سے پھر نہیں ملا۔ بازار میں نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ جواہر خبردار میرا سلام اخوین کو اور اُن کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے اسی کو غنیمت جانتا ہوں ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالب ۔ واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۔ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

یہ مقطع اور مطلع مندرجہ دیوان ہے مگر اسوقت یہ دونوں شعر حسب حال نظر آئے اسواسطے لکھ دیئے گئے تم نے اشعار جدید مانگے خاطر تمہاری عزیز ایک مطلع صرف دو مصرع آگے کے کہے ہوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں اُن پر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر لکھ کر سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند

رتبہ نہیں سے

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے — غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

مطلع ثانی

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے — تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے — کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بخم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود — کسے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا — خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم — وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

لو صاحب تمہارا فرمان قضا توامان بجا لایا مگر اس غزل کا مسودہ میرے پاس نہیں ہے اگر با حتیاط رکھو گے اور اردو کے دیوان کے حاشیہ پر چڑھا دو گے تو اچھا کرو گے عمر فراوان و دولت فزون باد۔ فقط جمعہ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء بارہ پر دو بجے تین کا عمل۔

ایضاً۔ مرزا روبرو بہ انہ پہلو آؤ میرے سامنے بیٹھو۔ آج صبح کے ۷ بجے باقر علی خان اور حسین علی خان مع ۱۴ مرغ ۶ بڑے اور ۸ چھوٹے کے دلی کو روانہ ہوئے۔ دو آدمی میرے اُن کے ساتھ گئے۔ کلوا و رلڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔ نواب صاحب نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ مرزا نعیم بیگ ابن مرزا کریم بیگ دو ہفتہ سے یہاں وارد ہیں اور اپنی بہن کے یہاں ساکن ہیں کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ دلی چلوں گا اور وہاں سے لوہارو جاؤنگا۔ میرے چلنے کا حال یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتہ میں چلونگا۔ آپ چال چوکے اردو لکھتے لکھتے جو خط مشتمل ایک مطلب پر تھا اُس کو تم نے فارسی میں لکھا اور فارسی بھی مقصد یہ نہیں کہ امیر کو اور اپنے بزرگ کو کبھی بصیغۂ مفرد نہ لکھیں یا وہی چھوٹی سے بڑی سے کا قصہ کیا

خیر خط نہ دکھاؤنگا مکتب فیہ کہکر کام نکال لونگا میں نے تو چلتے وقت فرخ سیر کے اتالیق کی زبانی بھائی کو کہلا بھیجا تھا کہ تم اگر کوئی اپنا مدعا کہو تو میں اس کی درستی کر تا لاؤں جواب آیا کہ اور کچھ مدعا نہیں صرف مکان کا مقدمہ ہے سو اُس مقدمہ میں میرا اور میرے شرکاء کا وکیل وہاں موجود ہے اگر وہ اس امر کا ذکر کرتے تو میں اُن سے اُن کے خالو علی اصغر خان کے نام عرضی یا خط لکھوا تا لاتا۔ بہر حال اب بھی قاصر نہ رہونگا۔ تاریخ اوپر لکھ آیا نام اپنا بدل مغلوب رکھ لیا ہے ۔

ایضاً۔ یکشنبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۵ء

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد ۔۔۔ حوریان رقص کنان ساغر شکرانہ زدند

قدسیان بہر دعائے تو و والا پدرت ۔۔۔ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میاں تم جانتے ہو کہ میں عازم رامپور تھا اسباب مساعد ہو گئے بشرط حیات جمعہ کو روانہ ہونگا۔ لڑکے بالوں کی خیر و عافیت علی حسین خان کی تحریر سے معلوم ہوتی رہتی ہے میرا لکھنا زائد ہے ایکبار میں صاحب کمشنر کی عیادت کو گیا تھا فرخ مرزا بھی میرے ساتھ گیا تھا مزاج کی خبر پوچھ آیا۔ بھائی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ راقم غالب علی شاہ ۔

ایضاً۔ جانا جانا ایک خط میرا تمہارے دو خطوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہوگا۔ آج میں علی اصغر خان بہادر کے گھر گیا اُن سے میں نے تذکرہ کیا فرمایا کہ فرخ سیر کی ماں کو لکھ بھیجو کہ سال بھر کی تنخواہ کی رسید بھیجدیں یہاں سے روپیہ بھیج دیا جائیگا۔ آج منگل ہے ۷ شعبان کی اور ۲۶ دسمبر کی دو بھتیجے تمہارے جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ دہلی ہوئے میں پرسوں یوم الخمیس کو مرحلہ پیما ہونگا

اوّل ما آخر ہر منتہے۔ در اکرام و عزّت ۔۔۔ آخر ما جیب تمنّا تہی۔ از مال و دولت

تو کمان گرو ہیہ کہا کر فارسی بگھار کر مجھ سے ہندی کی چندی سن۔ ایک غلیل حضور نے دینی کی ہے ایک علی اصغر خان سے اینٹھی دونوں کل آئینگی۔ مرزا نعیم بیگ ابن مرزا کریم بیگ دو تین

ہفتہ سے یہاں وارد اور اپنی بہن کے ہاں ساکن ہیں زاد کی خدا نے چٹھی فقیر پر کی راحلہ وہ جانیں فقط غالب ؎

ایضاً۔ صبح دوشنبہ شانزدہم از مہ صیام۔ میری جان۔ نئے مہمان کا قدم تم پر مبارک ہو۔ اللہ تعالی تمہاری اور اُس کی اور اُس کے بھائیوں کی عمر و دولت میں برکت دے تمہاری طرز تحریر سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ سعید ہے یا سعیدہ ہے ثاقب اس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے۔ واضح لکھو تا احتمال رفع ہو خط ثاقب کے نام کا تو بہ تو بہ خط کاہے کو ایک تختہ کاغذ کا میں نے سراسر پڑھا لطیفہ و بذلہ و شوخی و شوخ چشمی کا بیان جب کرتا کہ فحوائے عبارت سے جگر خون نہ ہو جاتا۔ بھائی کا غم جدا۔ ایسا سخن گزار۔ ایسا زبان آور۔ ایسا عیار طراریوں عاجز و درماندہ و از کار رفتہ ہو جائے۔ تمہارا غم جدا۔ ساغر اوّل و دور و کیا دل لیکر آئے کیا زبان لیکر آئے کیا علم لیکر آئے۔ کیا عقل لیکر آئے اور پھر کسی روش کو برت نہ سکے کسی شیوہ کی داد نہ پائی گویا نظیری تمہاری زبان سے کہتا ہے ؎

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند	آنکہ آئینۂ من ساخت نپرداخت دریغ

بھائی اس معرض میں ہیں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں اگرچہ یک فنہ ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازہ بایست پائی نہیں آپ ہی کہا آپ ہی سمجھا قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسّی کے لٹکالوں اور پیادہ پا چل دوں کبھی شیراز جا نکلا کبھی مصر میں جا ٹھہرا کبھی نجف جا پہنچا نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اُس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے ؎

نہ بستان سرائے نہ میخانہ	نہ دستان سرائے نہ جانانہ
نہ رقص پری پیکران بر بساط	نہ غوغائے رامشگران در رباط

خدا کا مقہور، خلق کا مردود۔ بوڑھا ناتوان بیمار فقیر نکبت میں گرفتار تمہارے حال میں غور کی اور چاہا کہ اس کا نظیر بہم پہنچاؤں۔ واقعہ کربلا سے نسبت نہیں دے سکتا لیکن واللہ تمہارا حال اُس ریگستان میں بعینہ ایسا ہے جیسا مسلم ابن عقیل کا حال کوفہ میں تھا تمہارا خالق تمہاری اور تمہارے بچوں کی جان و آبرو کا نگہبان رہے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر کرو۔ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں ۔

ایضاً۔ جانشنگاہ سہ شنبہ دوازدہم نومبر ۱۸۶۱ء۔ آج جس وقت کہ روٹی کھانے کو گھر جاتا تھا شہاب الدین خان تمہارا خط اور مصری کی ٹھلیا لیکر آئے میں اُس کو لوا کر گھر گیا اپنے سامنے مصری تلوائی آدھ پاؤ اوپر دو سیر نکلی خانہ دولت آبادی کافی و وافی ہے اور اب حاجت نہیں۔ روٹی کھا کر باہر آیا تمہارے ابن عم کا آدمی جواب خط کا متقاضی ہوا کہ شتر سوار جانیوالا ہے میں کھانا کھا کر لیٹنے کا عادی ہوں لیٹے لیٹے مصری کی رسید لکھدی۔ مطالب مندرجہ خط کا جواب بشرط حیات کل بھیجوں گا۔ غالب ۔

ایضاً۔ اقبال نشانا بخیر و عافیت در فتح و نصرت لوہارو پہنچنا مبارک ہو۔ مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکمل المطابع میں چند احباب میرے مسودات اُردو کے جمع کرنے پر اور اُس کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں مجھ سے مسودات مانگتے ہیں اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کئے ہیں میں مسودہ نہیں رکھتا جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ہوا وہاں بھیجدیا یقین ہے کہ خط میرے تمہارے پاس بہت ہونگے اگر اُن کا ایک پارسل بنا کر بسبیل ڈاک بھیجدو گے یا آجکل میں کوئی ادھر آنیوالا ہو اُس کو دیدو گے تو موجب میری خوشی کا ہوگا اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اُس کے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ہو گے بچوں کو دُعا۔ غالب ۔

ایضاً۔ جان غالب یاد آتا ہے کہ تمہارے عم نامدار سے سُنا ہے کہ لغات و ساتیر کی فرہنگ وہاں ہے اگر ہوتی تو کیوں نہ تم بھیج دیتے خیر مصرع ع انچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست ۔ تم ثمر نوزس ہو اُس نہال کے جسنے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے۔ اور میں ہوا خواہ و

سایہ نشین اُس نہال کا رہا ہوں کیونکر تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے۔ رہی دید وادید۔ اُسکی دو صورتیں۔
تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو آؤں تم مجبور میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عُذر زنہار مسموع نہ ہو
جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے۔ سنو عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک
عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ اور
پھر آپ جواب دیتا ہے لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے
مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یُوں بھی ہُوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دُنیا میں
بھیج کر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کیواسطے یہاں بھیجا گیا
۱۳ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہُوا۔ ایک بیڑی
میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اُس زندان میں ڈال دیا۔ فکر نظم و
نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانہ سے بھاگا۔ تین برس بلاد شرقیہ پھرتا رہا۔ پایان
کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اُسی مجبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے
دو ہتکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار ہاتھ ہتکڑیوں سے زخم دار۔ مشقت مقرری
اور مشکل ہو گئی طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔ بیحیا ہوں سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ
مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا میرٹھ مراد آباد ہوتا ہُوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا
تھا کہ پھر پکڑا آیا اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا بھاگوں کیا بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی
دیکھئے کب صادر ہو ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر
بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو
چلا جاؤنگا ؎

فرخ آں روز کہ از خانۂ زندان بروم   سوئے شہر خود ازیں وادی ویران بروم

گانے میں غزل کے سات شعر کافی ہوتے ہیں دو فارسی غزلیں دو اردو غزلیں اپنے حافظہ کی
تحویل میں بھیجتا ہوں بھائی صاحب کی نذر۔ غزل

از جسم بجان نقاب تا کے　　این گنج درین خراب تا کے

این گوہر پر فروغ یا رب　　آلودۂ خاک و آب تا کے

این راہرو مسالک قدس　　واماندۂ خورد و خواب تا کے

بیتابی برق جز دمے نیست　　ما دین ہمہ اضطراب تا کے

جان در طلب نجات تا چند　　دل در تعب عتاب تا کے

پرسش ز تو بے حساب بادا　　غم ہائے مرا حساب تا کے

غالب بچنین کشاکش اندر
یا حضرت بوتراب تا کے

دوش کز گردش بختم گلہ بر روے تو بود　　چشم سوئے فلک و روے سخن سوئے تو بود

آنچہ شب شمع گمان کردی و رفتی بعتاب　　نفسم پردہ کشائے اثر خوئے تو بود

چہ عجب صانع اگر نقش دہانت گم کرد　　کان خود از حیرت یان رخ نیکوئے تو بود

بکف باد صبا دا این ہمہ رسوائی دل　　کاخر از پردگیان شکن موئے تو بود

مردن و جان بہ تمنائے شہادت دادن　　ہم از اندیشۂ آزردن بازوئے تو بود

دوست دارم گرہے را کہ بکارم زدہ اند　　کاین ہمانست کہ پیوستہ در ابروئے تو بود

لالہ و گل دمد از طرف مزارش پس مرگ
تا چہا در دل غالب ہوس روئے تو بود

ہے بسکہ ہر اک انکے اشارے میں نشان اور　　کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور

لوگوں کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا　　ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا　　ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھینگے مری بات　　دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھکو زباں اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھینگے　　لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے　　جلاّد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے　　بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہُوا کئے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں　　بھُولے سے اسنے سیکڑوں وعدہ وفا کئے

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو　　دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کئے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے　　مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کئے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو　　کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سُنا کئے

ایضاً۔ سعادت و اقبال نشان میرزا علاؤالدین خان بہادر کو فقیر اسداللہ کی دعا پہونچے کل شام کو مخدوم مکرم جناب آغا محمد حسین صاحب شیرازی بسواری ریل مانند دولت دلخواہ کہ ناگاہ آوے فقیر کے تکیہ میں تشریف لائے شب کو جناب ڈپٹی ولایت حسین خان کے مکان میں آرام فرمایا اب وہاں آتے ہیں۔ قریب طلوع آفتاب بہ چشم نیم باز یہ رقعہ تمہارے نام لکھا ہے جو کچھ جی چاہتا ہے وہ مفصّل نہیں لکھ سکتا۔ مختصر مفید آغا صاحب کو دیکھ کر یُوں سمجھا کہ میرا بوڑھا چچا غالب جوان ہو کر میلے کی سیر کو حاضر ہُوا ہے۔ پس نور چشماں راحت جان مرزا باقر علی خان بہادر و مرزا حسین علی خان بہادر جناب آغا صاحب کا قدموس بجا لائیں اور اُن کی خدمتگذاری کو اپنی سعادت اور میری خوشنودی سمجھیں۔ ہیں ہاں مرزا علائی اگر کرنیل الگزنڈر اسکنر بہادر سے مُلاقات ہو تو میرا سلام کہنا ؛

ایضاً۔ صاحب میری داستان سُنئیے۔ نپشن بے کم و کاست جاری ہُوا۔ زر مجتمعہ سالگیشت مل گیا۔ بعد ادائے حقوق چار سو روپیہ دینے باقی رہے اور ستاسی روپیہ گیارہ آنے مجھے پہنچے

مئی کا مہینہ بدستور ملا۔ آخر جون میں حکم ہو گیا کہ پنشن دار علی العموم ششماہی پایا کریں ماہ بماہ
پنشن تقسیم نہ ہُوا کرے۔ میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خان کی حویلی میں رہتا ہوں۔
اب وہ حویلی غلام اللہ خان نے مول لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کر دو۔ اب
مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب ہم دگر ایسی ملیں کہ ایک محلسرا اور ایک دیوان خانہ ہو۔
نہ ملیں ناچار یہ چاہا کہ بلیماروں میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جا رہوں نہ ملا۔ تمہاری
چھوٹی پھوپھی نے بیکس نوازی کی۔ کٹڑہ والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ ہر چند وہ رعایت
مرعی نہ رہی کہ محلسرا سے قریب ہو مگر خیر بہت دُور بھی نہیں کل یا پرسوں وہاں جا رہوں گا
ایک پانؤں زمین پر ہے ایک پانؤں رکاب میں۔ تو شہ کا وہ حال گوشہ کی یہ صورت۔ کل شنبہ
۱۷۔ ذی الحجہ کی اور ۷ رجون کی پہر دن چڑھے تمہارا خط پہونچا دو گھڑی کے بعد سُنا گیا کہ امین الدین
خانصاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا پہر دن رہے ازراہِ مہربانی ناگاہ میرے ہاں
تشریف لائے میں نے اُن کو دُبلا و افسردہ پایا۔ دل کڑھا علی حسین خان بھی آیا اُس سے بھی ملا۔
میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے۔ بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو
کوئی وہاں بھی تو ہے اور اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا ہی
جتنا تم اُس کو چاہتے تھے ہنسنے لگے غرض کہ میں نے بظاہر اُن کو تم سے اچھا پایا۔ آگے
تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔ راقم غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ یکشنبہ بین الظہر والعصر۔

ایضاً۔ چہار شنبہ ۲۵ ستمبر ۱۸۶۱ء ہنگام نیمروز۔ علائی مولائی اسوقت تمہارا خط پہنچا اِدھر پڑھا
اُدھر جواب لکھا۔ واہ کیا کہنا ہے۔ رامپور کے علاقہ کو گاؤشنگ اور مجھ کو بیل یا اُس پیوند کے
طعنہ کو تازیانہ اور مجھ کو گھوڑا بنایا وہ علاقہ اور وہ پیوند لوہارو کے سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو۔
رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمہ کمشنری میں معین نہیں ہوں۔ جس طرح امرا واسطے فقرا کے
وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں اسی طرح اس سرکار سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے
دعائے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہے چاہوں دلی رہوں چاہوں اکبر آباد۔ چاہوں لاہور

چاہوں لوہارو۔ ایک گاڑی کپڑوں کے واسطے کرایہ کروں کپڑوں کے صندوق میں آدھی درجن شراب دھروں۔ آٹھ کہار ٹھیکہ کے لوں۔ چار آدمی رکھتا ہوں۔ دو یہاں چھوڑوں دو ساتھ لوں چل دوں۔ رامپور سے جو لفافہ آیا کریگا لڑکوں کو حافظ لوہارو بھجوایا کریگا۔ گاڑی ہو سکتی ہے۔ شراب مل سکتی ہے۔ کہار بہم پہنچ سکتے ہیں۔ طاقت کہاں سے لاؤں۔ روٹی کھانے کو باہر کے مکان میں سے محلسرا میں کہ وہ بہت قریب ہے جب جاتا ہوں تو ہندوستانی گھڑی بھر میں دم ٹھہرتا ہے اور یہی حال دیوان خانہ میں آکر ہوتا ہے۔ والی رامپور نے بھی تو مرشدزادہ کی شادی میں بُلایا تھا یہی لکھا تھا کہ میں اب معدوم محض ہوں تمہارا اقبال تمہارے کلام کو اصلاح دیتا ہے اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو۔ بھائی کے اور تمہارے دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے پر کیا کروں عقرب و قوس کے آفتاب یعنی نومبر دسمبر میں قصد تو کرونگا کاش لوہارو کی جگہ گوڑگانوہ ہوتا یا بادشاہ پور ہوتا۔ کہوگے کہ رامپور کیا نزدیک ہے وہاں گئے کو دو برس ہوگئے یہاں انحطاط و اضمحلال روز افزوں نہ تم یہاں آسکتے ہو نہ مجھ میں وہاں آنے کا دم۔ بس اگر نومبر دسمبر میں میرا اخیر حملہ چل گیا بہتر ورنہ مصرع ؏ اے وائے زمحرومی دیدار دگر ہیچ ۔ غالب ۔

ایضاً۔ اقبال نشان مرزا علاؤالدین خان بہادر کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔ برخوردار علی حسین خان آیا مجھ سے ملا بھائی کا حال اُس کی زبانی معلوم ہُوا۔ حق تعالیٰ اپنا فضل کرے الولد سر لابیہ تم اُس کے مصداق کیوں بنے۔ خفقان و مراق اگرچہ تمہارا خانہ زاد و موروثی ہے۔ لیکن آجتک تمہاری خدمت میں حاضر نہ ہُوا تھا اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو پھر کیوں اُس کو ٹھہرنے دو ہانک دو۔ خبردار اس کو اپنے پاس رہنے نہ دینا۔ شفیق مکرم و لطف مجسم منشی نولکشور صاحب بسبیل ڈاک یہاں آئے مجھ سے اور تمہارے چچا اور تمہارے بھائی شہاب الدین خان سے ملے۔ خالق نے اُن کو زہرہ کی صورت اور مشتری کی سیرت عطا کی ہے۔ گویا بجائے خود قران السعدین ہیں۔ تم سے میں نے کچھ نہ کہا تھا اور کلیات کے دس مجلد کی قیمت [illegible] ان لئے تھے

اب اُن سے جو ذکر آیا تو انہوں نے پہلی قیمت شہرۂ اخبار یعنی قبول کی یعنی ۱۲ روپے فی جلد۔
اس صورت میں دس مجلد کے ۱۲۰ روپے میں دوں اور ۱۲ روپے تم دوگے مطبع اودھ اخبار
میں پہنچانے چاہئیں ہیں دسمبر ماہ حال کی دسویں گیارھویں کو طالب ہونگا۔ کہو ۱۲ روپے
علی حسین خان کو دیدوں۔ کہو لکھنؤ بھیج دوں۔ اس نگارش کا جواب جلد لکھو۔ بھائی صاحب
کی خدمت میں میرا سلام کہنا۔ اور اُستاد میر جان کے میری طرف سے قدم لینا۔ نجات کا طالب
غالب پنجشنبہ ۱۲۔ جمادی الثانی سال غفر مطابق ۴ دسمبر ۱۸۶۲ سال کیا غضب ہے یہ گویا تاریخ
وفات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ الگن صاحب بہادر کی ہے ؛

ایضاً ۔جمعہ نہم رجب و دسمبر ۱۸۶۳۔ میری جان تمہارا خط بھی آیا۔ اور علی حسین خان نجم الدین بھی
تشریف لایا۔ اگر سرنوشت آسمانی میں بھی اواخر رجب یا اوائل شعبان میں ہمارا تمہارا مل بیٹھنا
مندرج ہے تو زبانی کہہ سُن لینگے۔ قلم کو ان اسرار کی محرمیت نہیں ہے جو شخص اپنے ملک و مالُ
جان و تن و ننگ و نام کے امور میں آشفتہ و سرگردان بلکہ عاجز و حیران ہو دوسرے کو اس سے
کیا گلا ہائے نظیری سے

بابا جفا و ناخوشی باخود غرور و سرکشی   از ماۂ از خود نہ آخر او آں کیستی

محل عقل و ہوش دماغ سو تباہ۔ افیون کا مخمر ہو جانا علاوہ اللہ جو چاہے سو کرے ایسا پیارا
باغ و بہار بھائی یوں بگڑ جائے۔ نجات کا طالب غالب ؛

ایضاً ۔پنجشنبہ ۲۶ رمضان۔ صاحب کل تمہارا خط پہنچا آج اُس کا جواب لکھ کر روانہ کرتا ہوں
رجب بیگ شعبان بیگ۔ رمضان بیگ یہ نامور مہینے ہیں سو خالی گئے۔ شوال بیگ
آدمی کا نام نہیں سُنا۔ ہاں عیدی بیگ ہو سکتا ہے پس جب عید ہے اور روز سعید ہے تو
کیا بعید ہے کہ بخلاف شہور ثلثہ ماضیہ اس مہینے میں تم آسکو ہے ہے میں تو کہتا ہوں نہ آسکو اس
ماہ مبارک میں امضائے حکم سرکار کا وہ ہنگامہ گرم ہو کہ پارسیوں کی عید کوسہ برنشین کا گمان گذرے
دُور کیوں جاؤ ہولی کی ڈولنڈی کا سماں لوہارو میں بندھ جائے۔ ایک خرسوار کی سواری بڑی

دھوم سے نکلی حسن اتفاق یہ کہ یہ وہی موسم ہے ہولی اور عید کو سہ برشنین کا زمانہ باہم ہے حوت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار ہوتے ہیں۔ کل آفتاب حوت میں آیا ہے کو سہ برشنین اور ہولی کی رنگ رلیاں منائیے اور خر سوار کو بضرب تازیانہ دوڑائیے علاؤ الدین خان واللہ تو میرا فرزند روحانی معنوی ہے فرق اسی قدر ہے کہ میں جاہل ہوں اور تو مولوی ہے۔ ارے ظالم اس کو سہ برشنین کی داد دے عقل کرامت ہے الہام ہے لطف طبع ہے کیا ہے یہ اسم کسقدر مناسب مقام ہے صبیہ کا مقدم تم پر مبارک ہو ثاقب مجھ سے لڑتا تھا کہ بھتیجا ہے۔ میں کہتا تھا کہ پوتی ہے بارے میں جیتا اور ثاقب ہارا عریضہ جداگانہ اُستاد میرجان صاحب کے نام پہنچتا ہے ؎

ایضاً۔ میری جان علائی ہمہ دان اس دفع دخل مقدر کا کیا کہنا ہے فرہنگ لغات دساتیر تمہارے پاس ہے میں چاہتا تھا کہ اُس کی نقل تم سے منگاؤں تم نے دساتیر مجھ سے مانگی اُسی صحیفہ مقدس کی قسم کہ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ جی میں کہو گے کہ اگر دساتیر نہیں تو فرہنگ کی خواہش کیوں ہے حق یوں ہے کہ بعض لغات کے اعراب یاد نہیں اسواسطے فرہنگ کی خواہش ہے اگر اُس فرہنگ کی نقل بھیجدو گے تو مجھ پر احسان کرو گے۔ دساتیر میرے پاس ہوتی تو آج اس خط کے ساتھ اُس کا بھی پارسل بھیج دیتا۔ ہاں صاحب اگر دساتیر ہوتی اور میں بھیجدیتا تو البتہ بھائی صاحب کا مشکور رہتا۔ دین و دُنیا میں کیوں ماجور ہوتا ارسال اہل پر حصول اجر کیوں مرتب ہوگیا۔ بھائی وہ مذہب اختیار کیا چاہتے ہیں اور تم اُس مذہب کو حق جانتے ہو کہ میں جو واسطہ اُس کے اعلان و شیوع کا ہوتا تو عند اللہ مجھ کو استحقاق اجر پانے کا پیدا ہوتا۔ اپنے باپ کو سمجھاؤ اور ایک شعر میرا اور ایک شعر حافظ کا اور ایک شعر مولوی روم کا سُناؤ۔ **غالب**

دولت بغلط نبود از سعی پشیمان شو غالب کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ حافظ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مذہب عاشق ز مذہبہا جدا ست مولانا روم عاشقان را مذہب و ملت جدا ست

کا مژدہ لایا ہے، خوشی چند روز اور تسلی فراق اور ہجر کو دیدار کا مشتاق ہوں۔ تو کو سہ برشنی اور ہولی

رات کو خوب مینہ برسا ہے صبح کو تھم گیا ہے ہوا سرد چل رہی ہے۔ ابر تنک چھا رہا ہے یقین ہے کہ تمہاری جدہ ماجدہ مع اپنی بہو اور پوتے کے روانہ لوہارو ہوں۔ کل آج کی روانگی کی خبر تھی۔ یہ لڑکا سعید ازلی ہے۔ ابر کا محیط ہونا اور ہوا کا سرد ہو جانا خاص اسکی آسایش کے واسطے ہے میرا انتظار سر راہ ہے وہاں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ محمد علی بیگ اُدھر سے نکلا بھئی محمد علی بیگ لوہارو کی سواریاں روانہ ہوگئیں۔ حضرت ابھی نہیں کیا آج نہ جائینگے آج ضرور جائینگے تیاری ہو رہی ہے۔ مرقومہ شنبہ یکم جون وقت صبح ۶ بجے ۷ کے عمل میں۔ غالب ؎

ایضاً یکشنبہ ۳۰ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۶۳ء۔ میری جان مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے۔ میں نے خطوط مرسلہ تمہارے یکمشت اُن کو دئے۔ اب تمہارے پاس پہنچنے کا ان کو اختیار ہے رسید کا البتہ مجھے انتظار ہے۔ علی حسین خاں سے آنے کی حقیقت اور یہاں اقامت کی مدت پوچھی گئی جواب پایا کہ ایک مہینے دس دن کی رخصت لیکر آیا ہوں بی بی بیمار ہے اُس کا استعلاج منظور ہے۔ میری جان علی حسین خاں کے کام آئے تو دریغ نہ کروں بھلا یہ مبالغہ سہی بلکہ بیشک تبلیغ وغلو ہے لیکن قریب قریب اس کے یعنی جو چیز امکان سے باہر نہ ہو۔ مگر سوچو کہ آئین غمخواری و اندوہ گساری کیا ہوگی۔ میر زاہد وضع وبدروش نہیں کہ پند و بند کا محتاج ہو کوئی اُس کا مقدمہ کسی محکمہ میں دائر نہیں کہ مصلحت ومشورت کی احتیاج ہو رہے امور خانگی یعنی بی بی اور اُس کے آبا و اخوان کے معاملے اُس میں نہ تم کو دخل نہ مجھ کو مداخلت تم علی حسین خاں کو اس پیوند پر کیا کیا چھیڑتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ اُس کا دادا کتنا بڑا آدمی تھا اور اُس کے دادا کی اور اُس کی سسرال ایک ہے یہ ذریعہ فخر ہے اُس کو اور اُس کے طفیل سے تم کو بلکہ تھوڑی سی نازش اگر مجھ ننگ اقربا کے حصہ میں بھی آجائے تو کچھ بعید نہیں ہر چند تمہارا ہر کلمہ ایک بذلہ ہے لیکن اس خسر و خسروانی نے مار ڈالا کیا کہوں جو مجھ کو مزا ملا ہے کہاں خسرو خسران لغات عربی الاصل اور کہاں روزمرہ مشہور کہ خسر سُسرے کو کہتے ہیں صنعت اشتقاق وطباق کو کس سینہ زوری سے برتا ہے اچھا میرا میاں یہ خسر یعنی پدر زن کیا لفظ ہے حروف بین

الفارسی والعربی مشترک ہیں۔ لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے نہ عربی ہے فارسی میں پدر زن بہ فک اضافت کہتے ہیں۔ عربی میں جس طرح بمعنی نقصان متصرف ہے۔ شاید خسرے کا اسم جامد بھی ہو فی الحقیقت خسرے کی تفریس و تعریب ہو یہ پرسش نہ بسبیل استہزا ہے بلکہ بطریق استفسار و استعلام ہے جو تمہیں معلوم ہو بلکہ اگر تم پر مجہول ہو تو معلوم کر کے مجھے لکھ بھیجو۔ یوسف علی خان عزیز بمانند اُس دہقان کے کہ جو دانہ ڈال کے مینہ کا منتظر ہوا اور ابر آئے اور نہ برسے مضطر و حیران ہے علی حسین خان آتے ہیں علی حسین خان آتے ہیں آئے وہ آئے تو کیا لائے۔ غالب ؎

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ آنکھ کی گھاجنی جب خود پک کر پھوٹ گئی تھی اور پیپ نکل گئی تھی تو نشتر کیوں کھایا مگر یہ کہ بطریق خوشامد طبیب سے رجوع کی جب اُسنے نشتر تجویز کیا خواہی نخواہی امتثال امر کرنا پڑا اور شاید یوں نہوں کچھ مادہ باقی ہو۔ بہرحال حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفا بخشے قطعہ

بسکہ فعال ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جسکو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک — تشنۂ خون ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
مینے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کئے شکوہ — سوزش داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کئے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یارب — کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

ایضاً۔ یار بھتیجے گویا بھائی مولانا علائی خدا کی دہائی نہ میں ویسا ہونگا جیسا تم سمجھا ہے اور تم مجھ کو

لکھ چکے ہو یعنی خفقانی اور خیال تراش نہ ویسا ہونگا جیسا میرزا علی حسین خان بہادر سمجھے ہو گئے ہو سے
اے کاش کسے ہر اینچہ ہستم داند ،، دو جانے میں میرا انتظار اور میرے آنے کا تقریب شادی پر لا
یہ بھی شعبہ ہے اُنہیں ظنون کا جس سے تمہارے چچا کو گمان ہے مجھ پر جنون کا جاگیر دار میں نہ
تھا ایک جاگیر دار مجھ کو بلاتا گویا میں نہ تھا کہ اپنا ساز و سامان لیکر چلا جاتا۔ دو جانے جا کر شادی
کماؤں اور پھر اُس فصل میں کہ دُنیا کرہ نار ہو لوہارو بھائی کے دیکھنے کو نہ جاؤں اور پھر اُس
موسم میں کہ جاڑے کی گرمی بازار ہو۔ کل اُستاد میر جان صاحب نے تمہارا خط مجھ کو دکھایا ہے
بیٹے اُن کو جانے نہ جانے میں تردد پایا ہے جائیں نہ جائیں۔ میں اپنی طرف سے ترغیب کرتا
رہتا ہوں۔ اور کہتا رہونگا غلام حسن خان اگر کسی وقت آجائیں گے تو اُن کو تمہاری تحریر کا خلاصہ
خاطر نشان کرونگا حق سبحانہ تعالیٰ ان دونوں صاحبوں کو یا ایک کو ان میں سے توفیق دے یا
مجھ کو طاقت یا تم کو انصاف کہ میرے نہ آنے کو دلی کی دلبستگی پر محمول نہ کرو مجھ کو رشک ہے
جزیرہ نشینوں کے حال پر عموماً اور رئیس فرخ آباد پر خصوصاً کہ جہاز سے اُتر کر سرزمین عرب
میں چھوڑ دیا۔ اہاہاہا سے

پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار — اور اگر مر جائیے تو نوحہ خوان کوئی نہ ہو

کلیات کے انطباع کا اختتام اپنی زیست میں مجھ کو نظر نہیں آتا۔ قاطع برہان کا چھاپا تمام ہو گیا
حق التصنیف کی ایک جلد میرے پاس آگئی وہ تمہارے عم نامدار کے نذر ہوئی باقی جلدیں جنکا
میں خریدار ہوا ہوں اور درخواست میرے مطبع میں داخل ہے جب تک قیمت نہ بھیجدوں کیونکر
آئیں۔ روپیہ کی تدبیر میں ہوں اگر بہم پہنچ جائے تو بھیجدوں۔ تمہارے پاس جو قاطع برہان
پہنچی ہے اگر چھاپے کی ہے تو صحیح ہے جہاں تردد ہو غلط نامہ ملحقہ میں دیکھ لو۔ زیادہ انکشاف
منظور ہو مجھ سے پوچھ لو۔ اگر قلمی ہے تو درجہ اعتبار سے ساقط ہے اُس کو میری تالیف نہ سمجھو
بلکہ مجھ کو مول لیلو اور اُس کو پھاڑ ڈالو۔ آج یوم الخمیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا
خط آیا ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھنے بیٹھا۔ یہانتک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی

آئے تمہارا خط اُن کو دیا وہ پڑھ رہے ہیں ہم لکھ رہے ہیں ابر آیا ہوا ہے ہوا سرد چل رہی ہے۔

ایضاً۔ میاں تم میرے ساتھ وہ معاملے کرتے ہو جو احباب سے مرسوم و معمول ہیں خیر تمہارا حکم بجا لایا غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے دربار کیا میری تعظیم و توقیر اور میرے حال پر لطف و عنایت میری ارزش و استحقاق سے زیادہ بلکہ میری خواہش اور تصور سے سوا مبذول کی اس ہجوم امراض جسمانی اور آلام روحانی کو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے ہر دم دم نزع ہے دل غم سے خونریز ہوگیا ہے کہ کسی بات سے خوش نہیں ہو سکتا۔ مرگ کو نجات سمجھے ہوئے ہوں اور نجات کا طالب ہوں۔ کئی دن سے کوئی تحریر دلپذیر تمہاری نظر نہیں آئی نہ مجھے تم نے یاد کیا نہ اپنے بھائی کو کچھ لکھا۔ اب اس خط کا جواب جلد لکھو پہلے اپنے بچّوں کا حال پھر وہاں کے اوضاع جیسا تمہارا قاعدہ ہے منقح اور مفصّل لکھو۔ فقط نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ میری جان تخلص تمہارا بہت پاکیزہ اور میری پسند ہے۔ تشمی کو بہ تکلف اس کا مصحف کیوں ٹھہراؤ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی خے کو جیم فارسی سے بدل دو۔ نہی کو بتقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وساوس دل سے دُور کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے رہرو اُسکی تجنیس موجود ہے شیون ایک اچھا تخلص ہے شیون اُسکی تصحیف ہے تمہارے واسطے بمناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا۔ مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گذر چکا ہے ہاں نامی سامی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو۔ مولانا لائق کہلاؤ۔ اگر کہو گے کہ اس ترکیب سے لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے مولانا شائق بن جاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں۔ اب حقیقت واجبی سنو۔ نسیمی تخلص۔ خماسی ہے بروزن ظہوری و نظیری اچھا ہے اگر بدلنا ہی منظور ہے تو نامی سامی رہرو شیون۔ یہ چار تخلص رباعی بروزن عُرفی و غالب اچھے ہیں ان میں سے ایک تخلص قرار دو۔ میرے نزدیک سب سے بہتر تمہارے واسطے خاص فخری تخلص بہتر ہے۔ کہو گے کہ آزاد پور کے باغ میں ایک آم کا نام فخری ہے حاصل کلام دو دن کی فکر میں جو تخلص میرے خیال میں آئے وہ آج لکھ بھیجتا ہوں۔ بھائی مؤید تخلص نیا ہے اگر یہ پسند آئے تو یہ رکھو۔ والدعا صبح یکشنبہ ۱۲ مئی ۱۸۶۱ء۔ نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ صاحب بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ آپکا وکیل بڑا چرب زبان ہے۔ مقدمہ لئے جیت لیا چنانچہ اُس کی تحریر سے تم کو معلوم ہُوا ہوگا۔ سُنتا ہوں کہ حمزہ خان کو ان دنوں علّت مشائخ کا زور ہے اور سعدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں ؎

کسانیکہ یزدان پرستی کنند　　با آوازِ دولاب مستی کنند

خدا مبارک کرے۔ غالب

ایضاً۔ صبح یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۶۲ع صاحب پرسوں تمہارا خط آیا کل جمعہ کے دن نواب کا مسہل تھا ۱۱ بجے وہاں سے آیا چونکہ جوب میں مرکب دوائیں تھیں بہت بیچین رہے آٹھ دس دست آئے آخر روز مزاج بحال ہوگیا تنقیہ اچھا ہُوا اب بفضل الٰہی اچھے ہیں اور یقین ہے کہ مرض عود نہ کرے دلی کی اقامت کی مدت اپنے والد کی رائے پر رہنے دو بقدر مناسب وقت عزم خیر خواہانہ کچھ کہوں گا ضرور نہ بابرام۔ ہیں تم سے زیادہ ان کا مزاج دان ہوں یہ خود پسند او معہذا سپارش کا دشمن ہے مغلچیوں کے مقدمہ کو طبیعت امکان پر چھوڑ دو میں دخل نہ کرونگا۔ ہاں اگر خود مجھ سے پوچھینگے یا میرے سامنے ذکر آجائیگا تو میں اچھی طرح کہونگا مصرع برہ بد با د زبانے کہ ناسزا گوید۔ بُرا نہ ماننا اگر یہ دونوں بھائی یا ان میں سے ایک رفیق ہوگیا۔ یُوں تمام عُمر بخوشی گذر جائے لیکن تم کئے برس کئے مہینے کئے ہفتہ کا اگریمنٹ لکھتے ہو۔ غالب

ایضاً۔ مرزا علائی پہلے اُستاد میر جان صاحب کے قہر و غضب سے مجھ کو بچاؤ تاکہ میرے حواس جو منتشر ہوگئے ہیں جمع ہو جائیں میں اپنے کو کسی طرح کے قصور کا مورد نہیں جانتا جھگڑا اُنکی طرف سے ہے تم اُس کو یُوں چکاؤ یعنی اگر ان کو صرف آشنائی و مُلاقات منظور رہے تو وہ میرے دوست ہیں شفیق ہیں میرا اسلام قبول فرمائیں اور اگر قرابت و رشتہ داری ملحوظ ہے تو وہ میرے بھائی ہیں مگر عُمر میں چھوٹے میری دعا قبول فرمائیں صاحبین کی رائے کا اختلاف مشہور ہے۔ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا مگر ہر ایک قول جُدا جُدا لکھوں۔ آج نہ لکھا نہ سہی دو چار دن کے بعد لکھوں گا تم سمجھ تو گئے ہو گے کہ صاحبین مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ ہیں۔

بھائی صاحب کی رضاجوئی مجھ کو منظور اور یہ غزل معروض ہے میری طرف سے سلام کہو سے

از من غرلے گیر و بفرمائے کہ مطرب درنے دمد از روے نوازش دوسہ دم را

غزل

جز رفع غم ز بادہ نبود است کام ما گوئی چراغ روز سیاہ ہست جام ما

در خلوتش گزر نبود باد را مگر صرصر بخاک راہ رساند پیام ما

اے باد صبح عطرے ازاں پیرہن بیار تسکین ز بوئے گل نپذیرد مشام ما

ہر بار دانہ بہر ہما افگنیم و مور آید بدام و دانہ رباید ز دام ما

گفتی چو حال دل شنود مہربان شود مشکل کہ پیش دوست تواں برد نام ما

از ما بما پیام دہم از ما بما سلام رنج دلے مباد پیام و سلام ما

مقصود ما ز دہر ہم آئینہ نیستی ست یارب کہ ہیچ دوست مباد ابکام ما

غالب بقول حضرت حافظ ز فیض عشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

ایضاً۔ میاں چلتے وقت تمہارے چچا نے غلیل کی فرمائش کی تھی رام پور پہنچ کر وہ بے سعی و تلاش ہاتھ آگئی بنوا رکھی۔ لڑکوں نے ملازموں نے سب نے مجھ سے سُن لیا کہ یہ نواب ضیاء الدین خان کیواسطے ہے اب چلنے سے ایک ہفتہ پہلے تم نے غلیل مانگی۔ بھائی کیا بتاؤں کہ کتنی جستجو کی کہیں بہم نہ پہنچی دس روپیہ تک مول کو نہ ملی۔ نواب صاحب سے مانگی توشہ خانہ میں بھی نہ تھی ایک امیر کے ہاں پتہ لگا دوڑا ہُوا گیا کھپچی موجود پائی لیکن کیا کھپچی جیسے نجف خان کے عہد کے تورانیوں میں ہماری تمہاری ہڈی۔ بنوا لینے کی فرصت کہاں آج لی کل چلدیا۔ اس بانس کی قدر کرنا اور اس کو اچھی طرح بنوا لینا۔ بادشاہ فرخ سیر اور اُس کے اخوان خوش وخرم ہیں۔ فرخ سیر کی ماں نے باجرے کا حلوا سوہان کھلایا۔ نجات کا طالب غالب شنبہ ۲۵۔ شعبان ۱۳۔ جنوری ؎

ایضاً۔ جان غالب دو خط متواتر تمہارے پہونچے۔ مغربی عرفا میں سے ہے۔ بیشتر اُسکے کلام میں مضامین حقیقت آگین ہیں لیکن دامان گلہ وارد وگریبان گلہ وارد۔ اس زمین میں بیٹے اُس کی غزل نہیں دیکھی حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

در بزم وصال تو بہنگام تماشا ۔۔۔ نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی ۔۔۔ بدست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رہی ہے وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا مجھ پر سے یہ تکلیف اُٹھوالو اور تم اس زمین میں چند شعر لکھ کر بھیج دو میں اصلاح دیکر بھیج دونگا عصائے پیر بجائے پیر واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ہے۔ آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آگیا وہ لکھتا ہوں ٭

غزل

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست ۔۔۔ در امر خاص حجت دستور عام چیست

مستم ز خون دل کہ دو چشمم زبان پر است ۔۔۔ گوئی مخور شراب نہ بینی بجام چیست

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام ۔۔۔ داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست

ما خستۂ غمیم و بود مے دوائے ما ۔۔۔ با خستگان حدیث حلال و حرام چیست

از کاسۂ کرام نصیب ست خاک را ۔۔۔ تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت ۔۔۔ پرسد چرا کہ نرخ مے لعل فام چیست

ایضاً۔ لو صاحب وہ مرزا رجب بیگ مرے اُن کی تعزیت آپ نے نہ کی۔ شعبان بیگ پیدا ہوگئے کل ان کی چھٹی ہوگئی آپ شریک نہ ہوئے ع اے وائے ز محرومی دیدار دگر ہیچ ٭

میاں خدا جانے کس طرح یہ چار سطریں تجھ کو لکھی ہیں۔ شہاب الدین خاں کی بیماری نے میری زیست کا مزا کھو دیا۔ ہیں کہتا ہوں کہ اُسکی عوض میں مرجاؤں اللہ اُس کو جیتا رکھے اُس کا داغ مجھ کو نہ دکھاوے۔ یارب اُس کو اس کی اولاد کے سر پر سلامت رکھ۔ نجات کا طالب غالب"

ایضاً۔ مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو ہمیشہ سے اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں اگر نیر خلیفہ اوّل ہے تم خلیفہ ثانی ہو اُس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے جانشین دونوں مگر ایک اوّل ہے اور ایک ثانی ہے شیر اپنے بچّوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریق صید افگنی سکھاتا ہے جب وہ جوان ہو جاتے ہیں آپ شکار کر کھاتے ہیں تم سخنور ہو گئے حُسن طبع خدا داد رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو۔ اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو کہ مجھ پیر غمزدہ دل مُردہ کو تکلیف دو۔ علاؤالدین خان تیری جان کی قسم ہیں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا وہ لڑکا نہ جیا مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی میرا ممدوح جیتا نہیں نصیرالدین حیدر اور امجد علیشاہ ایک ایک قصیدہ میں چل دیئے واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ صاحب دہائی خدا کی ہیں نہ تاریخ ولادت کہونگا نہ نام تاریخی ڈھونڈونگا۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمہاری اولاد کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال عطا کرے۔ سُنو صاحب حُسن پر تو نکا ایک قاعدہ ہے وہ امرد کو دو چار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جوان ہے لیکن بچّہ سمجھتے ہیں یہ حال تمہاری توم کا ہے قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اُس کی عزّت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے اور تم صاحب بھی جانتے ہو مگر جب تک اُس سے قطع نظر نہ کرو اور اس مسخرے کو گم نام و ذلیل نہ سمجھ لو تم کو چین نہ آئیگا پچاس برس سے دلّی ہیں رہتا ہوں۔ ہزار ہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلّہ نہیں لکھتے بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلّہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہانتک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام اور میرا نام یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو

دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں نہ سہی اہلِ حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلّہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے خط کے پہنچنے کا میں ضامن پنجشنبہ ۴۔ ماہ اپریل ؁

ایضاً۔ میری جان ناسازیٔ روزگار و بے ربطیٔ اطوار و بطریق داغ بالائے داغ آرزوئے دیدار و دود آتش شرارہ بار اور یہ ایک دریائے ناپیدا کنار و قنار بنا عذاب النّار۔ خدا نے بھائی ضیاء الدین خان کے بڑھاپے پر اور میری بیکسی پر رحم فرمایا۔ میر شہاب الدین خان بچ گیا امراض مختلفہ میں گھر گیا تھا۔ بواسیر خونی زحیر تپ صداع بارے اب من کل الوجوہ صحت حاصل ہے۔ ضعف جاتے ہی جائیگا آگے کون سے قوی تھے کہ اب اُن کو ضعیف کہا جائے ایک بڈھا کسی گلی میں جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑا کہنے لگا ہائے بڑھاپا اِدھر اُدھر دیکھا جب جانا کہ کوئی نہیں ہے کہتا ہُوا بڑھا کہ جوانی میں کیا پتھر پڑتے تھے والسلام غالب مستہام ؁

ایضاً۔ لو صاحب پرسوں تمہارا خط آیا اور کل دو پہر کو اُستاد میر جان آئے جب اُن سے کہا گیا تو یہ جواب پایا کہ میں مدت سے آمادہ سفر لوہارو بیٹھا ہوں حکیم صاحب کی گاڑی کی روانگی کے وقت میں نے اپنی گٹھری بھیجی تھی وہ پھری آئی اس مراد سے کہ گاڑی میں جگہ نہ گٹھری کی نہ سواری کی ناچار چپ ہو رہا۔ اب وہ گٹھری ویسی ہی بندھی ہوئی رکھی ہے جب میاں خاں اور وزیر خاں روانہ ہونگے اور منشی امداد حسین مجھ کو اطلاع دینگے تو میں فوراً چلدونگا پا برکاب ہوں۔ کل ہی آخر روز غلام حسن خان آئے کل اُنھوں نے چوتھے دن کھانا کھایا تھا ہیضہ ہو گیا تھا تے متواتر دست پے بہ پے غرض بچ گئے کہتے تھے کہ آج جولائی کی ۱۷ تاریخ ہے ۱۳ دن یہ اور ۵ دن اگست کے اور نہیں جاسکتا۔ تنخواہ لیکر بانٹ بونٹ کر ایک دن نہ ٹھہرونگا لوہارو کی راہ لونگا۔ مرزا شمشاد علی بیگ سے تمہارا پیام کہا گیا لعید ہے جو غلام حسن خان کے ہم سفر ہو جائیں بھائی کی طرف سے منشی امداد حسین خان کو لکھوا بھیجو کہ میاں جان وغیرہ کے ساتھ اُستاد کو ضرور بھیجنا اور تم اپنی طرف سے اپنے ابن عم غلام حسن خان کو بحوالہ میری تحریر کے

عبادت اور اوائل اگست میں روانگی کی تاکید لکھ بھیجو ؎

در بزم وصالِ تو بہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

بہ زبان قدسی علیہ الرحمۃ کے حصہ میں آگئی ہے میں اس میں کیونکر تخم ریزی کروں اور اگر بیحیائی سے کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤں تو اس شعر کا جواب کہاں سے لاؤں ؎

ہرگز نہ تواں گفت دریں قافیہ اشعار بیجاست برادر اگر از من گلہ دارد

التوائے شرب شراب ۲۲ جون شروع شراب ۱۰ جولائی مصرع المنۃ للّٰہ کہ در میکدہ باز ست ۔

ایضاً۔ شنبہ ۱۰ جولائی سنہ ۱۸۶۴ء علائی مولائی غالب کو اپنا دُعاگو اور خیر خواہ تصور کریں مادہ ہائے تاریخ کو نہ آپ قالب نظم میں لائیں اور نہ اور کو اس امر منکر کی تکلیف دیں۔ بھائی سمجھو یزید پر لعن منجملہ عبادت سہی لیکن تقریباً کہدیتے ہیں کہ بر یزید لعنت کسی مومن نے اُس کی ہجو میں قصیدہ نہیں لکھا۔ ابداع مادہ ہائے تاریخ تمہارے حسنات میں لکھا گیا مثاب تم ہو چکے اجر پاؤ گے انشاء اللّٰہ اب اپنے کو بدنام اور کسی کو ملول اور عداوت کو ظاہر اور اگر ظاہر ہو تو محکم نہ کرو علی بخش خاں مرحوم مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ میں سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوا ہوں اب کے رجب کے مہینے سے اونہتروان برس شروع ہوتا ہے اُس نے ۶۶ برس کی عُمر پائی۔ نئی تقریر و تحریر کا آدمی تھا۔ اکبر آباد میں میور صاحب سے ملے اثنائے مکالمت میں کہنے لگے کہ میں چچا جان کے ساتھ جرنیل لارڈ لیک صاحب کے لشکر میں موجود تھا اور ہولکر سے جو محاربات ہوئے ہیں اُس میں شامل رہا ہوں بے ادبی ہوتی ہے ورنہ اگر قبا و پیرہن اُتار کر دکھلاؤں تو سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے جابجا تلوار اور برچھی کے زخم ہیں وہ ایک بیدار مغز اور دیدہ ور آدمی اُن کو دیکھ دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں چار پانچ برس کے ہو گے یہ سُن کر آپ نے کہا کہ درست بجا ارشاد ہوتا ہے۔ خدا ایش بیامرزاد و بدیں در وغہائے بے نمک مگیرا د غالب ۔

ایضاً۔ یکشنبہ ۹ فروری سنہ ۱۸۶۳ء صاحب صبح جمعہ کو میں نے تم کو خط لکھا اُسی وقت بھیجدیا پہر دن چڑھے سُنا کہ شب کو پھر دورہ ہوا۔ گیا آیا خود اُن سے حال پوچھا۔ علی محمد بیگ کی زبانی

یہ معلوم ہُوا کہ بہ نسبت دورہ ہائے سابق خفیف تھا اور افاقہ جلد ہوگیا۔ کل مرزا شمشاد علی بیگ ناقل تھے کہ مجھ سے علی حسین کہتے تھے کہ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ لوہارو چلو گے۔ اور ہماری دال روٹی قبول کرو گے میں نے کہا کہ مَیں دال روٹی چاہتا ہوں مگر پیٹ بھر کے غالب کہتا ہے کہ اس بیان سے یہ معلوم ہُوا کہ سالک سے سلوک منظور نہیں تہنا فی ہوائے شمشاد درمراست ؎

رموز مملکتِ خویش خسروان دانند گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ایضاً۔ صاحب مَیں از کار رفتہ درماندہ ہوں۔ آج تمہارے خط کا جواب لکھتا ہوں لفظ خسر کے باب میں اتنی توضیح کیا ضرور تھی۔ میرا علم لغات عربیہ کا محیط نہیں ہے اور یہ بطریق حق الیقین جانتا ہوں کہ خسر لُغت فارسی نہیں سُسرے کی تفریس سے خُسر پیدا ہُوا ہو تو کیا عجب ہے تم سے اسکی تحقیق چاہی تھی کہ یہ لُغت عربی الاصل نہ ہو وہ معلوم ہُوا کہ عربی نہیں لُغت ہندی ہے اور یہی تھا میرا عقیدہ علی حسین خان آئے دو تین بار مجھ سے مل گئے اب نہ وہ آسکتے ہیں نہ میں جاسکتا ہوں۔ نصیب دشمنان وہ لنگڑے ہیں لولا اُنکے پائوں کا حال مفصّل تم کو معلوم ہوگا جونکیں لگیں کیا ہُوا کہاں تک نوبت پہنچی میری حقیقت سُنو۔ مہینہ بھر سے زیادہ کا عرصہ ہُوا بائیں پائوں میں ورم کفِ پا سے پُشت پا کو گھیرتا ہُوا پنڈلی تک آماس کھڑا ہوتا ہوں تو پنڈلی کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں خیر اُٹھا روٹی کھانے محلسرا نہ گیا کھانا یہیں منگالیا پیشاب کو کیونکر نہ اُٹھوں حاضری رکھ لی بغیر اوکڑو بیٹھے بات نہیں بنتی پاخانہ کو اگرچہ دوسرے تیسرے دن جاؤں مگر جاؤں تو سہی یہ سب موقع خیال میں لاکر سوچ لو کہ کیا گذرتی ہوگی آغاز فتق مزید علیہ یا مستزاد رع ”پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند“ اپنا یہ مصرع بار بار چُپکے چُپکے پڑھتا ہوں رع اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے“ مرگ اب ناگہانی کہاں رہی۔ اسباب و آثار سب فراہم ہیں ہائے الٰہی بخش خان مغفور کا کیا مصرع ہے۔ رع آہ جی جاؤں نکل جائے اگر جان کہیں ”زندہ بیفائدہ مرگ کا طالب۔ غالب جمعہ ۳ جولائی ۱۸۶۳ء“

ایضاً ولیعہدی میں شاہی ہو مبارک   عنایاتِ الٰہی ہو مبارک

اس امر فرخ وہمایوں کی شہرت میں کوشش بے حوصلگی ہے اور اسکے اخفا میں مبالغہ خفقانیت
تم اپنی زبان پر نہ لاؤ اگر کوئی اور کہے مانع نہ آؤ نہ اشتہار نہ استتار ۱۲ دورہ ہُوا مگر مدت
معینہ کے بعد اور پھر جھاگ کا نہ آنا اور تمہارے ہگارنے سے متنبہ ہوجانا مادہ کی کمی کی علامتیں
ہیں شدت میں جسقدر خفت ہو غنیمت ہے۔ میرے خطوط اردو کے ارسال کے باب میں
جو کچھ تم نے لکھا تمہارے حسن طبع پر تم سے بعید تھا میں سخت بے مزہ ہُوا اگر بے مزگی کے
وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ کا سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات موجز و مختصر لکھتا ہوں
سُنو بھائی اگر اُن خطوط کا تم کو اخفا منظور رہا اور شہرت تمہارے منافی طبع ہے تو ہرگز نہ بھیجو۔
قصہ تمام ہُوا۔ اور اگر اُن کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے تو میری دستخطی خطوط اپنے پاس رہنے
دو اور کسی متصدی سے نقل اُترواکر چاہو کسی کے ہاتھ۔ چاہو بسبیل پارسل ارسال کرو لیکن خدا
کے واسطے کہیں غصہ میں آکر عطا ہے تو بہ لقاے تو کہکر اصل خطوط نہ بھیجدینا کہ یہ امر میرے
مخالف مقصود ہے بھلا صاحب ڈرتا ہوں میں تم سے اِدھر خط پڑھا اُدھر جواب لکھکر ڈاک
میں بھیجا تمہارا خط رہنے دیا ہے جب آقا شمشاد علی بیگ آئینگے پڑھ لینگے +

ایضاً۔ میری جان کیا کہتے ہو کیا چاہتے ہو۔ ہوا ٹھنڈی ہوگئی۔ پانی ٹھنڈا ہو گیا۔ فصل اچھی ہو گئی
اناج بہت پیدا ہو گیا۔ توقیع جانشینی مجھ سے تم کو پہنچا۔ خرقہ پایا سجہ وسجادہ کا یہاں پتہ نہیں رہ
وہ بھی عزیز نہ رکھنا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بھائی نے شفا پائی اُستاد میر جان پہنچ گئے۔ آخر اکتوبر
میں یا آغاز نومبر میں نیر رخشاں کو بھی دیں لو۔ پھر عقرب و قوس کے آفتاب کا کیا ذکر۔ آبان ماہ
و آذر ماہ سے کیا غرض ہے

بیسے تیر ودہ ماہ و اُردی بہشت   برآید کہ ما خاک باشیم و خشت

اُستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپھی اُن کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا
اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن وسال کی رعایت نہیں کرتے سلام

اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہیں بندگی اور اس نظر سے کہ یہ بیت ہیں وردو اور موافق مضمون اس مصرعہ کے ہے سوئے اللہ واللہ باقی الوجود ہ بسجود حضرت وہ شرفنامہ نہیں ہے کسی احمق نے شرفنامہ میں سے کچھ لغات اکثر غلط کمتر صحیح چن کر جمع کئے ہیں نہ دیباچہ ہے کہ اُس سے جامع کا حال معلوم ہو۔ نہ خاتمہ ہے کہ عہد و عصر کا حال کھلے۔ بانیہمہ میاں ضیاء الدین کے پاس ہے اگر وہ آجائینگے تو اُن سے کہدونگا۔ اگر وہ لا دینگے تو اُن کو قیمت دے کر علائی مولائی کو بھیج دوں گا۔ خصی بکروں کے گوشت کے قلئے دو پیازے پلاؤ کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو مجھ کو خدا کی قسم اگر اُس کا کچھ خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اُس مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہونگے تو یہاں ہیں رشک سے اپنا کلیجہ چابنے لگتا ہوں۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۱۵۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء

ایضاً غاک تمنا کم و تو بادِ بہار
نہ توانی مرا ز جا بردن
ہاں نسیم زمن چہ میخواہی
زحمتِ خویشتن چہ سے خواہی

خوشی مجھ میں تم میں مشترک ہے۔ تم نے مجھے تہنیت دی تو مبارک اور میں نے تمہیں تہنیت دی تو مناسب للہ الحمد للہ الشکر۔ بھائی سچ تو یہ ہے کہ ان دنوں ہیں میرے پاس ٹکٹ نہیں اگر بیرنگ بھیجوں تو کہار ماندہ اُٹھ نہیں سکتا ڈاک گھر تک جائے کون۔ اپنا مقصود تمہارے والد ماجد سے اور تمہاری جدہ ماجدہ اور تمہارے عم عالی مقدار سے کہہ چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میری بی بی اور بچوں کو کہ یہ تمہاری قوم کے ہیں مجھ سے لیلو کہ میں اب اس بوجھ کا متحمل ہو نہیں سکتا اُنہوں نے بھی بشرط ان لوگوں کے لوہارو جانے کی اس خواہش کو قبول کیا۔ میرا قصد سیاحت کا ہے پنشن اگر کھل جائیگا تو وہ اپنے صرف ہیں لایا کرونگا۔ جہاں جی لگا وہاں رہ گیا جہاں سے دل اُکھڑا اچل دیا ہے تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست ہ غالب دوشنبہ ۱۳ محرم ۱۲۷۵ ہجری مطابق ۲۳۔ اگست ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مرزا علائی مولائی نہ لاہور سے خط لکھا نہ لوہارو سے۔ بقدر رادہ حمق محو انتظار بلکہ امیدوار رہا۔

اب جو کسی طرح کی توقع نہ رہی تو شکوہ طرازی کا موقع ہاتھ آیا۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ ایک شکوہ کے وقوع میں طوطے نامہ برابر ایک رسالہ لکھو گے اور ہزار وجہیں موجہ بیان کروگے ہیں اس تصور کا مزہ اُٹھا رہا ہوں کہ دیکھوں کیا لکھتے ہو۔ دادی صاحبہ سے لکھوانا پھوپھی صاحبہ سے لکھوانا غالب سے لکھوانا بعد حصول اجازت نہ آنا۔ اس کے بھی کچھ معنی ہیں یا نہیں اچھا میرا میاں کچھ اس باب میں لکھ۔ چھچڑی اور وو وو ایک مندیل اور ایک سیلا یا کوئی اور چیز مبارک بچوں کو میری دُعا کہنا اور اُن کی خیر و عافیت لکھنا۔ اُستاد میر جان صاحب کو سلام۔ مرزا تو جب ملیگا کہ تم دلی آؤ اور اپنی زبان سے لاہور کے ہنگامہ انجمن کا حال بیان کرو۔ نجات کا طالب غالب

چہار شنبہ ۳۔ نومبر ۱۸۶۴ء

ایضاً۔ صبح یکشنبہ ۲ ستمبر ۱۸۶۳ء۔ جانا عالیشانا پہلے خط اور پھر بتوسط برخوردار علی حسین خان مجلد کلیات فارسی پہنچے۔ حیرت ہے۔ کہ چار روپیہ قیمت کتاب اور ۱۲ محصول ڈاک قالب انطباع میں آکر پانچ روپیہ قیمت اور ۵ محصول قرار پاوے۔ خیر جہاں سو وہاں سوا سے۔ میرا حال تمہیں اور تمہارا حال مجھے معلوم ہے مصرع انیہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ ا بچے چھٹے میں شاید دے سکوں نومبر سنہ حال میں ۵ تمہارے پاس پہنچ جائینگے۔ انشاءاللہ العلی العظیم۔ میں بیچا تھا نہ مرا اچھا ہونے لگا عوارض میں تخفیف ہے طاقت آ چلی ہے مختصر مفید ۵

ورنامہ جزو ایں مصرعہ شاعر چہ نویسم — اے وائے ز محرومی دیدار دگر ہیچ

نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ دوشنبہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ اے میری جان شنوی ابر گہربار کونسی فکر تازہ تھی کہ میں تجھ کو بھیجتا۔ کلیات میں موجود ہے یعنی شہاب الدین خان نے بھیجدی ہیں مکرر کیا بھیجتا تعجب محرق کے دیکھنے سے انکار کیوں کرتے ہو۔ اگر منافی طبع تحریر کو بسبب اندوہ جارنہ دیکھا کرتے تو قرابقین کی کتب مبسوط کہاں سے موجود ہوتیں افسوس کہ میں نے عربی جانا عربی نہیں ہے اب مانا ایک سہو طبیعت تھا میرا اعتراض تو غلط مبحث پر ہے افسوس وفسوس ایک کیوں ہو جائیے یہاں کے

اطوار مجھ سے باوجود قرب مخفی اور تم پہ بانیہمہ بُعد آشکار۔ دوران باخبر درحضور و نزدیکان بے بصر دور۔ روپیہ آ گیا دل سے نکلا مخزن سے نکلا ہاتھ سے نہیں نکلا۔ جب ہاتھ سے نکلجائیگا اور جنس مول لیجائیگی اور یہ گنڈکٹ جائیگا تب ترساں ترساں پیشگاہ نادری میں تمہارے یہاں آنے کے باب میں کچھ عرض کیا جائیگا میں ان دنوں مردود بھی ہوں۔ والسلام ؁

صبح دم با ابوالبشر گفتم	پارۂ زر بده که زر داری
حیف باشد که از چومن پسرے	خاک رنگین عزیز تر داری
گفت حیف است از تو خواہش زر	که تو گنجینۂ گہر داری
گنجدانِ سخن حوالہ تست	خود بہ بین تا چہ لے پسر داری
پیش من زر کجاست جان پدر	ببری ہر چہ در نظر داری
گفتم اینک بہ بند پیمانی	زر بمن مے دہی اگر داری
سر زنبیل آں عمرو عیار	گر ز عیاریش خبر داری
بکشا زود و زر بریز و بگوئے	کہ ہمیں مدعا مگر داری
گفت بابا فسانۂ بودہ است	چہ فرو ریزم و چہ برداری

ایضاً۔ یکم جنوری ۱۸۶۴؁ء علائی مولائی کو غالب خالب کی دعا۔ بیچارہ مرزا کا معاملہ علی حسین خان کی معرفت طے ہوگیا۔ یہاں پندرہ کا سوال وہاں دس میں سے تین کم کرنے کا خیال۔ متوسط دوسرا جو علی حسین خاں بہادر کے بعد درمیان آئے وہ کیا کرے اور کیا کہے۔ مرزا قانع و متوکل ہیں نہ پندرہ مانگتے ہیں نہ دس۔ اللہ بس ماسوا ہوس۔ جناب ترولین صاحب بھائی کے دوست دلی دولی آئے۔ لارڈ صاحب کہلاتے ہیں سُنتا ہوں کہ کل اکبرآباد جاتے ہیں۔ بھائی علی بخش خاں مدت سے بیمار تھے رات بارہ پر دو بجے مر گئے۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔ تمہارے عم نامدار آج دن کو ۱۲ بجے سلطان جی گئے ہیں میں نہ جا سکا۔ تجہیز و تکفین اُن کی طرف سے عمل میں آئیگی۔ بارہ پر تین بجے یہ خط میں نے تمہیں لکھا ہے کل شنبہ ۲۔ جنوری صبح کو ڈاک گھر بھیجدونگا۔ مشفقی شفیقی

میر جان صاحب کو سلام مع الاکرام۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ صبح شنبہ ۳۰ مئی ۱۸۶۳ء۔ لاموجود الا اللہ اُس خدا کی قسم جس کو میں نے ایسا مانا ہے اور اُس کے سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہے کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھنا از راہ ملال نہ تھا۔ طالب کے ذوق شست پا کر میں متوقع ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہے اپنا نفع نقصان سوچیگا۔ لاگت بچت کو جانچے گا۔ میں متوسط کو مہتمم سمجھا تھا اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپوائیگا۔ ۳۰ رقعہ ایک جگہ سے لیکر اُن کو بھیجے اُس کی رسید میں تقریباً اُنہوں نے طلب رقعات بہ تکلف سوداگر لکھی اور اُس سوداگر کو مفقود الخبر لکھا۔ ظاہراً کتابیں لیکر کہیں گیا ہو گا کتابیں لینے گیا ہو گا یہ ۲۳ لفافے اور ۴۲ خط بدستور میرے بکس میں موجود و محفوظ رہینگے اگر متوسط بتقاضا طلب کریگا ان خطوط کی نقلیں اُس کو اور اصل تم کو بھیجدونگا ورنہ تمہارے بھیجے ہوئے کاغذ تم کو پہنچ جائینگے۔ میاں ان خطوں کے ارسال میں تم نے مجھ سے وہ کیا جو میں نے تم سے دوجانہ میں کیا تھا۔ بھلا میں تو پیر خرفت[1] ہوں اور سن خرافت کو نسیان لازم ہے۔ تم نے کیا سمجھ کے کپڑا لپیٹ کر اور مختم کر کے بھیجا خطوں پر ایک قلیل العرض کاغذ لپیٹ کر ارسال کیا ہوتا۔ اگر منشی بہاری لال میرا اور شہاب الدین کا دوست نہ ہوتا تو پچاس روپیہ کا مجھ کو دھبا لگتا ؎

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت ؎ غالب ؎

ایضاً ؎ بدست مرگ و لے بدتر از گمان تو نیست ؎ مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصیدہ کا مسودہ میں نے نہیں رکھا۔ مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کونسی رباعیاں مانگتے ہو پھر لکھتے ہو کہ رباعیاں بھیج قصیدہ بھیج معنی اس کے یہ کہ تو جھوٹا ہے۔ ایکے تو مقرر بھیجیگا۔ بھائی قرآن کی قسم انجیل کی قسم توریت کی قسم۔ زبور کی قسم۔ ہنود کے چار بید کی قسم۔ دساتیر کی قسم۔ ژند[2] کی قسم۔ پاژند کی قسم۔ اُستا کی قسم۔ گرو کے گرنتھ کی قسم نہ میرے پاس وہ قصیدہ نہ مجھے وہ رباعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں ؎ برہانیم کہ ہستم و ہمان خواہد بود ؎

[1] پیر حواس باختہ [2] ژند کی تفسیر کا نام ہے یہ کتاب آتش پرستوں کے مذہب کی ہے ۱۲

جب میں دس پندرہ جلدیں منگا لونگا ایک بھائی کو اور ایک تم کو ارمغان بھیجوں گا۔ اور اگر بھائی کو جلدی ہے تو لکھنؤ میں اودھ اخبار کا مطبع مالک اُس کا منشی نولکشور مشہور جتنی جلدیں چاہیں لکھنؤ سے منگالیں میں بہرحال دو جلدیں جس وقت موقع ہوگا بھیج دونگا ۱۱ جون ۱۸۶۳ء نجات کا طالب غالب ؏

ایضاً یک شنبہ ۱۶ فروری ۱۸۶۳ء ہنگام نیمروز۔ صاحب کل تمہارے خط کا جواب بھیج چکا ہوں پہنچا ہوگا۔ آج صبح کو بھائی صاحب کے پاس گیا۔ بھائی ضیاءالدین خان اور بھائی شہاب الدین خان بھی وہیں تھے۔ مولوی صدرالدین میرے سامنے آئے۔ حکیم محمود خاں کے طور پر معالجہ قرار پایا ہے یعنی اُنہوں نے نسخہ لکھ دیا ہے سو اُس کے موافق جوب بن گئی ہیں۔ نقوع کی دوائیں آج آکر بھیگیں گی کل جوب کے اوپر وہ نقوع پیا جائیگا مگر انداز و ادا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حضرت مریض کی اور اُنکے ہواخواہوں کی رائے میں قصد اس استعلاج کا مذبذب ہے نسخہ کی حقیقت کو میزان نظر میں تول رہے ہیں۔ اُستاد میر جان بھی تھے۔ نیم نامعقول مرزا اسد بیگ بھی تھے سب طرح خیریت ہے۔ کل تمہارے خط میں دوبارہ یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلّی بڑا شہر ہے ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہونگے اے میری جان یہ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کیمپ ہے مسلمان اہل حرفہ یا حکّام کے شاگرد پیشہ باقی سراسر ہنود معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں اناث میں سے جو پیرزن ہیں وہ کٹنیاں اور جوانیں کسبیاں امرائے اسلام میں سے اموات گنو حسن علیخان بہت بڑے باپ کا بیٹا سو روپیہ روز کا پنشن دار سو روپیہ مہینے کا روزینہ دار بن کر نامرادانہ مر گیا۔ میر ناصرالدین باپ کی طرف سے پیرزادہ۔ نانا اور نانی کی طرف سے میرزادہ مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خان کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے بیمار پڑا نہ دوا نہ غذا

انجام کار مرگیا۔ تمہارے چچا کی سرکار سے تجہیز و تکفین ہوئی۔ احبا کو پوچھو ناظر حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا اُس کے پاس ایک پیسا نہیں ٹکے کی آمد نہیں۔ مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے مگر دیکھیے چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔ بڈھے صاحب ساری املاک بیچ کر نوش جان کر کے بیک بینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ ضیاء الدولہ کے پانسو روپیہ کرایہ کی املاک واگذاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ خراب لاہور گیا وہاں پڑا ہوا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے قصہ کوتاہ قلعہ اور جھجر اور بہادر گڑھ بلب گڈھ۔ فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ روپیہ کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ ہنرمند آدمی یہاں کیوں پایا جائے جو حکما کا حال لکھا ہے وہ بیان واقع ہے صلحا اور زہاد کے باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے اُس کو بھی سچ جانو۔ اپنے والد ماجد کی طرف سے خاطر جمع رکھو۔ سحر آسیب کا گمان ہرگز نہ کرو خدا چاہے تو استعمال ایارجات کے بعد بالکل اچھے ہو جائینگے اور اب بھی خدا کے فضل سے اچھے ہیں۔ عافیت کا طالب غالب ؏

ایضاً۔ ابھی مولانا علائی نواب صاحب دو مہینے تک کی اجازت دے چکے۔ اور یہ میں خبر تراشی نہیں کرتا مرزا علی محمد بیگ کی زبانی ہے کہ نواب علاؤالدین خان سے کہہ چکے ہیں کہ قصہ مٹ گیا ہے اب تم شوق سے دلی جاؤ دو ہفتہ سے لیکر دو مہینے تک کی تم کو رخصت ہے پھر تم کیوں نہ آئے خدا نے دُعا۔ خداوند نے استدعا قبول کی تمہاری طرف سے سُستی قدمی اور دل سردی کی کیا وجہ۔ اگر حال کی حکایت جھوٹ ہے تو تم سچ لکھو کہ ماجرا کیا ہے۔ مرزا یوسف علی خان عزیز تمہارے بلائے ہوئے اور مہدی حسین بھائی صاحب کے مطلوب مرزا عبدالقادر بیگ کے قبائل کے ساتھ کل روانہ لوہارو ہوئے ہیں۔ شنبہ ۷ ستمبر ۱۸۶۴ء نجات کا طالب غالب ؏

ایضاً۔ میاں مدعا اصلی ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ اگر کل کمیٹی میں گئے ہو تو میرے سوال کے پڑھے جانے کا حال لکھو۔ ضمناً ذکر ایک مدبر کا لکھا جاتا ہے جو تم نے اس مدبر کے صفات لکھے سب سچ ہیں۔ احمق خبیث النفس۔ حاسد۔ طبیعت بُری سمجھ بُری قسمت۔ ابجا رہیں نے دلی کی دشمنی میں گالیاں کھائیں۔ ایک بار بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھاؤنگا میں نے جو تمہیں اس کے باب

ہیں لکھا تھا وجہ اُس کی یہ تھی کہ میں نے سُنا تھا کہ تم نے اپنے سائیسوں سے کہدیا ہے یا کہنا چاہتے ہو کہ اس کو بازار میں بے حُرمت کریں۔ یہ خلاف شیوہ مومنین ہے خلاصہ یہ کہ یہ قصد نہ کرنا یہ موید اُس قول کا ہے جو میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ تم یُوں تصور کرو کہ اس نام کا آدمی اس محلہ میں بلکہ اس شہر میں کوئی نہیں۔ غالب ؛؛

ایضاً۔ مولانا علائی۔ واللہ علی حسین خان کا بیان بمقتضائے محبت تھا۔ ہر بار کہتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ حق بجانب اُنکے ہے نہ کوئی ہم سخن نہ کوئی ہم نفس نہ سیر نہ شکار نہ مجلس نہ دربار تنہائی و بے شغلی اور بس۔ جی کیونکر نہ گھبرائے۔ خفقان کیُوں نہ ہو جائے نہ دن یاد نہ تاریخ آج چوتھا یا بھئی شاید بھُول گیا ہوں پانچواں دن ہے کہ منشی نولکشور سوار ہی ڈاک رہ گرائے لکھنؤ ہوئے۔ کل پہنچ گئے ہوں یا آج پہنچ جائیں۔ آج روز یک شنبہ ۱۳۔ دسمبر کی ہے ایک دن منشی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے اور برخوردار شہاب الدین خاں بھی تھا میں نے ثاقب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں دُنیا دار ہوتا تو اس کو نوکری کہتا مگر چونکہ فقیر تکیہ دار ہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ تین جگہ کا روزینہ دار ہوں۔ ساڑھے باسٹھ روپئے یعنی لما صہ سال سرکار انگریزی سے پاتا ہوں اور بارہ سو سال رامپور سے اور چوبیس روپیہ سال ان مہاراج سے توضیح یہ کہ دُو برس سے ہر مہینہ میں چار بار اخبار مجھ کو پہنچتے ہیں قیمت نہیں لیتے مگر ہاں اڑتالیس ٹکٹ میں مطبع پہنچا دیا کرتا ہوں عہ جو میں نے پوچھے تھے کہ علی حسین خان کے حوالہ کروں مقصود اس سے یہ تھا کہ ارسال بسبیل ہنڈوی دشوار ہے۔ خیر اب جس طرح ہو گا حصار پر ہنڈوی لکھوا کر تم کو بھیجدوں گا۔ تم حصار پہنچ کر روپیہ منگوا لیجیو۔ خدا چاہے تو دسمبر میں روپیہ تمہارے پاس پہنچ جائے اُستاد میر جان صاحب کو قدمبوس کہکر مجھ کو فرعون بننا پڑا۔ دوہائی خدا کی اب ایسا نہ کرونگا میرا اسلام بلکہ دُعا اُن کو کہدینا۔ پرسوں مولوی صدر الدین خانصاحب کو فالج ہو گیا سیدھا ہاتھ رہ گیا ہے زبان موٹی ہو گئی ہے بات مشکل سے کرتے ہیں اور کم سمجھ میں آتی ہے میں اپاہج ہوں جا نہیں سکتا جو اُن کو دیکھ آتا ہے اُس سے اُن کا حال پوچھا جاتا ہے۔ دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں کاتب کا نام غالب ہے۔

دستخط سے پہچان جاؤ۔

ایضاً۔ آج بدھ کے دن ۲۷۔ رمضان کو پہر دن چڑھے جس وقت کہ میں کھانا کھا کر باہر آیا تھا ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط اور شہاب الدین خان کا خط معاً لایا۔ مضمون دونوں کا ایک واہ کیا مضمون ان دنوں میں کہ سب طرح رنج و عذاب فراہم ہیں ایک داغ جگرسوز یہ بھی ضرور تھا۔ سبحان اللہ میں نے اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی یا ولادت کی تاریخ سُنی یا اب رحلت کی تاریخ لکھنی پڑی۔ پروردگار تم کو جیتا رکھے اور نعم البدل عطا کرے۔ میاں اس کو سب جانتے ہیں کہ میں مادہ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں لوگوں کے مادّے دیئے ہوئے نظم کر دیتا ہوں اور جو مادّہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر لچر ہوا کرتا ہے چنانچہ اپنے بھائی کی رحلت کا مادّہ دریغ دیوانہ نکلا پھر اُس میں سے آہ کے عدد گھٹائے تمام دوپہر اسی فکر میں رہا یہ نہ سمجھا کہ مادہ ڈھونڈھا تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اس پر بڑھاؤں بارے ایک قطعہ درست ہوا مگر تمہاری زبان سے یعنی گویا تم نے کہا ہے پانچ شعر ہیں تین شعر زائد دو موضح مدعا لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ہے یا بُرا ہے ہاں غلاق تو البتہ ہے تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہ ہو قطعہ

درگریہ اگر نہ عوی ہم چشمی ما کرد	بینی کہ شود ابر بہاری خجل از ما
ناچار بگریئم شب و روز کہ زین سیل	باشد کہ برو کالبد آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم	خود کرد برآورد غم جان گسل از ما
یحییٰ شد و از شعلہ سوز غم ہجرش	چوں شمع دود و دود و دل مبتر متصل از ما
غم دیدہ نسیمے پئے تاریخ وفاتش	بنوشت کہ در داغ پسر خست دل از ما

ما کے عدد ۴۱ دل کے عدد ۳۴ ما میں سے دل گیا گویا ۴۱ میں سے ۳۴ گئے باقی رہے سات وہ داغ پسر پر بڑھائے ۱۲۷۷ ہاتھ آئے۔

ایضاً۔ سبحان اللہ ہزار برس تک نہ پیام بھیجنا نہ خط لکھنا اور پھر لکھنا تو سراسر غلط لکھنا مجھ سے

کتاب مستعار مانگتے ہو یاد کرو کہ تم کو لکھ چکا ہوں کہ دساتیر اور برہان قاطع کے سوا کوئی کتاب میرے پاس نہیں از انجملہ برہان قاطع تم کو دے چکا ہوں۔ دساتیر میرا ایمان و حرز جان ہے اشعار تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں۔ عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بعد ہے جو ایمان سے کفر کو گورنمنٹ کا بھاٹ تھا بھٹئی کرتا تھا خلعت پاتا تھا خلعت موقوف بھٹئی متروک نہ غزل نہ مدح ہزل نہ ہجو میرا آئین نہیں پھر کہو کیا لکھوں بوڑھے پہلوان کے سے پیچ بتانے کو رہ گیا ہوں اکثر اطراف و جوانب سے اشعار آ جاتے ہیں اصلاح پا جاتے ہیں یاد کرنا اور مطابق واقع سمجھنا۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پر ہے کہ تم یہاں آؤ کاش اپنے والد ماجد کے ساتھ چلے آتے اور مجھ کو دیکھ جاتے اردو کا دیوان رامپور سے لایا ہوں اور وہ آگرہ گیا ہے وہاں منطبع ہوگا ایک نسخہ تمہارے پاس بھی پہنچ جائیگا ؎

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو   مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مرقومہ روز دوشنبہ ۲ جولائی ۱۲۶۱ھ غالب

ایضاً۔ صاحب میرا برادر عالی قدر اور تمہارا والد ماجد اب اچھا ہے از روئے عقل اعادہ مرض کا احتمال باقی نہیں ہے۔ رہا وہم اس کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں۔ مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھو گے میری طرف سے جواب وہی ہوگا جو آگے لکھ چکا ہوں یعنی میں تماشائی محض رہونگا۔ اگر بھائی صاحب مجھ سے کچھ ذکر کرینگے تو بھلی کہوں گا۔ آپ کے عم عالی مقدار جو فرماتے ہیں کہ غالب کو بیٹھے ہوئے ہزار ہا تسویلات و خیالات دکھلائی دیتے ہیں یہ حضرت نے اپنی ذات پر میری طبیعت کو طرح کیا ہے اور وہ یہ سمجھے ہیں کہ جس طرح میں مبتلائے وساوس و اوہام ہوں اور لوگ بھی اسی طرح بخارات مراقی میں گرفتار ہونگے۔ قیاس مع الفارق ہے نہ تخیل صادق یہاں لاموجود الا اللہ کے بادۂ ناب کا رطل گراں چڑھائے ہوئے اور کفر و اسلام و نور و نار کو مٹائے ہوئے بیٹھے ہیں ؎ کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر و سوائے اللہ و اللہ باقی الوجود ضمیران بروزن دُرگران لغت عربی ہے نہ معرب میں نہیں

کہہ سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں اسکی تحقیقات از روئے الفاظ الادویہ ممکن ہے
آج اُسنے جلاب لیا - دس دست آئے - مواد خوب اخراج ہوا - فارسی غیر فصیح امروز فلانی مسہل
گرفت وہ دست آمد مواد خوب برآمد فارسی فصیح امروز فلانی پگاہ داروئے مسہل آشامید تا شام
دہ بار نشست یادہ بار بمستراح رفت یادہ بار بہ بیت الخلا رفت مادہ فاسد چنانکہ باید اخراج یافت۔
معلوم رہے کہ لوطیوں کے منطق میں خصوصاً اور اہل پارس کے روزمرہ میں عموماً نشستن استعارہ
ہے ریدن کا چنانچہ ایک تذکرہ میں مرقوم ہے کہ اصفہان میں ایک امیر نے شعرا کی دعوت اپنے
باغ میں کی - مرزا صائب اور اُس عصر کے کئی شعرا جمع ہوئے ایک شاعر کے تذکرہ میں اُسکا نام
مندرج ہے اور میں بھول گیا ہوں اکول تھا مگر معدہ اُس کا ضعیف تھا حرص و شرہ کے سبب سے
بہت کھا جاتا تھا ہضم نہ کرسکتا تھا کھا کر شراب پی پی کر دروازہ باغ کا مقفل کر کے سب رہے
اس مرد اکول فضول نے رات بھر میں سارا باغ ہگ بھرا نہ ایک جگہ بلکہ کبھی اُس کیاری میں اور
کبھی اُس روش پر کبھی اُس درخت کے تلے کبھی اُس دیوار کی جڑ میں - قصہ مختصر غایت شرم و
حیا سے دو چار گھڑی رات رہے دیوار سے کود کر چلا گیا صبح کو جب جاگے اُس کو اِدھر اُدھر
ڈھونڈھا کہیں نہ پایا مگر حضرت کا قضا کئی جگہ نظر آیا - مرزا صائب نے ہنس کر فرمایا یاران شمارا
چہ اُفتادہ است کہ نمی گویند فلانے در باغ نیست مے بینم کہ مخدوم ہمہ دریں باغ چند جا نشستہ
است - صبح جمعہ ۵ - رمضان و ۸ - مارچ سال رستاخیز - رباعی خط میں لکھنا بھول گیا - یہ میں نے
بھائی کو تہنیت میں بھیجی تھی - رباعی

اے کردہ بمہر زر فشانی تعلیم	پیدا ز کلاہ تو شکوہ دیہیم
بادا تبو فرخندہ ز یزدان کریم	پروانگی جا گیر دا قطاع قدیم

ایضاً - مولانا علائیؔ نہ مجھے خوف مرگ نہ دعویٰ صبر ہے میرا مذہب بخلاف عقیدہ قدریہ جبر ہے
تم نے میاں جی گری کی - بھائی نے برادر پروری کی تم جیتے رہو وہ سلامت رہیں ہم اسی حویلی میں
تا قیامت رہیں - اس ابہام کی توضیح اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مینہ کی شدت سے چھوٹا

لڑکا ڈرنے لگا اُس کی دادی بھی گھبرائی۔ مجھ کو خلوتخانہ کا دروازہ غرب رویہ اُس کے آگے ایک
چھوٹا سہ درہ یاد تھا جب تمہارے پائوں میں چوٹ لگی ہے تو میں اُسی دروازہ سے تم کو دیکھنے آیا
تھا۔ یہ سمجھ کر خلوت خانہ کو محلسرا بنایا چاہتا تھا کہ گاڑی ڈولی لونڈی اصیل کا چھن تیلن تنبولن کہاری
پسنہاری۔ ان فرقوں کا ممر دروازہ رہیگا میری اور میرے بچوں کی آمد و رفت دیوان خانہ میں
سے رہیگی عیاذاً باللہ وہ لوگ دیوان خانہ میں سے آئیں جائیں اپنے بیگانے کو ہر وقت پچھلپائیاں
نظر آئیں۔ بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں۔ اب تمہاری پھوپھی نے اُنہیں وفادار
بیگ بنا دیا ہے باہر نکلتی ہیں سودا تو کیا لائینگی مگر خلیق اور ملنسار ہیں رستہ چلتوں سے باتیں کرتی
پھرتی ہیں جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کرینگی ممکن نہیں کہ دروازہ کے
سپاہیوں سے باتیں نہ کرینگی ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لیجاکر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ
یہ پھول تمائی چچا کے بیٹے کی کمائی کے ہیں شرح تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں ہے ہے
ایسے عالیشان دیوان خانہ کی یہ قسمت اور مجھ سے نازک مزاج دیوانے کی یہ شامت معہذا اُس
سہ دری کو اپنے آدمیونکے اور لڑکونکے مکتب کے لئے ہرگز کافی نہ جانا۔ مورا اور کبوترا و دونبہ
اور بکری باہر گھوڑوں کے پاس رہ سکتے تھے عَرَفْتُ رَبِّی بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ پڑھا اور چپ
ہو رہا۔ مگر تمہاری خاطر عاطر جمع رہے کہ اسباب وحشت و خوف و خطراب نہ رہے مینہ کھل گیا ہے
مکان کے مالکوں کی طرف سے مرمت شروع ہو گئی ہے نہ لڑکا ڈرتا ہے نہ بی بی گھبراتی ہے نہ میں بے
آرام ہوں۔ کھلا ہوا کوٹھا چاندنی رات ہوا سرد تمام رات فلک پر مریخ پیش نظر۔ دو گھڑی کے
تڑکے زہرہ جلوہ گر۔ اِدھر چاند مغرب میں ڈوبا اُدھر مشرق سے زہرہ نکلی۔ صبوحی کا وہ لطف روشنی
کا وہ عالم ۶ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صبح سہ شنبہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۲ء جان غالب مگر جسم سے نکلی ہوئی جان قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع
ہے خدا کا احسان مرزا قربان علی بیگ تمہاری کشش کے مجذوب کیوں بنتے وہ تو خود سالک ہیں
مگر ہاں یہ صاحبزادہ سعادتمند رضوان سو اسکے آپ مالک ہیں نواب صاحب کا ہم مطبخ اور آپکا

ہم مائدہ ہونا بہتر ہُوا۔ کاش تم یہ لکھتے کہ مشاہرہ کیا مقرر ہُوا۔ اثنا عشری ایک تم ہو سو تمہیں کیا اختیار ہے۔ البتہ عشرہ مبشرہ کی اولیت پر مدار ہے۔ باپ تمہارا خلاف قاعدہ اہل سُنت جماعت عشرہ میں سے ثلثہ کو کم کرتا تھا رضوان نے نہ مانا کیونکر مانتا وہ تو ثلثہ کا دم بھرتا تھا۔ تہور خانصاحب کے باب میں بندہ جویا اس خبر کا ہے کہ اب لوہارو سے اُن کا ارادہ کدھر کا ہے۔ رضوان کو دُعا پہونچے نواب صاحب کی عنایت اور مولانا علائی کی صحبت مبارک ہو۔ پیر جی سے جب پوچھتا ہوں کہ تم خوب متلخص ہوا اور وہ کہتے ہیں کیا کہنا ہے اور میں پوچھتا ہوں کس کا تو وہ فرماتے ہیں مرزا شمشاد علی بیگ کا آئین اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے۔ دیکھو یوسف علی خان بیٹھے ہیں میرا نگہ موجود ہے۔ واہ صاحب میں کیا خوشامدی ہوں جو مُنہ دیکھی کہوں۔ میرا شیوہ حفیظ الغیب ہے غائب کی تعریف کرنی کیا عیب ہے۔ ہاں صاحب آپ ایسے ہی وضعدار ہیں اسمیں کیا ریب ہے۔

ایضاً۔ جانا عالیشانا خط پہنچا خط اٹھایا تمہاری آشفتہ حالی میں ہرگز شک نہیں تم کہیں قبائل کہیں والی شہر ناساز گار انجام کار ناپائدار۔ ایک دل اور سو آزار۔ اللہ تمہارا یاور علی تمہارا مددگار میں پاور رکاب بلکہ نعل در آتش کب جاؤں اور فرخ سیر کو دیکھوں ایک خط میں نے علی حسین خان کو لکھا وہاں سے اُس کا جواب آگیا وہ بیچارہ پھوڑے پھنسی میں مبتلا ہے خدا اُسکو صحت دے شمشاد علی بیگ کہاں الور پہنچا اور اس طرح گیا کہ شہاب الدین خاں سے ملکر بھی نہ گیا خیر ع رموز مصلحت خویش خسروان دانند۔ یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے کہ جمشید اگر دیکھتا تو حیران رہجاتا شہر سے دو کوس پر آغاپور نامی ایک بستی ہے آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھے پرسوں صاحب کمشنر بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میموں کے آئے اور خیموں میں اُترے کچھ کم سو صاحب اور میم جمع ہوئے سب سرکار رامپور کے مہمان کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پرنور بڑے تجمل سے آغاپور تشریف لیگئے بارہ پر دو بجے گئے اور شام کو پانچ بجے خلعت پہن کر آئے۔ وزیر علیخان۔ خانساماں خواصی میں سے روپیہ پھینکتا ہُوا آتا تھا دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار روپیہ سے کم نہ نثار ہُوا ہوگا۔ آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے ٹین شام کا کھانا

یہیں کہلائینگے۔ روشنی آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کیے گی۔ طوائف کا وہ ہجوم حکام
وہ مجمع کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیئے۔ کوئی کہتا ہے کہ صاحب کمشنر بہادر مع صاحبان
عالیشان کے کل جائینگے کوئی کہتا ہے پرسوں رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں قد رنگ شکل شمائل بعینہٖ
بھائی ضیاء الدین خان عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرا اور لحیہ متفاوت حلیم خلیق باذل۔ کریم متواضع متشرع
متورع۔ شعر فہم سینکڑوں شعر یاد نظم کی طرف توجہ نہیں نثر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں جلالائی
طباطبائی کی طرز برتتے ہیں شگفتہ جبیں ایسے کہ اُن کے دیکھنے سے غم کوسوں بھاگ جائے
فصیح بیان ایسے کہ اُن کی تقریر سُن کر ایک اور نئی روح قالب میں آئے۔ اللہم دام اقبالہ و زاد
اجلالہ بعد اختتام محافل طالب رخصت ہونگا بعد حصول رخصت دلی جاؤنگا بھائی صاحب کی
خدمت میں بشرط رسائی و تاب گویائی سلام کہنا اور بچوں کی خیر و عافیت جو تم کو معلوم ہوئی ہے
وہ مجھ کو لکھنا ۱۱ دسمبر ۱۸۶۵ء کی بدھ کا دن صبح کے آٹھ بجا چاہتے ہیں کاتب کا نام غالب ہے
کہ تم جانتے ہوگے ۔

ایضاً۔ صبح یکشنبہ ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء میری جان سُن پنجشنبہ پنجشنبہ جمعہ ۹ ہفتہ دس اتوار گیارہ
ایک مرہ برہ ہروز مینہ نہیں تھا اسوقت شدت سے برس رہا ہے۔ انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر پاس
رکھ لئے ہیں۔ دو سطریں لکھیں اور کاغذ کو آگ سے سینک لیا کیا کروں تمہارے خط کا جواب ضرور
لو سُنتے جاؤ مرزا شمشاد علی بیگ کو تمہارا خط پڑھوا دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ غلام حسن خان کی معیت پر
کیا موقوف ہے مجھے آج سواری ملجائے کل چل نکلوں۔ اب میں کہتا ہوں کہ اونٹ ٹٹو کا موسم نہیں
گاڑی کی تدبیر ہو جائے بس پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی
نکالی میں نے حسب الحکم غزل لکھی بیت الغزل یہ ہے

پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۔۔۔ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

مقطع یہ ہے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔۔۔ کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل ان اشعار
کے کر کے غزل بنائی ہے اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی
اُلّو کے جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کر دیں تو کیا بعید ہے کہ دو شاعر
متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو مقطع بیشک مولانا مغربی کا ہے اور وہ شعر جو میں نے
تم کو لکھا ہے اور یہ شعر جواب لکھتا ہوں

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گلچیں بہار تو ز دامان گلہ دارد

یہ دونوں شعر قدسی کے ہیں مغربی قدما میں اور عرفا میں ہے جیسا عراقی ان کا کلام دقائق و حقائق
تصوف سے لبریز۔ قدسی شاہجہانی شعرا میں صائب و کلیم کا ہم عصر اور ہم چشم ان کا کلام
شور انگیز ان بزرگوں کی طرز و روش میں زمین و آسمان کا فرق۔ بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب
وہ زمانہ نہیں کہ ادھر متھرا داس سے قرض لیا ادھر درباری مل کو مارا۔ ادھر خوب چند چین سکھ کی
کوٹھی جا لوٹی۔ ہر ایک پاس تمسک مہری موجود۔ شہد لگاؤ۔ چاٹو۔ نہ مول نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات
کہ روٹی کا خرچ بالکل پھوپی کے سر باایں ہمہ کبھی خاں نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا کبھی ماں نے
کچھ آگرہ سے بھیج دیا۔ اب میں اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے سو روپیہ رامپور کے قرض
دینے والا ایک میرا مختار کار وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے مول میں قسط اُس کو دینی پڑے۔ انکم ٹکس جدا
چوکیدار جدا۔ سود جدا۔ مول جدا۔ بی بی جدا۔ بچے جدا۔ شاگرد پیشہ جدا۔ آمد وہی ایک سو باسٹھ۔ تنگ
آ گیا گذارا مشکل ہو گیا روزمرہ کا کام بند رہنے لگا سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں قہر درویش
بجان درویش صبح کی تبرید متروک چاشت کا گوشت آدھا۔ رات کی شراب و گلاب موقوف بیس بائیس
روپیہ مہینہ بچا روزمرہ کا خرچ چلا یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیوگے کہا گیا کہ جب تک
وہ نہ پلائینگے پوچھا نہ پیوگے تو کس طرح جیوگے جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائینگے۔ بارے مہینہ پورا
نہیں گذرا تھا کہ رامپور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آ گیا قرض مقسط ادا ہو گیا متفرق رہا خیر یہ
صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہو گئی گوشت پورا آنے لگا چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی

پوچھی تھی اُن کو یہ عبارت پڑھا دینا۔ اور حمزہ خاں کو بعد سلام کہنا ع اے بے خبر زلذت شرب مدام ما
دیکھا ہم کو یوں پلاتے ہیں۔ عبد بیبہ کے تبنوں کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا۔ اور مسائل
ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عُرفا کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت
وجود کو اپنے دلنشین کرنا اور ہے مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں مشرک
وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابوالائمہ کا
ہمسر جانتے ہیں دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں زبان سے
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ لامؤثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوا ہوں انبیا سب
واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی
یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ
ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام ع بریں
زیستم ہم بریں بگذرم ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے
کو عاصی سمجھتا ہوں اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالینگے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہونگا
اور دوزخ کی آنچ کو تیز کرونگا تاکہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اُس میں جلیں سنو
مولوی صاحب اگر ہٹ دھرمی نہ کروگے اور کتمان حق کو گناہ جانوگے تو البتہ تم کو یاد ہوگا اور کہوگے
کہ ہاں یاد ہے جن روزوں میں تم علاء الدین خاں کو گلستان اور بوستان پڑھاتے ہو اور تم نے
ایک دن غریب کو دو تین طمانچے مارے ہیں نواب امین الدین خان اُن دنوں میں لوہارو ہیں۔
علاء الدین خان کی والدہ نے تم کو ڈیوڑھی پر سے اُٹھا دیا تم باچشم پُرآب میرے پاس آئے میں نے
تم سے کہا کہ بھائی شریف زادوں کو اور سردار زادوں کو چشم نمائی سے پڑھاتے ہیں مارتے نہیں
تم نے بیجا کیا آیندہ یہ حرکت نہ کرنا تم نادم ہوئے اب وہ مکتب نشین طفل سے گذر کر پیر ہفتاد سالہ کے
واعظ بنے تم نے کسی فاقوں میں ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ہے ع چوں پیر شدی حافظ الخ اور پھر
پڑھتے ہو اسکے سامنے کہ اُس کی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان سے دو چند سہ چند ہے مجموعہ نثر

جُداگانہ اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعر اسکے مخالف ہیں ؎

صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را　　　تا بنگری صفائے مئے لعل فام را

شراب ناب خور و رُوئے مہ جبینان بین　دیگر　خلاف مذہب آنان جمال اینان بین

ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست　دیگر　نانِ حلال شیخ ز آبِ حرام ما

ساقی مگر وظیفہ حافظ زیادہ داد　دیگر　کاشفتہ گشت طرہ دستار مولوی

میاں میں بڑی مصیبت میں ہوں محلسرا کی دیواریں گر گئی ہیں پاخانہ ڈھ گیا چھتیں ٹپک رہی ہیں تمہاری پھوپی کہتی ہیں ہائے دبی ہائے مری۔ دیوان خانہ کا حال محلسرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہے ابر دو گھنٹہ برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ مرمت کرے تو کیونکر کرے مینہ کھلے تو سب کچھ ہو۔ اور پھر اثنائے مرمت میں میں بیٹھا کس طرح رہوں اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے مجھ کو وہ حویلی جس میں میر حسن رہتے تھے اپنی پھوپی کے رہنے کو اور کوٹھی میں سے وہ بالاخانہ مع دالان زیرین جو الٰہی بخش خان مرحوم کا مسکن تھا میرے رہنے کو دلوا دو۔ برسات گذر جائیگی مرمت ہو جائیگی۔ پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ اپنے قدیم مسکن میں آ رہینگے تمہارے والد کی ایثار و عطا کے جہاں مجھ پر احسان ہیں ایک یہ مروت کا احسان میرے پایان عُمر میں اور بھی سہی۔ غالب ؟

ایضاً۔ چہار شنبہ ۱۸ مئی ۱۸۶۸ء بقول عوام باسی عید کا دن صبح کا وقت میری جان غالب کثیر المطالب کی کہانی سُن۔ میں اگلے زمانہ کا آدمی ہوں جہاں ایک امر کی ابتدا دیکھی یہ جان لیا کہ اب یہ مطابق اس ہدایت کے نہایت پذیر ہوگا۔ یہاں اختلاف طبایع کا وہ حال کہ آغاز مغشوش انجام مخدوش مبتدا خبر سے بیگانہ شرط جزا سے محروم سُنا اور متواتر سُنا کہ قصّہ طے ہو گیا۔ اب علاء الدین خان مع قبائل آئینگے دل خوش ہوا کہ اپنے محبوب کی شکل مع اُس کے نتائج کے دیکھونگا۔ پرسوں آخر روز بھائی پاس گیا اثناء اختلاط و انبساط میں میں نے پوچھا کہو بھائی علاء الدین خان کب آئینگے جواب کچھ نہیں ابے وہ قصّہ تو طے ہو گیا ہاں وہ تو روپیہ میں نے دے بھی دیا میں نے کہا تو اب چاہئے کہ

وہ آئیں فرمایا کہ شاید ابھی نہ آئے ع معلوم ہُوا کہ خیر ٹھنیگا باجا ۔ ناچار ارادہ کیا کہ جو کچھ کہنا تھا اب وہ لکھ کر بھیجوں۔ پرسوں تو شام ہوگئی تھی کل بغلگیر ہونے والوں نے دم نہ لینے دیا۔ اُس پر طُرّہ یہ کہ ثاقب نے کہا کہ بھائی تم سے شاکی ہیں اب ضرور آپڑا کہ گذارش مدعا سے پہلے تمہارے رفع ملال میں کلام کردوں۔ بھائی تم میرے فرزند بلکہ بہ از فرزند ہو۔ اگر میرا صلبی بیٹا اس دیدہ و دانست وتحریر و تقریر کا ہوتا تو میں اُس کو اپنا یار وفادار اور ذریعہ افتخار جانتا میرے خطوط کے نہ پہنچنے کا گلہ غلط تمہارا کونسا خط آیا کہ اُس کا جواب یہاں سے نہ لکھا گیا میرے پاس جو مقاصد ضروری فراہم تھے وہ میں نے اُس نظر سے نہ لکھے کہ اب تم آتے ہو زبانی گفت و شنید ہو جائیگی ثاقب نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا تب مجھے تو طیہ و تمہید میں ایک ورق لکھنا پڑا۔ ورنہ آغاز نگارش یہاں سے نہ ہوتا ۔ از اسد اللہ الغالب ؎

با من از جہل معارض شدہ نامنفعلے ... کہ گرش ہجو کنم ایں بودش مدح عظیم

یہ رسالہ موسوم بہ محرق قاطع برہان جو ثاقب نے تم کو بھیجا ہے میرے کہنے سے بھیجا ہے اور اس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ اس کے معائنہ کے وقت اس کتاب کی بے ربطی عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عدیدہ پر نظر نہ کرو بیگانہ وار دیکھو اور از رہ انصاف حکم نہو بے حیف و میل اُسنے جو مجھے گالیاں دی ہیں اس پر غصہ نہ کرو غلطیاں عبارت کی شارت المناب مل کی صورت سوال دیگر جواب دیگر ان باتوں کو مطمح نظر کرو بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو اُن مراتب کو الگ ایک کاغذ پر لکھو اور بعد تمام میرے پاس بھیجدو۔ میرا ایک دوست روحانی کہ وہ منجملہ رجال الغیب ہے ان ہفوات کا خاکہ اُڑا رہا ہے نیر رخشان نے اُس کو مدد دی ہے تم بھی بھائی مدد دو۔ اور وہ امر مبہم کہ جو تمہارے والد کی تقریر سے دلنشین نہیں ہوا یعنی قصہ چُک جانا اور دلی آنا اس کا ماجرا مفصل و شرح لکھو۔ دن تاریخ اپنا نام آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال جواب کی تاکید کے سوا اور کیا لکھوں فقط ۔

ایضاً۔ میاں تمہارے باپ کا تابع تمہارا مطیع فرخ مرزا کا فرمانبردار مگر ابھی اُٹھا ہوں اپنے کو بھی نہیں

سمجھا کہ میں کون ہوں۔ آج فرخ صاحب کے نام کا رقعہ پہنچ جائیگا۔ چھ جزو تمہارے دیئے ہوئے
میر مہدی حسین صاحب کو دیئے اور باقی دن چڑھے اعیان مطبع جمع ہو لیں تو وہ اوراق بھی
منگا دوں۔ غالب ۔

ایضاً۔ شنبہ ۱۵ شعبان و ۵ فروری وقت نماز ظہر۔ نیر اعظم سپہر سخن سرائے مولانا علائی کے خاطر نشان و
دلنشین ہو کہ آج صبح کو ۵ یا ۶ گھڑی دن چڑھے دونوں بھائی صاحب تشریف لائے۔ میں گیا اور
ملا علی حسین خاں کو بھی دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھائی صاحب والدہ صاحبہ کے پاس گئے میں
گھر آیا کھانا کھایا۔ دوپہر کو تمہارا خط پایا۔ دو گھڑی لوٹ پوٹ کر جواب لکھا اور ڈاک میں بھجوایا۔
یہ مرض جو بھائی کو ہے اس راہ سے کہ ضد صحت ہے مکروہ طبع ہے ورنہ ہرگز موجب خوف و خطر نہیں
میں تو بھول گیا تھا اب بھائی کے بیان سے یاد آ گیا کہ ۱۲-۱۳ برس پہلے ایک دن ناگاہ یہ حالت
طاری ہو گئی تھی وہ موسم جوانی کا تھا اور حضرت عادی بہ افیون نہ تھے تنقیہ ہوتے ہی فوراً اور بہ اسہال
بعد چند روز تحلیل میں آیا اب سن کہولت استعمال افیون مزید علیہ دورہ جلد جلد متواتر ہوا۔ اضطراب
از راہ محبت ہے از روئے حکمت اضطراب کی کوئی وجہ نہیں نظیری میں کیا حکیم امام الدین خاں۔ وہ
ٹونک علی ہیں چالاک حکیم احسن اللہ خاں وہ کرولی ہے حکیم محمود خاں وہ ہمسایہ دیوار بہ دیوار
حکیم غلام نجف خاں وہ دوست قدیم صادق الولا حکیم بقا کے خاندان میں دو صاحب موجود
تیسرے حکیم منجھلے وہ بھی شریک ہو جائینگے۔ اب آپ فرمائیے حکیم کون ہے۔ ہاں دو ایک ڈاکٹر
باعتبار رسم قومی حکام نامور یا کوئی ایک آدھ بید سو منزوی اور گم نام بہرحال خاطر جمع رکھو خدا کے
فضل پر نظر رکھو۔ سبحان اللہ تم مجھ سے سپارش کرو امین الدین خان کی کیا میرے پہلو میں دل
یا میرے دل میں ایمان نہیں کو محبت بھی کہتے ہیں بقدر پیشہ و سر مو بھی نہیں معالجہ حکماء کی راہ پر رہیگا
ندیمی اور غمخواری میں اگر قصور کروں تو گنہگار ہاں ایسے موقع میں رائے اطبا میں خلاف کم واقع
ہوتا ہے مرض مشخص دوا معین مزاج موافق نہیں عادی ہے اور مادہ بارد ہے۔ کوئی طبیب سوائے
تنقیہ کے کچھ تدبیر نہ سوچیگا تنقیہ بے مسہل سوائے مسہل علاج ملتجم اور کچھ تجویز نہ کریگا تجویز یہ ہے کہ دو دن کے بعد

تنقیہ خاص ہو اور ایارج کا مسہل دیا جائے۔ اسماو آیات شفا بخش مقرر ہیں رد سحر و دفع بلا انکے ذریعہ سے متصور ہے لیکن ان ملاؤں اور عزائم خوانوں نے نہ توڑ دی ہے کچھ نہیں جانتے اور باتیں بکھانتے ہیں تمہارے باپ پر کوئی سحر کیوں کریگا بیچارہ الگ ایک ایسے گوشہ میں رہتا ہے کہ جب تک خاص وہاں کا قصد نہ کرے کبھی کوئی وہاں نہ جائے یہ خیال عبث۔ ہاں خیرات و مساکین سے طلب دعا اور اہل اللہ سے استمداد شہر میں مساکین شمار سے باہر اہل اللہ میں ایک حافظ عبدالعزیز تا بخیر شما بسلامت۔ نجات کا طالب غالب دن اور تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں ۞

ایضاً۔ اقبال نشان والاشان صدرہ عزیز تر از جان مرزا علاؤ الدین خان کو دعائے درویشانہ غالب دیوانہ پہونچے۔ سال نگارش تم کو یاد ہوگا میں نے دبستان فارسی کا تم کو جانشین و خلیفہ قرار دے کر ایک سجل لکھ دیا ہے۔ اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا بلکہ مہینوں کی نہ رہی۔ شاید بارہ مہینے جن کو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں۔ ورنہ دو چار مہینے پانچ سات ہفتے دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے اپنی ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھ دیتا ہوں کہ فن اردو میں نظماً و نثراً تم میرے جانشین ہو چاہیئے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جس طرح مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ یک شنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ھ ہجری ۲۱ جون ۱۸۶۸ء من مقام دہلی

بنام مرزا امیر الدین احمد خان المدعو بہ فرخ مرزا

اے مردم چشم جہاں بین غالب پہلے القاب کے معنی سمجھ لو یعنی چشم جہاں بین غالب کی پتلی چشم جہاں بین تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین خان بہادر اور پتلی تم۔ آج میں نے تمہارا خط دیکھا مجھ کو بہت پسند آیا۔ استاد کامل نہ ہونے کے با وصف تم نے یہ کمال حاصل کیا۔ آفرین صد آفرین۔ میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے کہ وہ رب العالمین ہے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تم کو زیادہ نہیں تو تمہارے باپ کے برابر علم و فضل اور تمہارے پردادا حضرت فخر الدولہ نواب احمد بخش خان بہادر

جنّت آرامگاہ کے برابر جاہ و جلال عنایت کرے میاں تمہارے دادا نواب امین الدین خان بہادر ہیں۔ میں تو تمہارا دلدادہ ہوں۔ خبردار ہر جمعہ کو اپنی صورت مجھے دکھا جایا کرو۔ والدعا دیدار کا طالب غالب ؛

بنام میر احمد حسین المتخلص بہ میکش

بھائی میکش آفرین۔ ہزار آفرین۔ تاریخ نے مزا دیا۔ خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہونگے جنکی تاریخ ایسی ہے دیکھو صاحب ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید ؛ تاریخ دیکھی اُسکی تعریف کے خرمے کھائینگے اُس کی تعریف کرینگے۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو ابھی رقعہ لیکر آیا ہے ابھی خرمے لیکر آوے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے۔ اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے تو ہم بھی پھینکینگے تازہ شعر بہتر بارہ سے بہتر ؛

ایضاً۔ میاں عجب اتفاق ہے نہ میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو وہ قدم رنجہ کہاں ہے کہ دوسرا پا رنجہ ہو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ تعطیل کے دن کیا ناخوش گذرے۔ یوسف مرزا سے میر سرفراز حسین سے تمہارا حال سُن لیتا ہوں اور رنج کھاتا ہوں خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے خواہش یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو۔ اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو والدعا۔ اسد ؛

بنام جناب حکیم غلام مرتضیٰ خانصاحب

خانصاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خانصاحب کو غالب دردمند کا سلام خوب یاد کیجئے کہ مینے کبھی کسی امر میں آپکو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک طرح کی عنایت کا سائل ہوں۔ حامل ہذا المکتوب پنڈت جے نرائن میرا یہ خط لیکر حاضر ہوتے ہیں ان کے بزرگ نواب احمد بخش خان کی

سرکار میں مناصب عالیہ اور عہدہ ہائے جلیلہ رکھتے تھے اب موقع یہ آیا ہے کہ جستجوئے نوکری میں ٹپیلے آتے ہیں۔ آپکو میرے سر کی قسم جہانتک ہوسکے سعی کر کے ان کو موافق انکی عزت کے کوئی منصب کوئی عہدہ دلوا دوگے تو میں یہ جانونگا کہ تم نے مجھے نوکر رکھوا دیا ہے بڑا احسانمند ہونگا۔ نجات کا طالب۔ غالب ۱۳ شوال ۱۲۸۱ ہجری ؎

بنام جناب حکیم غلام رضا خانصاحب

نور دیدہ و سرور دل و راحت جان اقبال نشان حکیم غلام رضا خان کو غالب نیم جاں کی دعا پہنچے تم سے رخصت ہوکر اور تمہیں خدا کو سونپ کر روانہ رامپور ہوا۔ موسم اچھا تھا گرمی گذر گئی تھی جاڑا ابھی چمکا نہ تھا عالم اعتدال آب و ہوا سایہ و سرچشمہ جا بجا آرام سے رامپور پہنچا۔ نواب صاحب حال بمقتضائے الولد سر لابیہ حسن اخلاق میں نواب فردوس آرامگاہ کے برابر بلکہ بعض شیوہ و روش میں اُن سے بہتر ہیں بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یک قلم معاف کیا۔ علی بخش خان خانساماں کو تیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخشدیا مفصل حالات بذل و نوال عند الملاقات زبانی کہونگا سنو صاحب میں فقیر آزادہ کیش ہوں نہ دنیادار نہیں مکار نہیں۔ خوشامد میرا شعار نہیں۔ جس میں جو صفات دیکھتا ہوں وہ بیان کرتا ہوں۔ نواب صاحب تو گھر بیٹھے مجھے سو روپیہ مہینہ دیتے ہیں تم مجھے کیا دیتے ہو جو تمہارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر تجھ سا میرا کوئی صلبی بیٹا ایسا ہوتا جیسے تم ہو تو میں اُس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل و خلق و صدق و سداد و حلم کے جامع ورع و زہد و تقویٰ کے حاوی علم اخلاق میں حکماء روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے۔ انشاءاللہ کہ ہمچنیں خواہد بود۔ غالب ؎

بنام جناب ماسٹر پیارے لال صاحب

شفیق مکرم بابو پیارے لال صاحب کو سلام کل رقعہ مع مسودہ بابو چندولال صاحب کے پاس پہنچ گیا یقین ہے کہ آپکی نظر سے گذرا ہوگا۔ اور آپ مسودہ کرنے پر متوجہ ہوئے ہونگے جلدی نہیں آپ بغور اچھی طرح تامل سے لکھئے۔ جب صاف ہو جائیگا مجھے دیجئے گا میں اپنی مہر کرکے ڈاک میں بھجوا دونگا۔ ابھی ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس سے آیا ہوں وہ کہتے تھے کہ کل لارڈ صاحب آجائینگے اور پرسوں شملے کو تشریف لیجائینگے بطریق اطلاع آپکو لکھا ہے یہ منظور نہیں کہ عرضی آج تیار ہو جائے اور کل میں آپ دونوں ڈاک میں ارسال کرنا منظور ہے۔ راقم اسد اللہ خاں غالب

۳۰- اپریل سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ کیوں صاحب ہم سے ایسے خفا ہوگئے کہ ملنا بھی چھوڑا۔ خیر میری تقصیر معاف کرو۔ اور اگر ایسا ہی گناہ عظیم ہے کہ کبھی نہ بخشا جائیگا تو وہ گناہ میرا مجھ پر ظاہر کردو تاکہ میں اپنے قصور پر اطلاع پاؤں۔ برخوردار ہیرا سنگھ تمہارے پاس پہنچتا ہے اور یہ تمہارا دست گرفتہ ہے رہتک میں تم نے اسے نوکر رکھوا دیا تھا۔ خیر وہاں کی صورت بگڑ گئی۔ اب یہ غریب بہت تباہ ہے اور امور معاش میں سخت دل تنگ تمہیں دستگیری کرو تو یہ سنبھلے ورنہ اس کا نقش ہستی صفحہ دہر سے مٹ جائیگا والسلام۔ عنایت کا طالب غالب

ایضاً۔ فرزند ارجمند اقبال بلند بابو ماسٹر پیارے لال کو غالب ناتوان نیم جان کی دعا پہونچے۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا اس کی میں جتنی شکایت کروں بجا ہے تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے میں تمہارا عاشق ہوں اور کیونکر نہ عاشق ہوں صورت کے تم اچھے سیرت کے تم اچھے شیوہ و روش کے تم اچھے۔ خالق نے خوبیاں تم میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ اگر میرا صلبی فرزند ایسا ہوتا تو میں اس کو اپنا فخر خاندان سمجھتا۔ اور اب تم جس قوم اور جس خاندان میں ہو۔ اس قوم اور اس خاندان کے ذریعہ افتخار ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و

اقبال و جاہ و جلال عطا کرے میاں تم کو یاد ہے کہ میں نے تم کو سابق میں اس سے نورچشم مرزا یوسف علی خان کے باب میں کچھ لکھا ہے میرے اختلال حواس کا حال تم جانتے ہو۔ خدا جانے اُسوقت کس خیال میں تھا اور میں کیا لکھ گیا وہ جو کچھ لکھا وہ سہل انگاری تھی۔ اب جو کچھ لکھتا ہوں یہ راست گفتاری ہے۔ مختصر یہ یعنی مرزا یوسف علی خان عزیز بڑے عالی خاندان اور بڑے بزرگ قوم کے ہیں شاعر بھی بہت اچھے ہیں شعر خوب کہتے ہیں صاحب استعداد ہیں علم اُن کو اچھا ہے یہ بھی گویا فرقہ اہل علم و فضل میں سے ہیں اور ترقی کے قابل ہیں نورچشم مولوی نصیرالدین کو میری دعا کہنا۔ محررہ ۳۰ جنوری ۱۸۶۸ء

بنام منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعائے دوام عمر و دولت معلوم ہو۔ خط تمہارا پہنچا خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی قطعے جو تم کو مطلوب تھے اُس کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں روپیہ صرف کیا ۵۰ روپیہ جو تم نے بھیجے تھے وہ اور پچیس تیس روپیہ اور صرف کئے پانچ پانچ اور چار چار روپیہ اور دو دو روپیہ کو قطعے مول لئے اور بنوائے۔ خرید میں روپیہ جدا دئے اور بنوانے میں روپیہ جدا لگائے دوڑتا پھرا حکیم صاحب پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب وہ دوڑ رہا ہے ولیعہد بہادر کے دستخطی قطعہ کے واسطے یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آوے اور بعد اُس قطعہ کے ہاتھ آنے کے وہ سب کو یکجا کر کے تمہارے پاس بھیجدیگا مدد میں بھی اُس کی کر رہا ہوں لیکن اُس نے بڑی مشقت کی۔ آفرین صد آفرین پندرہ روپیہ میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور ماں کو عاجز کر کے اُس سے بہت روپیہ لئے جب سب قطعے تمہارے پاس پہنچینگے تب اُس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہوگا۔ کیوں صاحب وہ ہماری لنگی ابتک کیوں نہیں آئی بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتہ میں بھیجونگا۔ والدعا۔ اسداللہ

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڈھ کی تحصیلداری مبارک ہو۔ پیپلی سے نوح آئے نوح سے بلب گڈھ گئے اب بلب گڈھ سے دلی آؤ گے۔ انشاء اللہ۔ سنو صاحب حکیم مرزا جان خلف الصدق حکیم آغا جان صاحب کے تمہارے علاقہ تحصیلداری میں بصیغہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں انکے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں اُن کو اپنے بھائی کی برابر جانتا ہوں اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے بھائی ہوئے لازم ہے کہ اُن سے یکدل و یک رنگ رہو اور اُنکے مددگار بنے رہو۔ سرکار سے یہ عہدہ بصیغہ دوام ہے تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی۔ صرف اسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے سرکار کی خاطر نشان رہے کہ حکیم مرزا جان ہوشیار اور کارگذار آدمی ہے۔ ۲ فروری ۱۸۶۶ء

بنام منشی ہیرا سنگھ صاحب

نورچشم غالب غم دیدہ منشی ہیرا سنگھ کو دعا پہونچے۔ تمہارا خط محررہ ۱۱ جنوری پہنچا۔ وہرہ کا سفر بارے تمام ہوا اب جاڑوں کے دن آرام سے کاٹو۔ گھبراؤ نہیں۔ سال بھر پڑھائے جاؤ جب لڑکا شد و مد سے آگاہ ہوجائے تب ڈپٹی کمشنر سے ترقی کی درخواست کرنا۔ اگر نائب تحصیلدار ہوجاؤ گے تو رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ ہونے کی گنجائش ہے مدرسہ کے علاقہ میں تو نوکر نہیں ہو جو بابو پیارے لال کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو۔ تمہاریں اس باب میں بابو صاحب سے نہ کہونگا اور نہ یہ خط تمہارا منشی جواہر سنگھ کو دکھلاؤنگا۔ ناحق اُلجھو کیوں۔ اس اُلجھنے سے فائدہ کیا خاطر جمع رکھو ع کہ رحم گر نکند مدعی خدا بکند۔ میں ویسا ہی ہوں جیسا تم دیکھ گئے ہو۔ اور جب تک جیونگا ایسا ہی رہونگا۔ غالب ۱۴ جنوری ۱۸۶۵ء

بنام منشی بہاری لال المتخلص بہ مشتاق

سعادتمند باکمال منشی بہاری لال کو بیمن تاثیر دعائے غالب خستہ حال عمر و دولت اقبال فراوان ہو۔ منشی من بھاون لال تمہارے والد ماجد کا انتقال موجب رنج و ملال ہوا اگا اُس رہرو جادہ فنا سے میری مُلاقات نہ تھی لیکن تمہارے تنہا اور بے مربی رہ جانے کا بیٹے بہت غم کھایا خدا ان کو بخشے اور تم کو صبر عطا کرے۔ غالب ۲۶۔ فروری ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ برخوردار بہاری لال مجھ کو تم سے جو محبت ہے اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ تمہارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پُرانے یار ہیں خوش خو شگفتہ رو بندہ گا دوسرے تمہاری سعادتمندی اور خوبی اور حلم اور بقدر حال علم اُردو و نظم و نثر میں تمہاری طبع کی روانی اور تمہاری قلم کی گل فشانی مگر چوں کہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے بہ تقلید ورانشا پردازوں کے تمہاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے مگر بہاری لال اس نونہال باغ دولت یعنی حکیم غلام رضا خان کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔ یہ دانشمند ستودہ خوئے امیر نامور ہونے والا اور مراتب اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے اسکی ترقی کے ضمن میں تمہاری بھی ترقی ہونے والی ہے ؎

بیا داماں صاحب دولتے گیر ۔۔۔ کہ مرد از صاحب دولت شود پیر

میاں سچ تو یُوں ہے کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے حکیم غلام نبی خاں منجملہ خوبان روزگار ہیں نکو خوئے اور نیکو کردار ہیں میر فخر الدین آزاد منش اور سعادتمند نوجوان ہیں کم گفتار اور مرنج و مرنجاں ہیں تم چاروں شخص پیکر صدق و صفا و مہر و ولا کے چار عنصر ہو جہاں آفرین تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دلشاد اور اکمل المطابع کو بارونق اور آباد رکھے۔ غالب ۷۔ جون ۱۸۶۶ء

خاتمہ کتاب اُردوئے معلّیٰ ریختہ کلک بلاغت انتما سخندان بینا معنی سنج نازکخیال شاعر نغز گوئے دلآویز بیان ناثر جادو طراز شیریں بیان مرزا قربان علی بیگ خانصاحب سالک شاگرد مولانا غالب مرحوم

شیدائیان شاہد دلفریب سخن ہر وقت اس کے خریدار اور شیفتگان حُسن معانی ہر دم اسکے خواستگار رہتے ہیں کہ اچھا کلام جو مطبوع طبایع ناظرین خرد پیشہ اور پسند خواطر شائقین درست اندیشہ ہو میسر آئے۔ صاحب نظران دیدہ ور جنکی آنکھیں شبستان معانی کی سیر سے سیر ہو تی ہیں مشاہدہ ماہ پیکران مہر تمثال سے تسلّی نہیں پاتے اور رنگین مشامان نکتہ پرور جن کے دماغ ہیں گلستان سخن کی بو بھر جاتی ہے ریاحین باغ اِرم کے سونگھنے کو نہیں جاتے۔ اور پھر وہ کلام اور وہ سخن جو نیّر اعظم سپہر سخنوری و ماہ منیر آسمان معنی گستری شہسوار عرصہ نکتہ دانی یکہ تاز میدان جادو بیانی فرمانروائے کشور نازکخیالی۔ زینت افزائے اورنگ بیمثال ناثر نثری زینت شاعر شعری رتبت چمن آرائے گلستان فصاحت حدیقہ پیرائے خیابان بلاغت فروغ بزم آفرینش نور دیدہ بینش اُستاد یگانہ مسلم الثبوت زمانہ رشک عُرفی و غیرت طالب جناب اُستادی نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ غالب کی زبان معجز بیان پر آیا ہو اور خامہ پروین افشاں سے نکلا ہو علی الخصوص یہ سفینہ بے نظیر و مجموعہ دلپذیر جسکا ہر حرف باعث نظارت چشم نظارگیان اور ہر لفظ سبب تازگی دیدہ مشتاقان ہے ہر سطر کو دریائے موج خیز معانی اور ہر فقرہ کو گلزار ہمیشہ بہار رنگین بیانی کہنا چاہیے۔ عبارت سے سلسبیل کی سلاست پیدا۔ مضامین سے آب کوثر کی لطافت ہویدا۔ کمند انداز رسایں گردن معانی شکار شیرینی ادا پر ادائے شیریں لباں نثار غور کیجیے کہ فراہم آنا اس نسخہ بے بدل کا اور طبع ہونا اس کتاب بیمثل کا کیونکر غنیمت نہ سمجھا جائے ناظرین کو لطف ارزانی اور شائقین کو مذاق سخن کی فراوانی مُبارک کیونکر شکر فراہمی ادا کیا جائے۔ ہاں اسے

سلک اندوہگین کیسا شکر یہ کیا کلام ہے اے بیخبر گریہ وہنگام ماتم عام ہے ؎

باید چو شمع در دل شبہا گریستن　　سرگرم بودن از تہ دل پا گریستن

ناساز گار جسم مرا نا گداختن　　ناخوش گوار چشم مرا نا گریستن

ایں ست اگر تراوش سرچشمۂ حیات　　باید بعمر خضر و مسیحا گریستن

ہنوز یہ نامہ ولآویز تمام وکمال تشریف طبع نہ پاچکا تھا کہ سپہر بےمہر نے بتاریخ ۲۔ ذیقعد ۱۲۸۵ھ جامہ حیات جناب مغفور و مرحوم کو چاک کیا ہے ہے آفتاب علم وکمال کو روز خسوف دکھایا۔ ماہتاب فضل وہنر کو صدمہ کسوف میں پھنسایا ؎

اس ستمگار سے کوئی پوچھے　　ہاتھ اس واقعہ سے کیا آیا

نہ سوجھا کہ عالم میں تاریکی چھائیگی زمانہ کو تسکین نہ ہاتھ آئیگی۔ آنکھیں اشکبار دل بیقرار رہ مگر ؎

نیش عقرب نہ از پئے کیں است　　مقتضائے طبیعتش ایں ست

اپنی عادت سے ناچار ہے دشمنی اہل کمال اس کا شعار ہے کوئی مبتلائے آفت ہو خواہ گرفتہ مصیبت ہو اس کو اپنی گردش کا رنگ دکھانا کسی نہ کسی یگانہ آفاق کو نقش ہستی صفحہ روزگار سے مٹانا۔ سخن آرائے نوحہ سرائی سے کیونکر بدل نہ ہو۔ سخن سنجی کے عوض کبھی نالۂ پُر درد اور کبھی سرد لب پر ہے۔ کہئے جب یہ بار گراں اندوہ دل پر آئے دل کی مجال ہے کہ بیٹھ نہ جائے کیسی تاریخ خاتمۂ کتاب کیسا سال وفات۔ ہاں گفتگو کو مختصر کرتا ہوں اور ایک قطعہ لکھتا ہوں

قطعہ

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا　　لب پہ نالوں کا اژدحام ہُوا

صدمۂ مرگ حضرتِ غالبؔ　　سببِ رنجِ خاص و عام ہُوا

ہے یہی سال طبعِ سالِ وفات　　آج اُن کا سخن تمام ہُوا ۱۲

تاریخ طبع حصۂ اوّل اُردوئے معلّے طبع زاد منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر تخلص

پچو اُردوئے معلّے گشت تالیف | ہمانا یک جہاں گردید طالب
پئے سال مسیحائی طبعش | بگو جوہر خہے اُردوئے غالب

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا | ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
روح تھا تو، اور تھی بزمِ سخن پیکر ترا | زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اُس حُسن کی منظور ہے
صورتِ روحِ رواں ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار | جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار | تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار

زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر | محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر | خندہ زن ہے غنچۂ دِلّی گلِ شیراز پر

آہ! تو اُجڑی ہوئی دِلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر[1] میں تیرا ہمنوا خوابیدہ ہے

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں | ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں | آہ! اے نظّارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں

گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیٔ دلسوزیٔ پروانہ ہے

اے جہان آباد اے گہوارۂ علم و ہنر | ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرہ ذرہ میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر | یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

(اقبال)

---

[1] ویمر وہ مقام ہے جہاں جرمن کا مشہور شاعر گاٹے مدفون ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردوئے معلےٰ حصہ دوم

خط نمبر (۱) بنام جدّ امجد نواب سیّد سجاد میرزا صاحب مرحوم سجاد قرۃ العین سجاد ابن حسین سلمہ اللہ تعالےٰ

خوبی دین و دنیا تم کو ارزانی تمہارے خط کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوگئیں دل کو چین آگیا چشم بد دور خط اچھا عبارت اچھی اُردو میں مطلب نویس اچھے ہو۔ حق تعالیٰ تم کو عمر و دولت عطا کرے اپنے والد ماجد کو سلام کہنا اپنے بھائی مظفر میرزا کو دعا کہنا اکبر میرزا کو دعا کہنا زیادہ زیادہ۔ نجات کا طالب غالبؔ ۱۵ مارچ ۱۸۶۵ء روز چہار شنبہ

خط نمبر (۲) بنام جدّ امجد نواب سیّد سجاد میرزا صاحب مرحوم سجاد

زبدۂ آلِ رسولؐ سجاد میرزا خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا۔ دلنواز نامہ پہنچا ؎

حیران اطوارِ خودم درماندۂ کارِ خودم ہر لحظہ دارم نیتی چوں قرعۂ رمّا لہا

تمہارے یار باقر میرزا تحصیلداری تحصیلداری پکارتے تھے۔ یہاں معلوم ہوا کہ تمام قلمرو میں چھ تحصیلداریاں اور چھ تھانہ داریاں ہیں ساتواں علاقہ کہاں سے پیدا کیا جائے۔ رہی مصاحبت اسکو پہلے نشستن اور پھر علوم رسمیہ سے آگہی پھر زبان آوری پھر قسمت کی یاوری شرط ہے باقر علیخاں کو تین شرطیں درکار۔ پہلی شرط موجود تم کو پہلی شرط ازلاً و ابداً مفقود۔ بعد جشن وقت رخصت اِن دونوں لڑکوں کے باب میں ناظر جی اور مظفر میرزا اور تمہارے باب میں محمد میرزا ابن سیف الدولہ اور میاں زکی الدین اور میاں عبدالسلام کے باب میں کلام کروں گا ؎ تا بنگرید خواستۂ کردگار چیست ؞

دیباچہ کہ بر سراج المعرفت من تصنیف مولوی مفتی سیّد رحمت علیخان بہادر نگاشتہ اند

سُبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعویٰ! حمد و شکر کی گذارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں فکر اور نطق اور یہ دونوں قوتیں موہبتی ہیں بخشی ہوئی دستگاہ پر خود نمائی اور پھر اُسی بخشنے والے کے آگے کیسی تنگ ظرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی۔ اِس صورت میں ادائے حق حمد کے تو کیا معنی مگر ہاں حمد کرنیوالا بقدر توفیق حمد شایستہ آفرین ہے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ توفیق نتیجہ کشت و کار ہے۔

نوٹ:۔ خط نمبر ۱ و نمبر ۲ کے لئے میں کتاب آغا طاہر نبیرۂ حضرت آزاد کا تہ دل سے مشکور رہوں۔ مبارک

البتہ عطیہ پروردگار ہے۔ قدرت حمد اُسنے پیدا کی۔ توفیق حمد اُسنے عطا کی۔ جب کہ آدمی حمد کا عازم ہو تو سپاس عطیہ توفیق کیوں نہ لازم ہو۔ ہاں اے حق شناس اگر تجھ کو شعور ہے عطیہ توفیق شکر پر ایک اور شکر ضروری ہے ؎

اگر کسے شکر حق فزوں گوید شکر توفیق شکر چوں گوید

حق یوں ہے کہ حقیقت از روئے مثال ایک نامۂ در ہم پیچیدہ سربستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے لا موثر فی الوجود الا اللہ اور خط میں مندرج ہے لا موجود الا اللہ اور اِس خط کا لانیوالا اور اس راز کا بتانیوالا وہ نامہ آور نام آور ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی۔ ختم نبوت کی حقیقت۔ اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں۔ آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی۔ انبیائے پیشین صلوات اللہ علی نبینا و علیہم۔ اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دیں اور حقیقت نیرنگی ذات کو صورت الآن کما کان میں دکھا دیں۔ اب گنجینۂ معرفت خواص اُمت محمدی کا سینہ ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ رہے عامۂ مومنین کہ وہ اُس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں۔ اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے اُن کی نظر میں نہیں جب لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہینگے۔ اُس سے اُسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدمگاہ پر آرہینگے یعنی ہمارے اِس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی کی اور یہی معنی ہیں رحمۃ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سَو بار کہے اور سَو بار سُنے۔ نبی کی حقیقت ذو جہتین ہے ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق کہ جس سے فیض پہنچاتا ہے ؎

نبی را دو وجہ است دلجوئے خلق یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق

بداں وجہ از حق بود مستفیض   بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایۃ افضل من النبوۃ معنی اِس کے صاف از روئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے جس طرح نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اُسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر۔ ہرگز معقول۔ اور عقلاء کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی تھی نبوّت کے ساتھ منقطع ہوگئی۔ مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوٰۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے۔ نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے اور یہ سراج ایزدی تا ظہور صبح قیامت تک روشن رہیگا اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو از روئے کلمہ لا الہ الا اللہ مشہود عیون اعیان اُمت۔ اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے مگر وہ بات اب کہاں ہے کہ ایکبار لا آلہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ضامن زبر دست کہاں کہ قائل لا آلہ الا اللہ کو اگرچہ اُس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو۔ قدم گاہ توحید پر قائم کر دے یعنی رسول مقبول واجب التعظیم۔ قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم اب سعادت بقدر ارادت ہے۔ اور راحت بعد جراحت سچ بھی تو ہے۔ آدمی کیونکر سمجھ سکے۔ اور بطلان بدیہیات کے جواز پر اُس کو کیونکر تسلی ہو یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں نیست و نابود محض جان لے۔ اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے رباعی

اے کردہ بآرائش گفتار بسیچ   در زلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم۔ کہ تو چیزے دیگرش می دانی   ذاتیست بسیط و منبسط دیگر ہیچ

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطبائے روحانی ہیں۔ دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور بسبب استیلائے وہم مشاہدہ وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ہر چند اُن کو سمجھاتے ہیں

راہ پر نہ آئینگے۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کئے۔ تا قوت متخیلہ اُس میں اُلجھی رہے اور رفتہ رفتہ بیخودی طاری ہو جاوے۔ وحدت وجود اِس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اُس کو بجبر و بہ تکلف ثابت کیا چاہتے ہوں ع وانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست وہ وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری و پیکر تراشی سے معزول ہو گیا۔ بیخبری و بیخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو موحدین کو بمجرد فہم حاصل ہوتی ہے۔ اُس شاغل کے نفس کو بیخودی میں آ گئی ایک دریا میں جان کر کودا۔ ایک کو کسی نے غافل کر کے دھکیل دیا انجام دونوں کا ایک ہے وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں۔ اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کو کہ جو کسب حالت بیخودی کیواسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں بہت ہیں بلکہ بیشمار ہیں حق سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے حضرت شاہنشاہی حق شناس حق آگاہ سراج الملۃ والدین ابوظفر بہادر شاہ کو جو لباس بادشاہی میں یاد الٰہی کر رہے ہیں ؎

شاہی و درویشی اینجا باہم است　　　　بادشاہ عہد۔ قطب عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب افادت مآب معرفت نصاب۔ مجمع البحرین شرع و عرفان قران السعدین عقل و ایمان۔ ابوحنیفۂ ثانی۔ سراج العلماء ضیاء الفقہاء مولانا مفتی سید رحمت علی خان بہادر کو اور فرمایا اُن سے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوس نزول نبوت و ابتدائے قوس عروجی ولایت یعنی عہد جناب رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بسینہ و ہم سفینہ بسفینہ چلے آئے ہیں اُن کو ایک رسالے میں درج کریں۔ اور اس رسالے کی تحریر میں وہ عبارت اُردو کہ صاف اور بے تکلف ہو خرچ کریں۔ کیوں نہ ارباب فہم اس رازداری پر قربان ہو جائیں کہ مجموع اشغال و اذکار زبان حقیقت ترجمان سے فرمائے ہیں اور حکم دیا ہے کہ اُن کو وابستہ بسلاسل فقرا و منقول من رسائل العرفا تحریر کریں قضا را یہ ترکیب کہ مع زبان اسد اللہ خان ہیچمدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب ہوسہائے خام ہے۔ اس رسالے کے مشاہدے

مستفیض ہوا۔ جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیئے اور پھر میں برگ سفر
ساز کروں اور عزم سفر حجاز کروں۔ زمزم کے پانی سے وضو کروں اور اُس کاشانۂ ملائک
آشیانہ کے گرد پھروں اور حجر اسود کو چوموں۔ اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ کو جاؤں۔ اور
خاک تربت اطہر کا سُرمہ آنکھوں میں لگاؤں۔ بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ
دے کر مجھ کو خانہ خدا کے طواف کی رخصت دیں کہ یہ گنہگار وہاں جاوے اور اگر زیست باقی
ہے تو وہاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے
بخشوا کر پھر آوے ۔

غالب ہوائے کعبہ بسر جا گرفتہ است　　رفت آنکہ عزم خلخ نوشاد کردمی

دیباچہ کہ بر کتاب خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ امان موسوم بہ حدائق انظار نگاشتہ اند

سبحان اللہ شاہد زیبائے سخن کا حُسن بے مثال۔ مشاہدہ اس کا نور افزائے نگاہ۔ تصور اسکا انجمن
افروز خیال از روئے لفظ۔ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جمال من حیث المعنی بصورت صنعت
قلب کلام کا مقلوب یعنے کمال۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس
صورت میں کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا۔ اس لعبت دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے
اور یہ پیکر ہوش ربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے نظم میں اور ہی روپ۔
نثر میں اور ہی ڈھنگ۔ فارسی میں اور ہی زمزمہ اُردو میں اور ہی آہنگ۔ سیر و تواریخ میں
وہ دیکھو۔ جو تم سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا۔ افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہ کبھی
کسی نے نہ دیکھا نہ سُنا۔ ہر چند خردمند بیدار مغز تواریخ کی طرف بالطبع مائل ہونگے۔ لیکن قصہ
کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہونگے۔ کیا تواریخ میں ممتنع الوقوع حکایات

نہیں نا انصافی کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں۔ سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے سیمرغ اُس کو اپنے
گھونسلے میں اُٹھا لائے۔ پرورش کرکے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب
رستم اسفندیار کے لڑائی سے گھبرائے۔ زال اُس اسم بے مسمی کو بلائے سیمرغ گردان کبوتر کی طرح
سیٹی کی آواز سُنتے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کے لیپ سے یا اور کسی دوا سے رستم کے زخم
اچھے کرکے ایک تیر دوشاخہ دے کر تشریف لیجائے رستم دس برس کی عُمر میں مست ہاتھی کو ہلاک
کرے۔ جب چشم بد دُور جوان ہو دیو سپید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی مشہور ہے۔
شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ
دیوکش رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمردشاہ گمراہ دعویٰ خدائی کرنے والا مثل نمرود گھڑ لیں گو
ایک ڈھکوسلا بنایا ہے مگر اچھا بنایا ہے اُنہیں روایات کا چربہ اُٹھایا ہے مگر اچھا اُٹھایا ہے
موعظت، پند نہیں ترہات ندیمانہ ہے سیر و اخبار نہیں جھوٹا افسانہ ہے داستان طرازی منجملہ فنون
سخن ہے۔ سچ یہ ہے کہ دل بہلانے کے لئے اچھا فن ہے۔ عمرو کی عیاریاں دیکھو۔ حمزہ کی میدان
داریاں دیکھو جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران ہے مگر وہ میر تقی محمد شاہی جو ندیم مؤتمن الدولہ
اسحٰق خان کا ہے گویا باغ ارم کو ہندوستان میں اُٹھا لایا اُسنے بوستان خیال میں کچھ اور ہی تماشا
دکھلایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم اور حسن و عشق کی گرمی
ہنگامہ۔ معز الدین کی طلسم کشائیاں اگر سُنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو ڈھونڈھتے
پھریں اور کہیں پتا نہ پائیں ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو
کہ زیرہ سی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جائیں۔ در نیولا میر ابرادر زادہ سعادت توامان خواجہ بدرالدین خان
عُرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیان تیز ہوش ہے اور ہر فن کے کمال کی تحصیل میں
سختی کش و سختی کوش ہے۔ ستار کا جو خیال آیا ایسا بجایا کہ میاں تان سین کو اُنگلیوں پر نچایا۔
مصوری کی طرف جو طبیعت آئی وہ تصویر کھینچی کہ اُس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت آئی۔ اُس
اقبال با آثار کا یہ ارادہ ہُوا۔ معز نامہ کی فارسی نثر کے اُردو کرنے پر آمادہ ہُوا۔ معز الدین فیروز بخت

کی کشور کشائیاں۔ ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیاں۔ عجائبات حکیم قسطاس کی حیرت افزائیاں۔ ملکہ نوبہار کی رنگین ادائیاں جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں ضمار منکوس منحوس کی بیحیائیاں مسلمین و کفار کی لڑائیاں مسلمانوں کی بھلائیاں کافروں کی برائیاں فارسی سے اردو میں لے آیا یوں تصور کرو کہ قلمرو اردو میں ایک قصر دلکشا یا ایک خانۂ باغ روح افزا سرتاسر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے گویا تقریر کو پیرایۂ تحریر دیا ہے۔ بعد اختتام نگارش غالب فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی میں نے ہر چند عجز آمیز معذرت انگیز گفتگو کی۔ بیداد گر نے ایک بات نہ سنی اور ایک عذر نہ مانا۔ بھلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا۔ بھتیجا اور پیارا بھتیجا۔ ناچار بجز خامہ فرسائی کے کچھ نہ بن آئی۔ اس دیباچہ کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح کو سیدھا چلا گیا۔ اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا۔ اسی شعر و شاعری شعار کو خاتمہ میں لکھے دیتا ہوں بہت تنگ آگیا ہوں اب دم لیتا ہوں ؎

شکر کہ این نامہ بعنوان رسید بیشتر از عمر بپایان رسید

ومن اللہ التوفیق وھو خیر رفیق

تقریظے کہ بر کتاب ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ نگاشتہ اند

اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود۔ اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود۔ بلکہ اگر مثل اسم اعظم فرض کیجئے تو اس کی بھی نمود جب تک اس لطیفۂ غیبی کا شمول نہ ہو عالم امکان میں ممکن نہیں ؎

سخن را از ان دوست دارم کہ دوست بہ تصدیق از ما طلبگار اوست

مسائل حکیمانہ کی ہستی۔ ترہات ندیمانہ کی مستی۔ درد و درمان کے مدارج کا اظہار افسانہ و افسون کے مقاصد کا مدار شکوہ و شکایت کا عنوان۔ نفرین و آفرین کا بیان ردّ و قبول کی حکایت فتح و شکست کی روایت۔ صرف و نحو کی رازدانی لفظ و معنی کی گلفشانی۔ جو کچھ اگلوں نے کہا ہے۔ جو کچھ اب کوئی

کہہ رہا ہے۔ جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہینگے۔ جو کچھ نیک و بد نوُو کہن سے
ہے سب سے وابستہ ہے نطق سخن سے ہے اب سمجھئے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے چشمہ ہے
ندی ہے سیل ہے دریا ہے۔ کیسی روانی اور کس زور کا پانی۔ اس کا چڑھاؤ اس کی رفتار اس پر
کس زور اور کس کا اختیار جدھر مُنہ کیا اُدھر ایک نالا بہا دیا دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے؟
کہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔ بارہا دیکھا ہے کہ آغاز کلام جس کو ہندی میں اُٹھان اور فارسی میں انگیزہ
اور عربی میں باعث کہئے کچھ اور رہی پھر وسط میں صورت بدل کر وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے
قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا۔ کہ یہ کیا طور ہے۔ یہ کتاب کہ مجموعۂ دانش و آگہی ہے۔ اگرچہ اسکو
سفینہ کہہ سکتے ہیں لیکن از روئے حقیقت ایک نہر ہے۔ کہ بحر سخن سے اُدھر کو بھی ہے۔ جب
اس نگارش نے انجام پایا تو مجھ کو پیشگاہ سلطنت ابد مدت سے حکم آیا کہ بندہ درگاہ اسداللہ
اس کی تقریظ لکھنے میں اظہار حُسن اطاعت کرے اور سخن طرازی میں آرایش زبان اُردو پر
قناعت کرے۔ جیسا کہ حکم بجا لانا ضرور ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشاء اس رسالہ کی نگارش
کا کیا ہے۔ ان اوراق کے ناظرین پر مخفی و مستور نہ رہے کہ سن اٹھارہ جلوس میمنت مانوس میں
نہ شہر سے بلکہ خارج سے یہ آوازہ بلند ہوا کہ حضرت قدر قُدرت فلک رفعت ثریا بارگاہ انجم سپاہ۔
بادشاہ ابن بادشاہ خلیفہ روئے زمین ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ پادشاہ غازی نے ترک
مذہب آبائے نامدار کیا اور تشیع کو تسنن پر اختیار کیا۔ باریافتگان بزم قرب و رازدانان خلوت
اُنس حیران اور حیرت اُن کی بجا۔ اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات کہی ہوتی تو پہلے اُن کو آگہی ہوتی۔
اسرار سلطنت کی خبر۔ اور پھر اُس میں عام کو تقدم خاص پر۔ انہ پوچھنے کا یارا۔ نہ چُپ رہنا گوارا۔
عُلمائے نامدار و مشائخ کبار و فقہائے دیار نے جرأت کر کے عرضداشت لکھی مضمون یہ کہ ایسا سُنا
جاتا ہے۔ اور باور نہیں آتا ہے۔ امیدوار ہیں کہ خداوند تاج و سریر کے مافی الضمیر پر آگہی پا دیں۔
حضور نے تحاشی کی اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ ہماری زبان پر
نہیں گذرا۔ بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم قضا توام ـــہ

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و امان کا در کھلا

شہنشاہ گیتی پناہ مسند جم نشین۔ اہل دل ہم نشین۔ اُمرائے دست وستہ دست بستہ صفحہ نگار بہ
مانند خار سر دیوار باغ و پروانہ پائے چراغ۔ اس چمن میں نشاط اندوز۔ اور اُس انجمن میں ادب آموز
زبان مبارک گہرفشاں ہوئے۔ حقیقت مذہب اہل سُنت و جماعت بیان ہوئی سوءظن علماء
اُس مجمع عظیم میں بہ پیرایۂ حُسن ظن جلوہ گر ہُوا۔ خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثبات قدم مسلک
تسنن پر باور ہُوا مضامین ارشاد کئے ہوئے اعلیٰ حضرت کے بموجب ارشاد۔ قالب نظم م
ڈھلے۔ ناگاہ جانب اجانب سے اُس نظم کے جواب میں کچھ وار چلے۔ یہ گنہگار بے گناہ بھی بہ ز
ممدوح ہُوا۔ اور خنجر زبان کے زخم سے مجروح ہُوا۔ الغرض جب وہ تحریر یہاں دیکھی دکھائی گئی تو اُس
میں خلفاء کی توہین پائی گئی۔ ناچار یہ رسالہ جیسا کہ حضرت مؤلف نے دیباچہ میں لکھا ہے لکھ
گیا اور مجھ کو تقریظ نگاری کے واسطے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کہا گیا۔ میں اگر اس گذارش م
بہ سبب نہ کہہ جاتا تو البتہ وضع تحریر کا موضوع لہ مجہول رہ جاتا۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے ش
سخندانان معنی آفرین اور ہے۔ نہ سفیہ ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں۔ نہ فقیہ ہوں کہ بحث م
زور آزمائی کروں۔ غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں۔ فلک زدہ خانماں بباد دادہ ہوں۔ تا
آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایۂ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں۔ گویا ایک تھکا ہُوا مسافر
ہوں۔ کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپ
خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ یہ نہیں کہ اور کسی کا گنہگار ہوں۔ جو مجھ کو ا
ہمکیش سمجھیں اُن سے دُعائے مغفرت کا متوقع۔ اور جو مجھ کو اپنا مخالف مذہب گمان کریں اُ
دُعائے تخفیف عذاب کا امیدوار ہوں۔ حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر

تقریظ کہ بر کتاب گلزار سرور تصنیف میر راجب علی بیگ صاحب سرور نگاشتہ

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتیں ہیں۔ تعالیٰ اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں یہ جو جعل الحق

فارسی زبان سے عبارت اُردو میں نگارش پاتا ہے۔ ارم کا بن دُنیا سے اُٹھ کر بہارستان قدس کا ایک باغ بن جاتا ہے وہاں حضرت رضوان ارم کے نخلبند و آبیار ہوئے۔ یہاں میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدایق العشاق کے صحیفہ نگار ہوئے۔ اِس مقام پر یہ ہیچ میرز جو موسوم بہ اسد اللہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے خدائے جہاں آفرین سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہاں اسے صاحبان فہم و اوراک۔ سرور سحر بیان کا اُردو کی نثر میں کیا پایہ ہے۔ اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے ؎

رزم کے داستان گر سنئے　　ہے زبان ایک تیغ جوہر دار

بزم کے التزام گر کیجئے　　ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعویٰ تھا کہ انداز بیان و شوخی تقریر میں فسانہ عجائب بے نظیر ہے جستے میرے دعوے کو اور فسانہ عجائب کی یکتائی کو مٹا دیا۔ یہ وہ تحریر ہے۔ کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہے مانی نقاش بے معنی صورتیں بنا کر پیمبری کا دعویٰ کرے کیا عقل کی کمی ہے۔ یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعویٰ خدائی نہ کرے کس حوصلہ کا آدمی ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالی شان ایسری پرشاد نارائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے کار فرما ہوں۔ اور پھر اُس پر طرّہ یہ ہے کہ مرزا سرور چمن آرا ہو وہ باغ کیسا ہوگا بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول و شکسپہ کیوں ہے۔ بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے۔ صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے۔ کہ اُس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ اُس کی شجاعت کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ متعدد اجناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو برسد حہ پرشاد نارائن کا مورد عنایت رہا ہوں۔ جن دنوں وہ دلی میں تشریف لائے ہیں اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب ناشناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو تو اُن کا

نیاز مند کیوں اُن کا ثنا خوان نہ ہو۔ نہیں نہیں میرا کیا مُنہ ہے ثنا خوانی کا۔ میں تو عاشق ہوں اُن کی شاعر پروری و سخندانی کا۔ حضور نے قدر دانی کی۔ سرور نے گہر افشانی کی۔ حضور کا اقبال۔ سرور کا کمال۔ حضور کی عالی ہمتی سرور کی خوش قسمتی۔ انشاءاللہ تعالےٰ یہ نقش صفحۂ روزگار پر یادگار رہیگا۔ مصنف کا شہرۂ رنگین بیانی میں مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہیگا۔ فقط

دیباچہ کہ بر دیوان منشی حبیب اللہ المتخلص بہ ذکا نگاشتہ اند

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں کسی امیر کا نہیں۔ کسی شیخ شیاد کا نہیں۔ یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے۔ اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرض اصلاح میں بغرض دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب تعلق نہیں مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا ہے بے حیف و میل کہوں گا۔ نثر میں نعمت خان عالی کی طرز کا احیا کیا ہے مگر پیرایہ کچھ اُس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا چربہ اٹھایا ہے مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز عاشقانہ سوز و گداز۔ منشی حبیب اللہ ذکا سخنور ہمہ دان یکتا۔ لفظ طراز معنی آفرین آفرین صد آفرین صد ہزار آفرین۔

دیباچہ کہ بر کتاب نواب عالیجناب مرزا کلب حسین خان بہ کلک گہر سلک آوردہ اند

سُبحان اللہ شاہد سخن کمال حُسن میں لاثانی ہے۔ سچ تو یُوں ہے کہ یہ یوسف کنعان معانی ہے۔ کنعان ہو کنواں ہو کارروان ہو۔ کوئی جگہ کوئی مقام کوئی مکان ہو۔ زُلف ویسی ہی معنبر۔ عارض بدستور تاب دار۔ لب کی جان بخشی کا وہی عالم۔ چشم اُسی طرح بیمار۔ معہذا جو سلطنت مصر کے زمانہ کا جمال تصور میں لائیگا۔ وہ آفتاب تابان کو حضرت یوسف کا ادنی ذرہ پائیگا۔ لو ہم ابھی قطرہ سخن سے آئے ہیں۔ حُسن پرستان سخن کے واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں۔ سُنی سُنائی نہیں کہتے نہ دیکھ آئے ہوتے تو چُپ ہو رہتے۔ امید یہ کہ دانشمند آدمی باور کریں نوید یہ کہ

دیدہ ور لوگ نظر کریں کہ یوسف سخن کنعان وچاہ وکاروان وبازار وزندان سے نکل کر تخت فرمانروائی مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ زلیخائے عشق کے گھر عید ہوئی ہے۔ اور یوسف حسن کی سرکار میں نوروز ہوا ہے۔ غالب آشفتہ توسن اس ورق کے ناظرین جب تک رمز نہ جانیں گے تیری بات کبھی نہ مانیں گے کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالی جناب والا دودمان میرزا کلب حسین خان کو کیا اچھی طبیعت بخشی ہے جو انھوں نے ان اوراق کو اپنے اشعار سے رونق اور اشعار کو نعمت ومنقبت سے زینت بخشی ہے۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعۂ نظم کو مصر فرض کیا ہے۔ اور شاہد معنے کو یوسف قرار دیا ہے۔ جس کتاب میں ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح کے سو قصیدے زینت اوراق ہوں۔ اُن اوراق کا سواد کیوں نہ سُرمۂ چشم اہل دین اور یہ اوراق کیوں نہ حرز بازوئے مومنین آفاق ہوں۔ میں اپنے عُلو رتبت پر ناز کرتا ہوں کہ ائمۂ اطہار کے مداح کا ستایش گر ہوں اور بذریعہ اس ستایش کے غالب پر غالب یعنی اپنے سے بہتر ہوں اس دعوے کا گواہ اسد اللہ فقط

دیباچہ تذکیر وتانیث حسب فرمایش مولوی سید احمد حسن بلگرامی نوشتہ اند

سیدی سندی نور بصر ولخت جگر قرۃ العین اسد مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر ودوام دولت و بقائے اقبال کی دعا مانگتا ہوں جن کو مبدء فیاض سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے سبحان اللہ تذکیر وتانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے کس لطف سے ادا ہوئی۔ ہر چند اس راہ سے کہ دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں قواعد تذکیر وتانیث کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں لیکن قوت علم وحسن فہم ولطف طبع سے وہ مضبوط ضوابط بہم پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسرے کو کیا خبر۔ مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحۂ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ منظور انظار اولو الابصار رہیگا جو صاحب اُس کو مطالعہ فرمائینگے نفع بھی پائینگے۔ اور مؤلف بھی ثمر اٹھائینگے۔ مولف صاحب

جو کامیاب اپنے ذہن رسا سے ہیں۔ رئیس جلیل القدر عظیم آباد و آرا۔ اور حضرت فلک رفعت مولوی
سید صاحب عالم صاحب مارہروی کے نواسے ہیں۔ سیّد واسطی بلگرامی ہیں جہاں کے سادات
علم و فضل میں نامی اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں۔ ان حضرت کا مداح گویا اپنا ثنا خوان ہے
جیساکہ مولوی معنوی رومی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے ؎

مادح خورشید مداح خود است — کہ مرا دو چشم سرنا مرمد است

داد کا طالب غالب

خطوط و تحقیق الفاظ و اصلاح بر اشعار بزبان اُردو بنام منشی ہرگوپال تفتہ

واہ کیا عربی قسمت ہے میری۔ بہت دن سے دھیان لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا خط آتا ہے اور اُنکی
خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم نہ ہوئی یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے
اور پاؤں میں چوٹ لگی ہے۔ سُنو صاحب یہ بھی غنیمت ہے کہ ہڈی کو صدمہ نہیں پہونچا۔ اتنا پھیلاؤ
ابھی اس سبب سے ہوا کہ کوئی مالش کرنے والا نہ ملا اور چوٹ کہنہ ہوگئی۔ البتہ کچھ دیر میں افاقت
ہوگی بعد افاقت ہونے کے تم مجھ کو اطلاع کرنے میں دیر نہ کرنا میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ بابو
صاحب کا خط آیا تھا پھر اُنھوں نے تکلیف کی اور وہ کچھ بھیجا جو آگے بھیجا تھا تمہاری مفارقت
سے بہت ملول ہیں طرز تحریر سے فراوانی محبّت معلوم ہوتی تھی میں نے اُن کو لکھ بھیجا ہے کہ
منشی جی گئے نہیں ضرورت کو کیا کریں۔ جلد پھر آئینگے۔ آپ اُن کو اپنے پاس ہی تصوّر فرمائیے۔
بابو ہرگوبند سنگھ تعطیل میں کول گئے ہونگے جو آپکے خط میں اُن کی بندگی لکھی آئی کیوں اُنہوں
نے تکلیف کی بہمہ جہت دو سو قدم پر میرے گھر سے اُن کا مکان۔ اور وہ جاتے وقت مجھ سے
رخصت نہ ہو گئے۔ اب بندگی سلام کیا ضرور۔ ہاں صاحب یہ تم نے اور بابو صاحب نے کیا سمجھا
ہے کہ میرے خط کے سرنامے پر املی کے محلّے کا پتہ لکھتے ہو۔ میں بلیماروں میں رہتا ہوں املی کا
محلہ یہاں سے بے مبالغہ آدھ کوس ہے۔ وہ تو ڈاک کے ہرکارے مجھ کو جانتے ہیں ورنہ خط

ہرزہ پھرا کرے۔ آگے کالے صاحب کے مکان میں رہتا تھا۔ اب بلیماروں میں کرایہ کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اپنی کا محلہ کہاں اور میں کہاں منشی جی کو لکھتے ہو کہ حاکم کے ساتھ گئے ہیں اور پھر لکھتے ہو کہ نہ دورہ میں بلکہ اپنے کام کو۔ بہرصورت اب آ گئے ہونگے میرا سلام کہئے گا۔ اور اپنی خیر و عافیت کے ساتھ اُن کی معاودت کی خبر لکھئے گا ورنہ مجھ کو خط لکھنے میں تامل رہیگا۔ نظر شگفتن و گوش شگفتن ہم نہیں جانتے۔ اگرچہ منشی ہرگوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو ؎

نظارہ راز خون دلم گل۔ در آستین خونش مگو۔ بگو کہ ز چشم چمن چکید

یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش و نظم کی مانند خرابت رکھتا ہے یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے اور خونفشانی صفتِ چشم ہو سکتی ہے۔ اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اس کا استعارہ شگفتگی کر لیتے۔ خوش ہونا جب صفتِ چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں۔ یاد رہے یہ نکات سوائے تمہارے اور کو میں نہیں بتاتا میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو۔ میں پوچھنے سے اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں مگر ہاں ایسی تکرار جیسی بیش اور بیشتر کے باب میں کی تھی ناگوار گذرتی ہے۔ کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر۔ جو میں آپ لکھونگا تم کو اُس کے لکھنے کو کیوں منع کروں گا ؎

اے صد ہزار راز نہاں اندریں سخن گر کم سخن تو ئی نگہت کم سخن مباد
ہرچہ با نفس خود کنم ز بدی نیکیش نام مے توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقیم ہیں رہنے دو ؎

سر نا کا میم سلامت باد کام را کام مے توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اس کے معنی کیا ہیں کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے ؎

ز تر کتازی آن نازنین سوار ہنوز ز سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز

حزین کے اس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے۔ تتبع کیواسطے سند نہیں ہو سکتا

یہ غلط محض ہے یہ سقم ہے۔ یہ عیب ہے۔ اِس کی کون پیروی کریگا۔ حزین تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہوتا تو اُس کو سند نہ جانو اور اُس کی پیروی نہ کرو بھائی تمہارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ اُس میں تو مکنید متمم معنی ہے۔ مکنید زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو۔ اور اگر ہندی کرو تو مصرعہ مہمل اور بے معنی ہے ع چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسترن مکنید۔ کیا گلاب کا پھول۔ کیا لالا۔ کیا موتیا۔ کیا چنپا نہ کرو زنہار نہ کرو یعنی کیا نہ کرو۔ اب جب تمہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو تب کوئی جانے ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا۔ کہ ذکر نہ کرو۔ اے تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو۔ حضرت ذکر مضاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ گل و لالہ و نسرین و نسترن کی طرف کہو گے کہ ذکر کا لفظ نہیں بیان کا لفظ اوپر کے مصرع میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رستوں سے اور زنجیروں سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو۔ قطع لکھو۔ ترجیع بند لکھو۔ یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں مہمل محض ہے۔ والسلام۔ اسد اللہ ؎

ایضاً۔ بندہ پرور۔ بیش از بیش و کم از کم یہ ترکیب بہت فصیح ہے۔ اِس کو کون منع کرتا ہے۔ اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ در زمان من مہر بیش از بیش شد۔ و در زمان تو وفا کم از کم شد۔ اُستاد کیا کہیگا اُس میں تو تین ٹکڑے کا لف و نشر ہے۔ من اور تو مہر اور وفا بیش از بیش اور کم از کم یاد رہے کہ بیشتر از بیش و کمتر از کم اگرچہ بحسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے بیش از بیش و کم از کم افصح ہے۔ وہ شعر تمہارا خوب ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے ؎

قیس از تو نہ ایم کم ولے صبر ۔۔۔ بیش ست تر اکم ست مارا

لیکن ہاں پہلے مصرع میں اگر کمتر ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہرحال اتنا خیال رہے کہ ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میرا شعر ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم ۔۔۔ حسن با این تابناکی آفتاب بیش نیست

مصرع۔ ورنہ چشم تو چہ از رہزن دیوار کم ست ؎ یہاں بہت ہی اوپری معلوم ہوتا ہے اور نرا

ہندی کا ترجمہ رہجاتا ہے فارسیت نہیں رہتی مصرع سہل شمار زندگانی ہا مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے ؎

رائگان ست زندگانی ہا   می تواں کرد جانفشانی ہا

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہوگیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو نہ دوں اور خود اس زمین میں غزل لکھوں مگر پھر میں نے خِسّت نہ کی اور تم کو دیدیا حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ یہ خط جو آپنے مجھے لکھا ہے شراب کے نشہ میں لکھا ہے اور وہ اصلاحی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں اب مصرع گلا تا کے ز زندگانی ہا اس کو موقوف کیجئے اور وہ مطلع رہنے دیجئے کہ وہ بہت خوب ہے بعینہ مولانا ظہوری کا معلوم ہوتا ہے۔ بھائی ہمارے اوراق اصلاحی کو غور سے دیکھا کرو۔ ہماری محنت تو ضائع نہ جاوے۔ ایامے چند جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے۔ مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں آمال کی کھلی سورتھ ہے مصرع خطائے بزرگان گرفتن خطاست۔ ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈھتے پھریں مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا   ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

میری جان ایسے موقع میں یہ چاہئے کہ بزرگوں کے کلام کو ہم موردِ اعتراض نہ کریں اور شہرت فلانے شخص کے انتقال کی بہ غلط۔ البتہ میرا بھی موجب ملال ہے مگر یہ کونسا واقعہ عظیم ہولناک ہے کہ صاحبانِ اخبار اس کو چھاپیں۔ آپ اس طرف اتنا اعتبار نہ فرمایئے ؎

گر ماہ و آفتاب بمیرد عزا مگیر   ور تیرہ زہرہ کشتہ شود نوحہ خوان مخواہ

میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلیماروں کے محلہ میں ایک حویلی کرایہ کو لے کر اُس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔ واسطے اطلاع کے تم کو لکھا ہے۔ اگرچہ میرے خط پر حاجت مکان کے نشان کی نہیں ہے۔ در دہلی بہ اسد اللہ برسد کافی ہے۔ مگر اب لال کنواں نہ لکھا کرو محلہ بلیماراں لکھا کرو۔

اور ہاں صاحب ہمارے شفیق بابو صاحب کا حال لکھو۔ مسہل سے فراغت ہوئی اور مزاج کیسا ہے۔ اور اب اجمیر اور وہاں سے آبو پہاڑ کو کب جائینگے۔ میرا سلام بھی کہدیجئے گا۔ والسلام

اسد اللہ۔ محررہ دوشنبہ بست و دوم مارچ سنہ ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ مرزا تفتہ پیر شو و بیاموز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جن کو تم تحقیقات کہتے ہو وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہو وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے۔ کہیں خلاف عرفی کہتا ہے ع روح را ناشتا فرستادی ۔ یعنے روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ ناشتا اس کو کہتے ہیں جسنے کچھ کھایا نہ ہو ہندی اُس کی نہار منہ تم لکھتے ہو ع عجب ناشتا فرستادی۔ یعنی غذائے صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے اُسنے ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں۔ واقف کہتا ہے ؎

نے محرم قفس نہ بہ دام آشنا شدیم ۔۔۔ نفرین کنیم ساعتِ پرواز خویش را

یہ بھی ہندی کی فارسی ہے۔ بُری گھڑی اور بُسب گھڑی۔ اہل زبان ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں مصرع نفرین کنیم طالع پرواز خویش را ۔ قتیل کہتا ہے ؎

باک جب جائے بکوئی تو زخون پاک نبود ۔۔۔ کشتہ برگشتہ تپان بود و گرخاک نبود

یہاں پر ہیچ نہ بود کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں۔ اور پھر صاحب برہان قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو۔ وہ تو ہر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زبر زیر پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہے۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے۔ اور یوں بھی دیکھا ہے۔ جس لغت کو کاف عربی سے لکھیگا کاف فارسی سے بھی بیان کریگا جس لفظ کو طائے حطی سے لائیگا۔ تائے قرشت سے بھی ضرور لکھیگا۔ فضلائے کلکتہ کے حاشیے دیکھو کہ وہ اُس کی کیا تحقیق کرتے ہیں۔ نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ اما من امام کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف نبیا۔ اور امام کا متعلق اگر مذکور ہے تو امامی۔ اور اگر مونث ہے تو امامن۔ ظفر انے ہندی لغت کے لانے کا التزام کیا ہے مصرع وقت آں آمد کہ بینا راگ ہندی سر کنند ۔ اور اساتذہ کو اس کا التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ گڑ گانوں نام ہے ایک گانوں کا اُس کو کیونکر بدلیں۔ ہاں گر بہ پائے قرشت

کہینگے۔ لکھنو نام ہے ایک شہر کا وہ لکھنو بغیر ہائے مخلوط کے کہینگے فی زمانا چھاپے کو چھاپ بولتے ہیں عرفی جھکڑ کو جکڑ بولتا ہے مصرع آن بادکہ در ہند گر آید جکڑ آید ۔ راء ثقیلہ ہائے مخلوط۔ تشدید۔ یہ تینوں ثقالتیں مٹادیں۔ صاحب برہان قاطع اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علمی اہل ہند میں بھی اس کو مشترک جانتا ہے۔ اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ہے ہ

اے کہ درراہ سخن چون تو ہزار آمد و رفت ہرزہ مشتاب پئے جادہ شناسان بردار

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکلجاتی ہے فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھدیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو ہم اُس کو مانیں۔ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ گائے کا بچہ بروز سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا۔ بنی اسرائیل اُس کو خدا سمجھے یہ جھگڑے قصے جانے دو۔ دو باتیں سُنو۔ ایک تو یہ کہ ارغنون کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔ در اصل ارغنون بغین مفتوح اور مخفف اس کا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے دوسرے یہ کہ جب موسوی خان نے ایواے کو ایوا لکھا تو اُس لفظ کی صحت میں کچھ تامل نہ رہا۔ رامپور سے اپریل مہینے کا روپیہ اور تعزیت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا آیندہ جو خدا چاہے۔ نجات کا طالب غالب۔ یک شنبہ ۱۴ مئی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ بھائی یہ مصرع جو تم کو بہم پہنچا ہے فن تاریخ گوئی میں اُس کو کرامت اور اعجاز کہتے ہیں۔ یہ مصرع سلمان ساوجی و ظہیر کا سا ہے۔ چار لفظ اور چاروں واقعہ کے مناسب۔ یہ مصرع کہکر اور مصرع کی فکر کرنی کس واسطے واہ واہ سبحان اللہ اور یہ جو تم کو فرّے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سوکھا سہا شعر ظہوری کا لکھا بڑا تعجب ہے یہ لفظ میرے ہاں پنج آہنگ میں دس ہزار[۱] جگہ آیا ہوگا۔ فرّ اور فرّہ لفظ فارسی ہے مرادف جاہ کے پس جاہ کو اور اُس کو کس لئے کہا ہے کہ بغیر ترکیب دئے نہ لکھے۔ عالیجاہ اور سکندر جاہ اور مظفر فرّ اور فریدوں فرّ بھی درست ہے۔ اور صرف جاہ اور فرّ یون بھی درست۔

---

[۱] دس ہزار کا لفظ محض ظرافتہً لکھا ہے یعنی تم ہمارے قدیم شاگرد اور ہمارے کلام کے دور در کھنے والے اور پھر تمکو یہ خبر نہیں کہ ہماری فارسی نثر میں یہ لفظ متعدد طور پر اور متعدد جگہ استعمال ہوا ہے پس تمہاری غفلت کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دس ہزار بار لکھی جا وے یاد نہ رہے ۱۲

اور ایک بات تم کو معلوم رہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری کہنا بہت بیجا ہے۔ سُنو! خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب ہے اور یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے میر محمد علی یا شیخ محمد علی یا محمد علی بیگ اور اُس کو خانزادی بھی خانی نہیں حاصل پس جب اُس کو بادشاہ وقت محمد علیخاں کہدے تو گویا اُس کو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اُس کا نام اصلی محمد علی خان ہے یا تو وہ قوم افغان ہے یا خانی اُس کی خاندانی ہے۔ بادشاہ نے اُس کو محمد علی خان بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہے اس کو بہادری کا خطاب کہتے ہیں۔ اِس سے بڑھ خطاب دولگی کا ہے یعنی مثلاً محمد علی خان بہادر اُس کو منیرالدولہ محمد علی خان بہادر کہا اب یہ خطاب دولگی کا ہُوا۔ اس کو بہادری کا خطاب نہیں کہتے۔ اب اس خطاب پر افزایش جنگ کی ہوتی ہے۔ منیرالدولہ محمد علی خان بہادر شوکت جنگ ابھی خطاب پورا نہیں۔ پورا جب ہوگا کہ جب ملک بھی ہو۔ پس پورے خطاب کو خطاب بہادری لکھنا غلط ہے یہ واسطے تمہارے معلوم رہنے کے لکھا گیا ہے۔ اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان میں داخل اور شامل کر لیجئے یعنی قطعوں میں لکھ دیجئے جب تمہارا دیوان چھاپا جاویگا۔ یہ قطعہ بھی چھپ جاویگا مگر ہاں منشی صاحب کے سامنے اسکو پڑھئے اور اُن سے استدعا کیجئے کہ اس کو آگرے بھیجے۔ تاکہ چھاپا ہو جاوے اسعدالاخبار میں اور زبدۃ الاخبار میں یقین ہے کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لاوینگے مجھ کو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں میں نے یہاں صادق الاخبار میں چھپوا دیا ہے ٭

ایضاً۔ صاحب! دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی۔ ایک عربی ہر چند اس منطق[1] میں لغات ترکی بھی آجاتے ہیں مگر کمتر۔ میں عربی کا عالم نہیں مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ پس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزین ہیں جیسے فولاد میں جوہر۔ اہل پارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں۔

---

[1] منطق سے یہاں مراد زبان یا بولی ہے ۱۲

ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے۔ سو دو سو
چار سو۔ آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں جو دو لغت عربی ہے بمعنی بخشش۔ جوّاد صیغہ ہے صفت
مشبہ کا بے تشدید۔ اس وزن پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اُس کو خود نہ لکھونگا
مگر جب کہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی
آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ اُستاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا
یا اُس کے قوافی لکھ لئے اور اُن قافیوں پر لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بچپن
میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اس کے قوافی
پیش نظر رکھ لئے ہوں صرف بحر اور ردیف قافیہ دیکھ لیا۔ اور اُس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے
لگا۔ تم کہتے ہو۔ نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اُس کے قافیہ کا شعر دیکھا
ہوگا اُس پر لکھا ہوگا۔ واللہ اگر تمہارے اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ
وہ شعر۔ بھائی شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پیمائی نہیں ہے زمان لفظ عربی ازمنہ جمع۔ دونوں
طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانی۔ یک۔ زمان۔ ہر زمان۔ زمان زمان دریں زمان۔ دراں زمان۔
سب صحیح اور فصیح۔ جو اِس کو غلط کہے وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے مثل موج و موجہ یہاں بھی ہے
بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہے۔ یک زمان کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی
کیا حاجت۔ سنو میاں میرے ہموطن یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے
قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا وہ گھاگس ابو عبدالوسع ہانسوی لفظ نامراد
کو غلط کہتا ہے۔ اور یہ اُلّو کا پٹھا قتیل صفوتکدہ و شفقکدہ و نشترکدہ کو۔ اور ہمہ عالم و ہمہ جا کو
غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زمان کو غلط کہوں گا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو
میرے ہاتھ میں ہے للہ الحمد و للہ الشکر۔ مرقومہ چہار شنبہ ۲۷ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام اچھا نہیں۔ میں نے
کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدردان نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو۔ اور

میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے۔ اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہُوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دُنیا میں نام آور ہوئے تو کیا اور گمنام جیئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب وہم ہے۔ اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اُٹھ جائے۔ اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گذر جاؤں عالم بیرنگی میں گذر پاؤں۔ جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیئے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اُس کو ویسا ہی برت رہا ہوں لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہینگے۔ اُن کو شہرت سے کیا حاصل ہُوا کہ ہم کو تم کو ہوگا قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ خالق معنی بمعنی معنے آفرین صحیح اور مسلم اور جائز لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے آلہ اور آلٰہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں قیاس کام نہیں آتا۔ اتفاق سلف شرط ہے جب اور کسی نے آلٰہی ہیں دو الف نہیں مانے تو ہم کیونکر مانیں دویم بروزن جحیم غلط۔ دوم ہے بغیر تحتانی بالفرض تحتانی بھی لکھیں گے تو دُوَم پڑھینگے۔ اگرچہ لکھیں گے دویم داد کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے۔ مگر نہ بہ حرف تحتانی مثل زمین نہ بہ حذف نون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دویم کا دومی ہو گیا۔ کنوی کی تاریخ کو بے تامل بھیج دو۔ اور تاریخ وفات کا مادہ سوچو کس واسطے کہ جب آلٰہی ہیں سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائیگا۔ والدعا۔ از غالب روز ورود نامہ بلکہ وقت ورود نامہ بعد۔ خواندن نوشتہ شد۔ یکشنبہ ؎

ایضاً۔ بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا۔ میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا ؎

بہشت آمدندی ز ایران دیار ؎ آمدند کی جگہ آمدندی بصیغۂ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہُوا ؎ رسیدند

در ہند زایران و یار ۔ اُس کی جگہ لکھو یلہ۔ واقعی پوستین کا بیچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند در ہند بیچا تمہارا تصرف مستحسن جس طرح تم نے لکھا ہے اسی طرح رہنے دو۔ صاحب اسنبلستان سے کیوں گھبراتے ہو میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ رُخ کو گل زلف کو سنبل فرض کرتے ہیں۔ سنبلستان میں کیا عیب ہے۔ اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ اسوقت تک کہ اکتوبر کی آٹھویں ہفتے کا دن تیسرے پہر کا وقت ہے میر قاسم علی صاحب تشریف نہیں لائے ہاترس کے منصف اور دلی کے نامنصف ہیں۔ ۱۲۔ غالب روز شنبہ ہشتم اکتوبر ۱۸۵۹ء آخر روز

ایضاً۔ میاں سنو اِس قصیدے کا ممدوح شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے۔ جیسے ہم تم اپنے اپنے مسائل دینی سے بلکہ ہم تم باوجود عدم واقفیت امور دینی سے نفور نہیں اور وہ شخص اس فن سے بیزار ہے۔ علاوہ اِس کے وہ آتالیق کہاں۔ وہاں سے نکالے گئے دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب سے آئے ہیں ایکبار میرے پاس نہیں آئے نہ میں اُن کے پاس گیا۔ یہ لوگ اِس لایق بھی نہیں کہ اُن کا نام لیجئے۔ چہ جائے آنکہ مدح کیجئے ہائے الوری ؎

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح غالب لے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

ایضاً۔ انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں تم نے خاتم بمعنی نگین باندھا یہ غلط جنس وفائے کس مجز کیا ترکیب ہے جنس کس مجز وفا البتہ درست ہے۔ نظر اوّل میں بسبب تاذّر حواس۔ اور کثرت درد و ورم پا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا ۱۲۔ یہ خط لکھ کر بند رکھا تھا کہ کل صبح روانہ کردونگا چشم بددور آج اسی وقت کہ دو گھڑی دن ہے آپکا نوازش نامہ پہنچا وہ سرا جو میں نے خالی چھوڑدیا ہے اُس کو کتر کر یہ سطریں لکھ کر پھر بند کرتا ہوں۔ سُبحان اللہ مصرع ؎ دیگر نتواں گفت آنکس را کہ عمر ست این ۔ اس کا وزن کب درست ہے۔ کیا فرماتے ہو۔ غور کرو بعد غور کے اُس کی ناموزونی کا خود اقرار کروگے۔ شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم درکشیدہ ایم۔ و دم درکشیدہ ایم۔ دوسرے شعر میں پیمانہائے زہر ستم درکشیدہ ایم درکشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ۔ اگر زہر درکشیدن چاہئے ہوتا تو وہ سم کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا تیسرے شعر میں قلم درکشیدن ہے

چوتھے شعر میں آب درکشیدن ہے پانچویں شعر میں سم درکشیدن ہے۔ کیا زہر پانی ہے۔ اگر بمثل زہر آب ہوتا تو زہ واتھا سبحان اللہ یہ عبارت بجائیکہ شرف قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر در کشید۔ اے برادر شرف زہر کجا درکشید بلکہ پیمانہ زہر درکشید۔ شما ہم ساغر سم درکشیدہ سم درکشیدن کجا و پیمانہ غم درکشیدن کجا۔ ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا چاہو یوں کر دو ؎

وائی من و دل اینچہ بہم درکشیدہ ایم غالبؔ دریک نفس دو ساغر سم درکشیدہ ایم

سبحان اللہ تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرع موزون کرنے پر قادر ہوں جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو ؎

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی بدست مرگ دلے بدتر از گمان تو نیست

میر شرف قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو ۱۲ غالبؔ۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ درآعہ بہ تشدید ہے اور وہ ورع بوزن زرع اور لغت ہے ۱۲ صاحب یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے کیا کہنا ہے۔ ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آ جائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔ ایک قصیدہ اصلاح دے کر بھیج چکا ہوں۔ اور اُسی ورق پر فلانے صاحب کے باب میں تم کو ایک نصیحت کر چکا ہوں۔ اُدھر کے جواب کا ہرگز خیال نہ رکھو اور ادھر سے اگر قصیدے کے ارسال میں دیر ہوا کرے تو گھبرایا نہ کرو۔ اب میرے پاس دو قصیدے ہیں ایک لشکر برادرم اور ایک کل آیا ہے بر جا ماند و دریا ماند خوب کہے کہ مضمون سے پہلے ممدوح ڈھونڈھنا پڑتا ہے۔ اگر میں تم کو ممدوح بتا سکتا تو قصیدہ اُس کے نام کا تم سے منگوا چکا ہوتا۔ اور اُس ممدوح تک پہنچا چکا ہوتا۔ بھائی ایک دقیقہ ہے کہ لکھنے کے قابل نہیں۔ ہاں ملاقات ہوئے پر کہہ سکتا ہوں اللہ اللہ۔

ایضاً۔ صاحب گوہر اخاور را یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔ ہم نے اصلاح دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ جب تم صاف کر کے بھیجو گے ہم تمہارے ممدوح کو دے دینگے۔ کل تمہارا یہ قصیدہ پہنچا ہم نے دوپہر کو دیکھ کر درست کیا۔ آج پنجشنبہ ۱۲ ستمبر کو ڈاک میں بھجوا دیا۔ صاحب آج میر بادشاہ

آئے تمہاری خیر و عافیت اُن کی زبانی معلوم ہوئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے اور مجھ کو تمہارے خوش رکھنے کی توفیق دے۔ ممدوح کا نام کیا لکھوں۔ بات اِسی قدر ہے کہ رامپور میں کوئی صورت کسی طرح بنتی نظر نہیں آتی ورنہ کیا تمہارا قصیدہ وہاں نہ بھجواتا ۱۲ اور آعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعرا اس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرعہ سے اتنا مقصود حاصل ہُوا کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور دراعہ دونوں عربی لغت ہیں وہ دال کے تشدید سے اور یہ رے کی تشدید سے مگر جادہ و دراعہ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ درّاعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے غالب ۱۲

ایضاً۔ صاحب دیباچہ و تقریظ کا لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جیسا تم کو دیوان کا لکھ لینا کیوں روپیہ خراب کرتے ہو۔ اور کیوں چھپواتے ہو۔ اور اگر یوں ہی جی چاہتا ہے تو ابھی کئے جاؤ آگے چل کر دیکھ لینا اب یہ دیوان چھپوا کر اور تیسرے دیوان کی فکر میں پڑو گے تم تو دو چار برس میں ایک دیوان کہہ لو گے میں کہاں تک دیباچہ لکھا کرونگا۔ مدعا یہ ہے کہ اِس دیوان کو اُس دیوان کے برابر ہو لینے دو۔ اب کچھ قصیدہ و رباعی کی فکر کیا کرو۔ دو چار برس میں اِس قسم سے جو کچھ فراہم ہو جائے دوسرے دیوان میں اُس کو بھی درج کرو صاحب جہاں تقطیع میں الف نہ سمائے وہاں کیوں لکھو۔ اسد

ایضاً۔ دیدیست یہ لفظ نیا بنایا ہے مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا مگر زنہار اور کوئی نہ سمجھے گا المعنی فی بطن القائل کے یہی معنی ہیں چشمان پر خمار و چشمان بیجا۔ ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں نہ عیب نہ لُطف۔ دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی بیش و بیشتر کا قصہ لائے ہو۔ چہ جُرم و چہ سبب و چہ گناہ پر جو سند لاتے ہو مصرع عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جُرم و اِس کی حاجت کیا ہے۔ جانان مدوے یاران مدوے یہ تمام غزل اسی طرح کی ہے اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی۔ تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا۔ دیکھو نتیجۂ الطبع الکامل ہے

نہ ضرر کُفر کو نہ دین کو نقصان مجھ سے ۔۔۔ باعث دشمنی اے گبر و مسلمان مجھ سے

غالب کہتا ہے ؎

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دور جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقدمہ ہے میرا فارسی کا دیوان جو دیکھیگا وہ جانیگا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں۔ نگو ؎ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ بہ فرق البتہ وجدانی ہے بیانی نہیں ؎

اگر دریافتی بر دانشت بوس — وگر غافل شدی افسوس افسوس

از اسد اللہ روز جمعہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۵۴ء

ایضاً۔ صاحب یہ قصیدہ تم نے بہت خوب لکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کا تمہیں صلہ دے نواب مصطفیٰ خان صاحب کے ہاں سے قصیدے کی رسید آ گئی یقین ہے کہ تم کو بھی وہ خط لکھیں۔ دو ربنولا یہاں آیا چاہتے ہیں اور مجھ کو یہ لکھا تھا کہ قصیدہ پہنچا۔ کیا کہنا ہے ایسا ہے اور ایسا ہے میں چند روز میں وہاں آتا ہوں عند الملاقات اس قصیدہ کے باب میں باتیں ہونگی ضیاء الدین خانصاحب کا بھی مقدمہ آجکل فیصل ہوا چاہتا ہے وہ قصیدہ جو میرے پاس امانت ہے اُن کو دیا جائیگا انشاء اللہ العلی العظیم مصرع از من فراغ برد و بُبریدم من از فراغ۔ بُریدم من از فراغ یعنی قطع نظر کردم از فراغ و نومید شدم از فراغ۔

ایضاً۔ بھائی ریمیا و سیمیا خرافات ہے۔ اگر اُن کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون اور بو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو اسما سے متعلق ہو وہ سیمیا ؎

جان غم سیمیا نخورد گہے — دل سوئے کیمیا نیاورد دم

شعر بامعنی ہو گیا یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے۔ کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے زمان و زمانہ کو میں پاگل ہوں جو غلط کہوں گا۔ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں زمان زمانہ لکھا ہوگا۔ وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا۔ سمجھو پہلا مصرع لغو۔ دوسرے مصرع میں نبرد کا فاعل معدوم

حلقہ زا کی زے پر نقطہ نہ تھا میں نے غصے میں لکھا کہ نہ حلقہ را درست نہ حلقہ زا درست۔ مگر یہ
فارسی بے ولانہ ہے خیر رہنے دو۔ مرتا ہوں تمھیں سمجھاتے ہو کہ صدر جا در کلام اہل زبان خواہند
یافت۔ مگر میں باقی کلام اہل زبان نہیں مصرع گردش چرخ استخوان سا بشد + اس سے بہتر
ہے ~ سودہ شد استخوان ز گردش چرخ + باقی اور مصرعے سب اچھے بنائے ہیں۔ غالب ۱۲

ایضاً۔ حضرت پرسوں صبح کو تمہارے سب کوافذ ایک لفافہ میں بند کر کے ڈاک گھر بھجوا دیئے۔
سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی اُسی دن شام کو ایک خط آپکا اور پہنچا اُس کو بھی روانہ کرتا ہوں
اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اور نئی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں وہ لیٹے
لیٹے لکھتا ہوں۔ مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال یاد رہیں۔ اور کسی نے جو کہہ دیا کہ
غالب کے پاؤں کا ورم اچھا ہو گیا۔ اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے۔ تو حضور نے ان
باتوں کو یقین جانا۔ بیس برس آگے یہ بات تھی کہ ابر و باراں میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب
شام تین گلاس پی لیتا تھا اور شراب شبانہ معمولی میں مجرا نہ لیتا تھا۔ اس بیس برس میں بیس
برساتیں ہوئیں بڑے بڑے مینہ برسے پینا ایک طرف دل میں بھی خیال نہ گذرا۔ بلکہ رات کی شراب
کی مقدار کم ہو گئی ہے۔ پاؤں کا ورم حد سے زیادہ گذر گیا۔ مادہ تحلیل کے قابل نہ نکلا۔ کھولن شروع
ہو گئی۔ حکماء جو دو تین یہاں ہیں اُن کی رائے کے مطابق کل سے نیپ کا بھرتا بندھیگا وہ پکا
لائیگا تب اُس کے پھوڑنے کی تدبیر کی جائیگی۔ تلوا زخمی۔ پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامرد بے درد جھوٹا
ہے تو اس پر ہزار لعنت۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت ۱۲

ایضاً۔ مرزا تفتہ یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزون ہو۔ بڑی قباحت یہ
اعم بہ تشدید لفظ عربی ہے مصرع دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم است + مگر بحر اور ہو جاتی ہے
مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو کاف کے استقاط کی کیا توجیہ کرو گے اور پھر اس صورت
میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے ناچار اس شعر کو نکال ڈالو میں نے تمہیں قصائد لکھنے کو کہا تھا۔ آپ ہم
منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کرو۔ تیغ بشرط ضرورت لکھو مگر بہ فکر و غور ۱۲ غالب ۱۶ جولائی سنہ ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صاحب کشیدن کی جگہ ورکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی جگہ ورکشیدن نہ چاہیئے
برآمدن و درآمدن کا استعمال بعض متاخرین نے عام کردیا ہے یعنی درآید سے برآید کے معنی لیئے
ہیں لیکن ورکشیدن اور ہے اور کشیدن اور۔ میں قریب مرگ ہوں۔ ہاتوں کے ورم نے اور
ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے
ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کی تحریر
لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے سب کو منع کردیا ایک رئیس رامپور
اور ایک تم اُن کی اصلاح رہ گئی ؛

ایضاً۔ حضرت آپکے سب خط پہنچے۔ سب قصیدے پہنچے بعد اصلاح بھیج دیئے گئے۔ ستر برس
کی عمر آلام روحانی نہیں کہوں نہ کوئی باور کرے۔ امراض جسمانی میں کیا کلام ہے۔ پائیں پاتوں میں
عینہ بھر سے ورم ہے۔ ٹکڑے سے ہوئے ہیں رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ افعال دماغ ناقص ہو گئے حافظہ
گویا کبھی تھا ہی نہیں قصہ مختصر ایک قصیدہ سابق کا اور ایک کل کا آیا ہوا یہ دونوں ایک
لفافہ میں آج روانہ کرتا ہوں۔ جمعہ ۳ جولائی ؛

ایضاً۔ حضرت اس[1] قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن افسوس کہ
بے محل اور بیجا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہ حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا
بہی کا درخت اُگ جائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے دوکان بے رونق کے خریدار ہو ۱۲

ایضاً۔ لو صاحب ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کرکے انبالہ کا جانا موقوف
کیا اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا۔ بیمار ہوں ہاتھ پر ایک زخم۔ زخم
کیا ایک غار ہو گیا ہے۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ غالب ۱۲ ؛

ایضاً۔ تم کو معلوم رہے کہ ایک ممدوح تمہارے یہاں آئے ہیں۔ اُن کو میں نے تمہاری فکر اور تلاش کا

---

[1] یہ قصیدہ غالباً مرزا تفتہ نے خود مرزا صاحب مرحوم کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا ۱۲

[2] یہ رقعہ بھی غالباً کسی مدحیہ قصیدے کے جواب میں لکھا ہے جو خود مرزا غالب مرحوم کی مدح میں لکھا گیا تھا

مداح پایا۔ جنوری ۱۸۶۲ء میں کچھ تمہاری خدمت میں بھیجیں گے تم کو قبول کرنا ہوگا سمجھے! یہ کون؟ یعنی نواب مصطفٰے خان صاحب۔ اور دوسرے ممدوح یعنی نواب ضیاء الدین خان۔ وہ آخر دسمبر ۱۸۶۱ء میں یا اوائل جنوری ۱۸۶۲ء میں حاضر ہونگے ۔۔

ایضاً۔ لاحول ولاقوۃ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار ہے۔ میں نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے

ایضاً۔ میرزا تفتہ کیا کہنا ہے نہ ظہیر کا پتا نہ غالب کا۔ مداح شایستہ صد ہزار آفرین اور ممدوح سزاوار صد نفرین۔ ۱۲

ایضاً۔ صاحب تم نے تن تن کرو کر کیوں کہا۔ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا۔ تن تن اور تننا اصوات ہیں تار کے۔ ہندی و فارسی میں مشترک۔ نبیا اور رامن کے لکھنے کو میں نے منع ہرگز نہیں کیا۔ شوق سے لکھو۔ یہ تم کو سمجھایا تھا کہ نبیا مخفف نبی بخش۔ اور رامن متعلق بہ امام ہے مشتقات میں سے اس کو تصور نہ کرو۔ قاعدہ دانان اشتقاق تم پہ ہنسینگے ۱۲ الوائے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں سب مانع ہیں ایوا کے۔ اور سند ایوا سے کی مومن خان نے بسبب ضرورت شعر ایوا لکھا ہے تہمتن بروزن قلمزن ہے۔ فردوسی نے تو جا بجا شاہنامہ میں تہمتن بسکون ہائے ہوز لکھا ہے پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پا گئیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ لغت وہی بحرکت ہائے ہوز ہے اپنے کسقدر کلام کو طول دیا۔ صائب کے شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی تم نے ہرگز اعتنا نہ کیا۔ ایوا کو الگ سمجھے مصیبتاہ کو جدا سمجھے۔ بھلا میرے قول کو گوز شتر سمجھتے ہو۔ ذرا مصیبتاہ یا حسرتاہ برہان قاطع میں یا بہار عجم میں ہم کو دکھا دو۔ وہی واسے ہے کہ جب اس کے بعد مصیبتا یا حسرتا یا ویلا آتا ہے تو تحتانی کو حذف کر کے وا ویلا وغیرہ لکھتے ہیں چاہو واسے واویلا لکھو چاہو واویلا لکھو۔ چاہو آخر میں ہائے ہوز لکھو۔ جیسا کہ وا مصیبتاہ۔ چاہو پہلے ہائے ہوز وا مصیبتا اور یہی حال ہے حسرت و درد و واسف و دریغ کا جہاں اسے کے ساتھ وامصیبتا پاؤ۔ وہاں اسے کو حرف ندا

اور منادی یعنی ہمنشین اور ہمدم کو مقدر سمجھو۔ فرہنگ لکھنے والوں نے اشعارِ قدما میں ترکیبیں
دیکھیں اپنا قیاس دوڑا کر اُس کی حقیقت ٹھہرا لی۔ کہیں اُن کا قیاس غلط کہیں صحیح سو اُن میں یہ
دکنی ایسا کج فہم ہے کہ اُس کا قیاس تو لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے تو صاف لکھ دیا
تھا کہ موسوی خان کے شعر کی سند پر ایوا کو رہنے دو۔ مگر صائب کے شعر میں ایوا کو الگ اور مصیبتا
کو جدا نہ سمجھو تمہارے قیاس نے پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا۔ اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ایوا
لکھا ہے۔ نجات کا طالب غالب ۔

ایضاً۔ سچ ہے اگر آپ اُستاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں بے رسّے استادِ رنگ کو کہاں سے سمجھتا

پا از من نصیحت گری با یدت ندانم پس از من چه پیش آیدت

میں نے جو لکھا کہ میں اچھا ہوں اُس کو آپ سچ سمجھ کر خدا کا شکر بجا لائے۔ وہ جو میں نے لکھا تھا کہ شدتِ
مرض کا بیان مبالغہ شاعرانہ ہے۔ اُس کو بھی آپ نے سچ جانا ہو گا۔ حال آں کہ یہ دونوں کلمے از راہ
طنز تھے۔ میں جھوٹ سے بیزار ہوں اور جھوٹے کو ملعون جانتا ہوں کبھی جھوٹ نہیں بولتا جب
تم نے کسی طرح بیانِ واقعی کو باور نہ کیا تو میں نے تمہیں لکھ بھیجا کہ اچھا ہوں اور یہ کلمہ تمہیں بیٹے
جب لکھا ہے کہ عہد کر لیا ہے کہ جب تک دم میں دم اور ہاتھ میں جنبشِ قلم ہے جب تک توقعِ اصلاح
خیال میں آسکتا ہے۔ آج جو تمہارا دفتر پہنچے گا اُس کو کل روانہ کر دیا کروں گا مجملاً حال میرا یہ ہے
کہ قریبِ مرگ ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں پھوڑے پاؤں میں ورم نہ وہ اچھے ہوتے ہیں نہ یہ
رفع ہوتا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ کل تمہارا ورقہ آیا آج صبح کو لیٹے لیٹے اُس کو
دیکھ کر تمہیں بھجوایا۔ زنہار تم مجھے تندرست سمجھے جاؤ۔ اور دفتر کے دفتر بھیجتے رہو۔ ایک دن سے
زیادہ توقف نہ کروں گا۔ قریبِ مرگ ہوں تو کیا ہے۔ غالب پنجشنبہ ۲۳۔ جولائی ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفریں ہے پھر اُستاد کے شعر تضمین کیوں کرتے
ہو نہ اُس کی کچھ حاجت نہ اُس میں کوئی افزائشِ حسن تمہاری۔ ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھ دیا
ہے۔ تاکہ منقطع کلام ہو جائے۔ پہلا قصیدہ تمہارا ابر آور رم کی ردیف کا سست ہے اسکو

ہم نے نامنظور کیا۔ مگر نظرِ ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہونگے وہ لکھ کر تم کو بھیج دینگے۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں تا کہ آیندہ اس یا لغزہ سے احتراز کرو مصرع نورِ سعادت از جبہۂ قاصدم چکد ۱۰ یہ کیا ترکیب ہے جبہہ بروزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہوز ہیں جبہۂ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی مصرع ہر کجا چشمۂ بود شیریں ۱۰ چشمہ کی جگہ چشہ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے۔ اتنے بڑے مشاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے ۱۲ میاں مصرع برگِ دُنیا نہ سازو نیش بود ۱۰ یہ کوئی لغت نہیں ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے یہ طرزِ تحریر ہی کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی دان اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح بیت بحثی کروں۔ دو جوتیاں آپ لگا دیں ایک جوتی تم سے لگوادی۔ آپ قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔ میں برہان کا غاکہ اُڑا رہا ہوں۔ چار شربت اور غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابلہ کرونگا۔ برہان قاطع کے اغلاط بہت نکالی ہیں دس جزو کا ایک رسالہ لکھا ہے اُس کا نام قاطع برہان لکھا ہے۔ اب اس کے چھاپنے کی فکر ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دونگا۔ ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیجدونگا۔ بہت سودمند نسخہ ہے۔ ۱۲۔ اِس قصیدہ مُتبرکہ کو موافق اصلاح کے اِس کاغذ سے اور کاغذ پر نقل کر کے اور جو مطالب کہ اِس کاغذ پر مرقوم ہیں اُنکو حافظے کے سپرد کر کے اس ورق کو پھاڑ ڈالو۔ اور اِس قصیدہ پر ناز کیا کرو یہ قصیدہ تمہارا ہم کو بہت پسند آیا ہے۔ غالب جمعہ ۴۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء ۱۰

ایضاً۔ صاحب تمہارے یہ اوراق سکندر آباد سے دلی اور دلی سے رامپور پہنچے یقین ہے کہ رامپور سے میرے بھیجے ہوئے سکندر آباد پہنچے ہونگے۔ سوائے ایک مصرعہ کے مجھے اور جگہ کی اصلاح یاد نہیں تم جو اپنے فرزند کو ناآشنا سائے مزاجِ روزگار کہتے ہو خود اُس میں اس سے کیا کم ہو پہلے یہ تو بتاؤ کہ رامپور میں مجھے کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیہ الزمان صاحب کہاں ہیں۔ اُن کا مسکن میرے مسکن سے دُور۔ پھر دیدِ دولت رئیس کہاں اور ہیں کہاں چار دن والی شہر نے اپنی

کوٹھی میں اُتارا میں نے مکان جداگانہ مانگا۔ وہ تین حویلیاں برابر برابر مجھ کو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں۔ بسبب اتفاق ڈاک گھر مسکن کے پاس ہے ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہے۔ برابر دلی سے خط چلے آتے ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور میرا نام۔ محلّہ کی اور عرف کی حاجت نہیں۔ بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کے نشان سے شاید خط تلف ہو جائے۔ دوسری بات جو تم نے لکھی ہے وہ بھی مطابق و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی تو تم کو بلالوں گا۔ غالب ۱۲

ایضاً۔ صاحب واقعی سداب کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بن رہا تھا اسواسطے کاٹ دیا۔ قراب کونسا لفظ غریب ہے۔ جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲

ایضاً۔ دل بسے داغدار بود نماند　　　در نظر ہا بہار بود نماند

اگر بود کے آگے واؤ موقوف اور محذوف کر دو گے تو ہمارے نزدیک کلام سراسر بلیغ ہو جائیگا۔ میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے شاید بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی۔ اور بسبب خلاف شرع کرنے کے پیمبر سے بھی نہ ہوگی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے مرگ ناگاہ کا طالب۔ غالب ۱۲

ایضاً۔ مرزا تفتہ صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں آپکی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ خنجر را و گوہر را کو تم نے از قسم تنافر سمجھا۔ اور اُس پر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ خدشہ نہیں پیدا ہوتا مگر لڑکوں کے اور ہندیوں کے دل میں سلیم سے

شراب نقل نخواہد بگیر ساغر را　　　کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را

یہ غزل شاہجہان کے عہد کی طرح ہے۔ صائب و قدسی و شعرائے ہند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں اُڑا دو۔ ضیاء الدین احمد خان نام ہے۔ ہندی میں رخشاں تخلص فارسی میں نیر تخلص سے ہما نا نیر رخشاں ضیاء الدین احمد خان،

دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرعہ ہے۔ یہ نہ کہنا کہ شعرا ممدوح کا نام ننگا لکھ جاتے ہیں وہ بحسب ضرورت شعر ہے۔ جس بحر میں پورا نام نہ آسکے۔ اُس میں شوق سے لکھو جائز روا مستحسن۔ جس بحر میں نام ممدوح کا درست آسکے اُس میں فرد گذاشت کیوں کرو۔ دو شنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہنچا ہوگا۔ کل ایک رقعہ میرے پاس آیا کوئی صاحب ہیں عطاءاللہ خان اور نامی تخلص کرتے ہیں۔ خدا جانے کہاں ہیں اور کون ہیں۔ ایک دوست نے وہ رقعہ میرے پاس بھیجا میں نے اُس کا جواب لکھ کر اُسی دوست کے پاس بھیجدیا۔ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں پڑھ کر حال معلوم کرو گے۔ تمہارے شعر میں جو تردد تھا اُس کا جواب میں نے یہ لکھا ہے تم کو بھی معلوم ہے ؎

رفت آنچہ بمنصور شنیدی تو ہم من ہم　　اے دل سخنے ہست نگہدار زبان را

تردد یہ کہ آنچہ بمنصور رفت نہیں دیکھا۔ آنچہ برمنصور رفت درست ہے۔ جواب باء موحدہ علیٰ کے معنی بھی دیتی ہے پس جو کچھ بر سے مراد تھی وہ باء موحدہ سے حاصل ہوگئی اور اگر باء موحدہ کے معنی معیت کے لیں تو بھی درست ہے۔ نظیری کہتا ہے ؎

شادی کہ غمین میکشی و دم نمیزنی　　در شہر این معاملہ با ہر گدا رود

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معاملہ ہے اور اُس شعر میں معاملہ کا لفظ نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں معاملہ مذکور ہے اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے رفت کا صلہ اور تعدیہ باء موحدہ کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام۔ اسد اللہ

ایضاً۔ صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو وہی بیش و بیشتر کا قصہ نکلا غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے۔ جزو کلمہ ؎

ہمائے بر سر مرغان ازاں شرف دارد　　اے سر نامۂ نام تو عقل گرہ کشائی را

یہ ساری غزل اور مثل اُس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے۔ اُس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔ دوسرے تحتانی مضاف ہے صرف اضافت کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے آسیائے چرخ یا آشنائے قدیم۔ توصیفی اضافی بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہتا

رائے تو شوم رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تیسرے دو طرح پر ہے یا مصدری یا
معروف ہوگی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر وہ مجہول ہوگی مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ
ور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور توحیدی آشنائی یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک
ہمزہ نہ لکھو گے وا نانہ کماؤ گے ۱۲ نیم گناہ و نیم نگاہ و نیم ناز۔ یہ روزمرہ اہل زبان ہے۔ نیم معنے
رک ورنہ گناہ کا آدھا اور نگاہ کی ادھواڑا اور ناز آدھا یہ مہملات ہیں ہے۔ ان چیزوں کا منا صفہ
یا اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ رہنے دو۔ خستہ تبۂ تازۂ غازۂ خانۂ دانۂ آوارۂ بیچارۂ روزۂ
زرہ۔ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اس کی علامت کے واسطے
ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ۔ گرہ۔ کلاہ۔ شاہ۔ آگاہ۔ آگہ۔ صبحگاہ صبحگہ۔ ایسے الفاظ کے آگے
ر تحتانی آتی ہے۔ تو زرہی۔ گرہی۔ کلاہی۔ شاہی۔ آگاہی۔ آگہی گاہ ہے گہے لکھ دیتے ہیں ۱۲ غالب
یقیناً۔ صاحب دوسرا پارسل جب کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے پہنچا۔ نہ اصلاح کو جگہ نہ تحریر
سطور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے تم نے الگ دو ورقے پر کیوں نہ لکھا اور چھدرا چھدرا کیوں
نہ لکھا۔ ایک آدھ ورقہ زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا۔ بہرحال اب مجھے پڑتے ہیں سوالات۔ اگر کوئی
سوال میری نظر نہ چڑھے اور رہ جاوے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔ بلا ربائی
س میں تامل کیا ہے لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ رُبا اُس کا مخفف ہے ۱۲ خار ہا در راہش افشانم
لہ چوں خواہد شدن ۱۲ بہت خوب اور معقول ہیں اُس وقت خدا جانے کس خیال میں تھا۔ چوں
خواہد شدن و کنون خواہد شدن ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔ لفظ لیے بہر تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد
کا تراشا ہوا ہے۔ جب میں اشعار اُردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی
میں کیونکر اجازت دونگا میرزا جلال اسیر علیہ الرحمۃ مختار ہیں اور اُن کا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال
ہے کہ اُن کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیرزادہ ایران
ایسا لفظ لکھے ۱۲ شست بستن جب ظہوری کے ہاں ہے تو باندھئے یہ روزمرہ ہے۔ اور ہم
روزمرہ میں اُن کے پیرو ہیں۔ بے پیر ایک لفظ ٹکسال باہر ہے ورنہ صاحب زبان ہونے

ہیں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ۱۲ سے

نا ہلا این سخت ہرزہ کہ گفتی چہ شدی   حق غفورست گناہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے زاہد سے یہ سوال غلط کہ چہ شدی ترا چہ شد سوال ہوسکتا ہے پھر گناہے شدہ ام یہ جواب مہمل۔ گناہے کردہ ام جواب ہوسکتا ہے۔ یہاں تم کہوگے کہ ہمہ تن گناہ یا سراپا گناہ یا سراسر گناہ شدہ ام۔ یہ جواب اُس جواب سے سراسر بے ربط ہے۔ جب تک ہمہ تن گناہ نہ ہو معنی نہیں بنتے ہرگز ہرگز اصلاح دیتے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ہی رہا اور ٹکسال کے موافق ہوگیا عجب ہے تم سے کہ صرف شدہ ام اور تا چہ شود سے تہیں ہو کیا [illegible] حقیقت سے غافل رہے سے

با نازِ دلِ خود اتہیں کار   آزار چہ میکنی دلم را

آپ نے زبردستی کی ہے۔ مگر یہاں اُسنے ایک وجہ ٹھہرالی ہے یعنی آزردن مصدر اور آزار مضارع اور آزار امر۔ امر بمعنی اسم جامد آتا ہے اور اسم جامد کردن کے ساتھ پیوند پاتا ہے خبر ہے سنے دو مصرع کند آں آہوئے وحشی زبوم فردارم * یہ شعر مؤید میرے کلام کا ہے۔ بردارم وزردارم و سردارم و فردارم یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں۔ الف ممدودہ کہیں نہیں۔ ہاں بُودار و دردو دار و دو فرودآر دتمہارے عقیدہ کی تائید کرتا ہے مگر یہ شعر اُستاد کا نہیں۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاؤالدین سے ما مقیماں کوئے دلداریم ۱۲ یہ ترجیع بند اُنہیں کا ہے۔ اِن کو فقر و فنا و سیر و سلوک میں سمجھنا چاہئے۔ نہ انداز کلام میں مصرع پر مورست شمشیر سے کہ بر موئے میاں دارد پہ بھائی خدا کی قسم یہ مصرع تلوار کی نازکی کی سند نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے کمر مو ہے تلوار پر مو ہے وجہ تشبیہ علاقۂ پر مُو ر با مو ر مانند علاقۂ شمشیر با میان نزاکت وجہ تشبیہ کبھی نہیں انصاف شرط ہے۔ تلوار کی خوبی تیزی ہے یا نازکی یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ خوبیں اور تلوار میں مناسبت نہیں پائی جاتی جانے دو شعر سے ہاتھ اُٹھاؤ ۱۲ میاں خمیدن بھی صحیح اور چمیدن بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے مگر لغت اور محاورہ اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم و چم بولتے سُنا ہے۔ آجتک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا لفظ

پیارا مجھ کو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سُنا ہو اُس کو کیونکر صحیح جانوں چمید صیغہ ماضی کا ہے۔ چمیدن سے اور چمیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مُسلّم۔ چمد مضارع۔ چم امر۔ اِس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام خم و چم میں ہے۔ سوالات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُن کا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو۔ اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو تو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اِس طرح کبھی نہ لکھنا۔ میں بہت گھبراتا ہوں۔ خمید ست و رسید ست میں تہ دی و ست یہ قافیہ درست ہے مگر ست کا الف سب جگہ اُڑا دو۔ اور یاد رہے کہ صرف سین تے کافی ہے۔ الف ضرور نہیں ۱۲۔

غالب ؎

ایضاً۔ حضرت اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بُت خانہ تین قافیے اصلی ہیں۔ دیوانہ چونکہ علم قرار پا کر ایک لُغت جداگانہ مشخص ہو گیا ہے اُس کو بھی قافیہ اصلی سمجھ لیجئے۔ باقی غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ سب ناجائز و نامستحسن۔ ایطا اور ایطاء بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انہیں قافیوں میں ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل بنی انہیں قوافی پر رکھی کاشانہ و شانہ و افسانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کئے۔ یاد رہے ساری غزل میں مردانہ یا مستانہ یا اُن کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہو گئی اور غزل لکھ کر بھیجو تا اصلاح دی جائے ۱۲ عفو کا طالب غالب ؎

بنام ماسٹر پیارے لال

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریبان سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینہ سے ہے ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے بے شبہہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ اُس کو الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہو تو اب اس مفہوم کو سمجھئے مصرع چاک کرتا ہوں میں جب سے

کہ گریبان سمجھا۔ یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ ابتک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا۔ پس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے سو ہے۔ چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک جیب آثار جنون میں سے ہے ۱۲ غالب ۱۲

بنام منشی حبیب اللہ المتخلص بہ ذکا

بندہ پرور آپکا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دلخوش ہوا جو آپکی عبارت سے سمجھ گیا ہوں۔ اُس کا جواب لیجئے۔ اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد عماید شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اُسی کے ہاں سات بیت کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

پائے سرتا نشود راہ تو رفتن نتواں　　جز بہ جاروب مژہ کوے تو رفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافئے میں اُستاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل ردی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔ آیا معترض صاحب استاد مثل و نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے۔ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔ بندہ نواز میٹھے لکھا کر مؤید برہان میرے پاس آگئی ہے اور میں اُس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجونگا کہ تم از راہ عنایت مؤید کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اُس کو بھی جا بجا درج کرو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا۔ کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھئے اور ضرور لکھئے۔ میاں محمد میران کو دعا۔ ۱۰۔ مارچ ۱۸۶۷ء ۱۲

ایضاً۔ اے عنایت بہ عنایت ہم شکل۔ آپکا خط حاوی حل شبہات جس دن پہنچا اُس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر

درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مُسلّم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ استیلائے نسیان
ایک مصرع کا بدلا ہُوا لفظ یاد ہے مصرع ع چہ غرہ غرۂ پیشانی سمند عمر + بدل مصرع ع چہ غرہ غرۂ پیشانی
تگاور عمر + دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ شبگیر و گراں رکاب۔ کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے
بیچ واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے ۱۲ صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب ۱۲

ایضاً حضرت مولوی صاحب بیس برس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں۔
اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے
ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھاہے لگتے ہیں ضُعف و ناتوانی علاوہ
سوز غم ہائے نہانی علاوہ صنعت سہل ممتنع ہیں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ
قدر دانی نہ فرمائی۔ ردّ فرقہ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید
بھی نہ آئی۔ اب سُنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل وہاں کوس انا و لا غیری بجا رہے
ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبیع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی میری عُمر ہوئی سوائے
شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرماندہانِ عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہات نہ آیا احسنت
و مرحبا کا شور سامعہ فرسا ہُوا۔ خیر ستایش کا حق ستایش سے ادا ہُوا مُختار الملک نے یہ بھی نہ کیا
نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور
کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے ۱۲ کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں۔ اور لیٹے لیٹے یہ
سطریں لکھتا ہوں مصرع ع۔ دیدیم گل و لالہ چہا رنگ برآورد + فقیر کے نزدیک دیدیم زائد اگر
یُوں ہو تو بہتر ہے ؎

ہر یک زگل و لالہ باشد شقیقے کان بلب لعل تو ماند ۔۔۔ گہ چرخ بکام دل ما رنگ برآورد

باشد مخل معنی ہے اگر اس کی جگہ آرد ہو تو بہتر۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور آورد ماضی کا۔ اور فاعل
دونوں فعلوں کا چرخ ہر چند اساتذہ نے یُوں بھی لکھا ہے مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے
پس اس شعر کو یُوں لکھنا چاہیئے ؎

حاشا کہ شفق مثل لبِ لعل تو باشد　　　کے چرخ بکامِ دل ما رنگ برآورد

مصرع خون شد دلِ غم دیدہ آلخ — یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج ہے اور یہ

یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے ؎ اے اہلِ ورع الخ یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح ؎

گوئی کہ زبان در دہنم برگِ حنا بود　　　تا بوسہ زدم آن کفِ پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا۔ زبان برگِ حنا بن گئی تو

بوسہ سے کفِ پا کیوں حنائی ہو جائے ؎

گوئی دہنم لب رگِ برگِ حنا داشت　　　تا بوسہ زدم آن کفِ پا رنگ برآورد

مقطع اور اُس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھئے اور ابھیں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھئے۔ کہ اُن کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختار الملک نے مُنہ نہ لگایا مگر محی الدولہ نے چار سو روپیہ مہینہ سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۰۔ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۶۔ اگست ۱۸۶۳ع ۔

ایضاً — صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں اپنا نورِ نظر و لختِ جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبطِ راز نہیں کر سکتا۔ اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں ۱۲ قصیدہ و غزل میں حیاۃ و تحسین با قتضائے بخت و قسمت ہے نہ باندازۂ ارزش کلام ۱۲ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا اغنیا کو نہ مذاقِ شعر سے نسبت نہ مطالعہ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدر سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے نہ قدر دانی کی ۱۲ مولوی غلام غوث خان بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی سے تلمذ نہیں البتہ اُس کو خوشگو جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور قاطع برہان کا جواب لکھیں ؎ باطل ست انچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر جیسا محتسب۔ اور مولوی جامی جیسا مفتی کہاں سے لاؤں جو تنبیہ کرے اور کاذب کو سزا دے۔ شکایت خدا کا کہ تم سخن ور اور سخندان ہو۔ اور یقین ہے کہ قلمرو ہندیا

اور بھی ایسے آدمی ہونگے کہ میرے اور مدعی کے رتبہ کو ممیز ہو سکیں گے مصرع ع عید ست بادہ شد فلک و ساغر آفتاب ۔ خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مسلم رکھے گا اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ ہیں وجہ شبہ شرط ہے آفتاب و ساغر ہیں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک ہیں وجہ تشبیہ کہاں ۱۲ میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدر دانی کیونکر کہوں قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ۔ جو خیال میں آئیگا کہا جائیگا۔ اگر آپنے اس روش کا یعنے استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے ماکتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعہ کلام سابق اگر بھیج دو گے ہیں بکمال طیب خاطر اُس کو دیکھ کر بھیجدونگا۔ استجازت کیا ضرور ۱۲ نجات کا طالب۔ غالب ۔

ایضاً۔ صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے وہ فردیں خوب آگیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ورنہ کا قافیہ اور شعر ہیں اور طرح سے بندھ گیا تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہوگیا۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا اُس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔ ساقی ابھی چھنی الخ۔ چھنی لفظ غریب ہے نہ اہلِ دہلی کے زبان زد نہ گوش زد غربال کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سائلات کو چھانیں فارسی اُس کی لائے پالا اور اُردو صافی ہے بہ یائے معروف۔ برابر نہ ہُوا تھا یہ قافیہ دو طرح سے درست ہُوا ہے جس طرح چاہو رہنے دو۔ مرنے کا میرے وقت مقرر نہ ہُوا تھا۔ تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری پسند نہیں ہے میرے سر کی قسم اِس کو نہ رکھو اور مقطع لکھ لو۔ ۱۲ غالب شنبہ ۱۴ - نومبر ۱۸۶۳ء ۔

بنام منشی میاں داد خاں المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیّاح

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان سیّاح کو دُعا۔ صاحب وہم اور

چیز ہے۔ اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبائینگے
اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہونگے۔ آدھ آنہ کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں ۱۲ گلشن
بعض کے نزدیک مونث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے قلم دہی خلعت ان کا یہی حال ہے۔ کوئی
مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے میرے نزدیک دہی اور خلعت مذکر ہے اور قلم مشترک چاہو مذکر کہو
چاہو مؤنث۔ گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جہاں الف دبتا ہے میرے کلیجے
میں ایک تیر لگتا ہے۔ رکھتا ہے گلشن بھی یہ الف دبتا ہوا دیکھ کر میں نے رکھتی ہے بنا دیا۔
مگر گلشن مذکر مناسب ہے پھلکی یا پھلکا تنہا بمعنی محقق ہے ہلکی پھلکی ہلکا پھلکا یوں آئے
تو درست ورنہ لغو۔ اور یہ جو پھلکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں یہ دوسرا لغت ہے۔ پھلکے کبھی کوئی
نہ بولیگا۔ پانی والی حقہ وقہ یوں کہینگے۔ نزاوالی اور نرا وقہ نہ کہینگے۔ ہلکا پھلکا۔ ہلکی پھلکی کہیں گے
سبک چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی نہ کہیں گے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے
مشورہ لیا کرو۔ اور دبتے ہوئے حروف بھی اُن سے پوچھ لیا کرو۔ ۱۲ غالب

ایضاً۔ بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد ہو جاؤ۔ اور اپنا کلام اُنکو
دکھاؤ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو اُن سے پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں
کو اس امر خاص میں دلی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے ۱۲۔ ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے
عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا جس لغت میں عین ہو اُس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے
اس قاعدے کے یہ سمجھو کہ غربال غین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور
لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اس کی پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو
غربال اور پرویزن کہتے ہیں۔ اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے رہا غربال
یا عربال عین صعفص اور یائے تحتانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے ہاں
اگر عربی میں چھلنی کو عربال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عربال۔ مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں
کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا عربال نہ کہتے ہونگے۔ اب تم سنو فن لغت میں ایک امر ہے

کہ اس کو تصحیف کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور نقطوں میں فرق جیسا کہ سعدی بوستان میں کہتا ہے ؎

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دہ   کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ نوشہ۔ یہ تین لفظ مصحف یکدگر ہیں۔ حال آنکہ معانی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ توشہ۔ ترجمہ زاد کا۔ بوسہ ترجمہ قُبلہ کا۔ نوشہ اسم دولہ کا۔ صاحبان فرہنگ میں برہان قاطع والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے۔ گزر اور گذر خرپزہ اور خربزہ کہتا ہے کہ سدا بسین سعفص لفظ فارسی ہے بمعنی آواز اور صدا بہ صاد تعریب ہے جو لغات تے میں لکھے ہیں۔ انہیں لغات کو طوے میں لکھتا ہے۔ حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے طوے بھی نہیں ہے۔ مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے املا اسکی طوے سے غلط ہے۔ برہان قاطع والا اس کو تے سے بھی لایا ہے۔ اور طوے سے بھی محققین جانتے ہیں کہ صدا بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب۔ اور سدا سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے قصہ کوتاہ غربال بمعنی چھلنی کے لفظ فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے۔ اور غربال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے تو اس کو مانو ورنہ یہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے۔ نجات کا طالب غالب ۱۲۔ ۲۷۔ فروری ء

ایضاً۔ منشی صاحب تمہارے خط پہنچنے کی تم کو اطلاع دیتا ہوں اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں۔ اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں کہہ دیجئے گا بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجئے گا ۱۲ بعض لوگ آن بان بولتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک آن تان صحیح ہے۔ اور یہی فصیح ہے ۱۲ پر بمعنی لیکن لفظ مشہور ہے اور پہ اس کا مخفف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا ۱۲ مجھ کو بنگالہ سے آئے ۳۲۔ ۳۳ برس ہوئے بہت احباب مر گئے۔ بہت متفرق ہو گئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال رسائل کی رسم و راہ ہو۔ ۱۲ صاحب وہ شعر جس کو تم نے

پوچھا ہے یہ ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو　　کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آگئے ہیں وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں　　کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ پر کا مخفف پہ ہے بمعنی لیکن ۱۲ بنارس کا کیا کہنا ہے ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہجاتا اور ادھر کو نہ آتا ؎

عبادت خانۂ ناقوسیانست　　ہمانا کعبۂ ہندوستان ست

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے اس کی تدبیر فردوسی و خاقانی سے بھی نہ ہوگی میں کیا کرونگا نام تمہارا آسکتا ہے لیکن الف دبتا رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب سے بھی ضرور پوچھنا۔ نجات کا طالب غالب ۱۲ سہ شنبہ ۱۲۔ فروری ۱۸۶۱ء ٭

ایضاً۔ بھائی تمہارا خط کل پہنچا آج جواب لکھتا ہوں پہلے یہ پوچھتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتذار چھپا ہے وہ تمہاری نظر سے گذرا ہے یا نہیں۔ نہ گذرا ہو اکمل الاخبار ماہ شوال کے چاروں ہفتہ کے دو ورقہ دیکھ لو ایک ہفتہ میں نکل آئیگا ۱۲۔ واقعی اعتراض کے جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں۔ اس ہفتے کے اکمل الاخبار میں دیکھ لو جو تم سے کلام کرے اسی انداز سے تم بھی کلام کرو۔ نجات کا طالب غالب ۲۹۔ اپریل ۱۸۶۷ء ٭

ایضاً۔ بھائی تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤنگا۔ جو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈھ لا دیتے موزون

یں کرتا۔ اور اگر آپ میں نے مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے ایسے تعمیے و تخرجے آ گئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہو گئی ہے۔ کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علیخان مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے اُن کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خان نے استدعائے تاریخ کی میں نے لکھی چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ؎

مفتیٔ عقل از پئے تاریخ ایں بنا　　　ایما بسوئے من زرہ احترام کرد
گفتم بوئے بدیہہ خوشا خانۂ خدا　　　شد خشمگین و مے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رفت و پائے ادب شکنجہ ریخت　　　ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو خوشا خانۂ خدا مادہ پھر اس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو نو سو اکیس کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔ پائے ادب توڑا۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے مگر ہاں حساب کے قاعدہ سے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے۔ اور وہ لطف رکھتا ہے ایک شخص ۱۲۴۸ میں مرا اس کی تاریخ میں نے لکھی ؎

زسال واقعہ میرزا مبتلا بیگ　　　آمد راست شمار ائمۂ امجاد
صحیفہ ہائے سماوی ہمیں از عشرت　　　حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی بارہ سو پھر کتب سماوی چار دھا کے چار یعنی چالیس۔ بہشت آٹھ۔ چالیس اور آٹھ اڑتالیس بارہ سو اڑتالیس۔ دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی ؎

از بروج سپہر جوئے آمد　　　عشرات از کواکب سیار

بروج بارہ سات دھا کے ستر یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا کیوں نہیں آتا ؎

جب کہ سید غلام بابا نے　　　مسند عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات　　　کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر سنو ؎

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے　　　فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی

زمین پہ ایسا تماشا ہُوا برات کی رات   کہ آسمان پہ کواکب ہیں تماشائی

اس بحر میں سماتا ہُوا کوئی مادہ بہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ لو وہ دوست جو مادہ ڈھونڈھ دیتے تھے وہ جنت کو سدھارے میں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۱ محرم ۳۱۔ جولائی سال حال ؁

بنام شہزادہ بشیر الدین

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا۔ فرسودہ اور بودے ہوگئے۔ روح اُن میں دوڑتی نہیں پھرتی۔ مگر ابھی مفارقت نہیں کرگئی۔ خدا جانے کس کمین میں ہے۔ اعضا نکمے ہوگئے۔ اب وہ کام جو اُن سے متعلق تھے بند ہوگئے آپکا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجالانی دل سے تعلق رکھتی ہے وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سرانجام پائے جائینگے۔ خاکم بدہن واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ لب پر لاتے ہیں تو خاکم بدہن کہہ لیتے ہیں۔ عمر خیام ؎

بدخاک بدبختی سے تاب مرا   خاکم بدہن مگر تو مستی ریتے

اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ میں کہتا ہوں ؎

اے اہل شہر مدفن این دودمان کجاست   خاکم بہ فرق خواب گہ خسروان کجاست

استاد[1] ؎

خاکم بسر کہ عاشقِ کار آزمودہ ام   دانم کہ با رقیب بخلوت چہا رود

آپکے ہاں اور مولوی روم کے ہاں خاکم بدہن کا متوقع نہیں جیسا کہ مولوی معنوی نے لکھا حضرت بھی اپنے ہاں لکھیں ؎ فرق است درمیانہ کہ پیدا نازک است ونجات کا طالب غالب ؁

---

[1] یہ شعر نواب غفران مآب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ تخلص کا ہے۔ ان کے نام کی جگہ استاد کا لفظ یا تو اسلئے لکھا ہے کہ اسوقت یاد نہیں رہا یا اس کا شعر ہے یا اس نوبت سے لکھا ہے کہ ہندی شاعر کا نام لکھنے سے مخاطب کے دل میں کچھ پسند کی وقعت نہ ہو۔ ۱۲

ایضاً۔ بندہ پرور مہربانی نامہ آیا سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہئے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی نہ معانی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستان جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں صرف کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید و طواط اور اُن کے امثال و نظائر کا کلام۔ بہ استیفا دیکھا جائے اور اُن کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لیجائیے تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔ منکہ با تشم الخ اس کی جو شرح چھاپے میں لکھی ہے اُس کو ملاحظہ کیجئے اور معانی میرے خاطر نشان کیجئے تو میں سلام کروں پہلے فقرا یہاں لڑنی چاہیئے کہ آنا اوج بیان انداختہ کا فاعل کون ہے۔ اور مفعول کون ہے اگر عقل کل کو انداختہ کا مفعول اور منکہ کے کاف کو کدا میہ ٹھہراؤ گے تو لے شبہ انداختہ کے فاعل دو ٹھہرینگے۔ ایک ناوک انداز ادب اور ایک مرغ اوصاف تو ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے۔ اب فقیر سے اُس کے معنی سُنئے من انداختہ کا مفعول را مقدر منکہ کا کاف تو بمعنی ناوک انداز۔ ادب۔ ادب آموز یعنی اُستاد مرغ توصیف تو فاعل مجھ کو کہ عقل کا اُستاد ہوں تیر سے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے اُس کا ناوک پہنچ سکتا تھا مگر مرغ اوصاف اُس مقام پر ہے جہاں اس ناوک انداز کو ناوک کے پہنچانے کی گنجایش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آجانا ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ۔ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ کیا اچھا مبالغہ ہے۔ مُرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز با وجود دعوی قدرت ۱۲ ایثار تو برد و ختہ چشم و دہن آز اس کے معنی تو وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا[1] احسان تو

---

[1] مصرع ثانی یہ ہے ع احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را ۱۲

ہر قطرۂ دریا بشگافت تا ہم بقید حیات نیابد"۔ یہ ہیچمدان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے مگر خیال میں جب آئیگی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا میں مروارید یاقوت و بحر و معدن کی کمبختی آتی ہے۔ لعل و در کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانہ میں اسی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اُس میں کے دو شعر یہ آپکو لکھتا ہوں ؎

ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی — جز پردگیانِ حرمِ معدنِ و یم را
وقت ست کہ این قوم بہر کوچہ و بازار — پرسند ز ہم منشاء رسوائی ہم را

پردگیان حرم معدن و یم لعل و گہر جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں وہ باہمدگر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں۔ ہم کو اسقدر بے حرمت اور ذلیل کیوں کر رکھا ہے؟ ۱۲ قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا۔ بحساب ہے مقصود عُرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے وہ بخشدیئے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوۃ استعداد موتی ہو جانے کی ہے تو اس احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آئیں تو وہ سائلوں کو دیئے جائیں۔ پہلے مصرعہ میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعرا کے ممتنع اور اُس کا وقوع میں آنا اغراق دوسرے مصرعہ میں یہ احتمال استعداد بالقوۃ قطرہ کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو ہے۔ ۱۲۔ داد کا طالب غالب۔

بنام منشی کیول رام قوم کایتھ۔ المتخلص بہ ہشیار

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور اُن کا کلام سند ہے سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں جیسے اہل ایران۔ اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لیکر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت

کی کوئی کتاب لکھی ہو کوئی فرہنگ جمع کی ہو تو ہمیں دکھاؤ اس کو اگر ہیں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو ہیں گنہگار ۱۲ جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں تمام اُن کے کہاں تک لوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہونگے ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے ۱۲۔ اشعار اساتذۂ ایران کو ماخذ ٹھہراکر جو لغات اُن کی نظم میں دیکھے بمناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیئے۔ استنباط معنی کا مدار قیاس پر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قیاس اُن کا سراسر غلط میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے ۱۲۔ ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع بُرہان قاطع احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے مُسلمان اُس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اُس کے بیان کو مطالب مندرجہ بید کی برابر مانتے ہیں ۱۲ گیا اور گیاہ بکاف فارسی بکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں۔ گیا بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے ہرگز نہیں ہے مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہات کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر ضمہ کرا اور فتحہ بنا دیا ہو۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھے ہیں نہ گیاہ بمعنی وہ ہے نہ گیا بمعنی مقدم وہ ہے نہ گیا بمعنی پہلوان ہے نہ کار گیا کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے ۱۲ کے بہ کاف عربی مفتوح بروزن مے ایک لغت فارسی ہے دو معنی یعنی دو معنی دیتا ہے ایک تو کب یعنی کس وقت۔ اور دوسرے معنی اُس کے ہیں حاکم اور بادشاہ کے الف جو اُس کے آگے آتا ہے وہ کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے خوشا بہت خوش بدا بہت بد۔ کیا بڑا حاکم ؎

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ یا فتند از عشق او کار کیا

یعنی بسبب عشق کار بزرگ یا فتند ؎

سر فرو بردیم تا بر سروران سرور شدیم ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏ چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے اگر معروف ہے تو مصدری ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام وہ کیا مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے یعنی کیائی

وہ اور حاکم وہ کار کیا مثلاً یعنی کیا ہی کار دمالک کار جہان ما قبل اس کے رائے مکسور لائینگے وہاں کار موصوف اور کیا صفت ہے نہایت تحقیق واصل حقیقت یہ ہے فقیر نے جہاں کیا کے لفظ پر خط مستطیل کھینچا ہے وہ علامت فتحہ ہے دوسرا امر کچھ نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے ۱۲ - وادکا طالب

غالب ۔

بنام مولوی کرامت علی

فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپکی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں اور میں نے آپکی ملاقات سے حظ اُٹھایا ہے حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں ؎

خواست کز ما رنجد و تقریب رنجیدن نداشت　　جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

داشتن بمعنی رکھنے کے ہے لیکن اہل زبان بمعنی بایستن بھی استعمال کرتے ہیں ظہوری رح ؎

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را　　گفتہ باشم این قدر بر خویش پیچیدن نداشت

تیسرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعہ کا داشت بمعنی بایست ہے مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا تھا کہ اُس کے ذریعہ سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت آئی میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راندۂ درگاہ ہوا۔ معشوق اسی گستاخی کو بہانۂ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا۔ اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے پرسیدن نداشت یعنی پوچھنا نہ چاہئے تھا ؎

دیر خواندی سوئے خویش و زود فہمیدہ دریغ　　پیش ازین پا ہم ز گرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلا دے۔ مگر اُس عیار نے نہ بلایا رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں اُلجھنے لگے جب اُس نے

یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا تب بُلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بُلانے میں دیر کی اور میں اسکی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بُلانے میں اسواسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے کہ زود فہمیدن پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے دریغ ہے دوست کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر

من بو فا مردم و رقیب بدر زد   نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

انگبین شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والے نہیں۔ جب تک اُس کو تبر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ بدر زدن۔ اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں باہر مارنا۔ یعنی بدر باہر۔ اور زدن مارنا لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکلجانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے۔ بے تکلف اُڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی جب وہ اُڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اُس کے شہد میں لپٹ جائینگے اور وہ مر کر رہ جائیگی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری۔ یعنے وہ چاٹ کر لُطف اُٹھا کر صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا

در نمکش بین و اعتماد نفوذش   گر بہ می افگند ہم زخم جگر زد

زدن لازمی بھی ہے۔ اور متعدی بھی لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا۔ اور متعدی کے معنی مارنا۔ یہاں زد لازمی ہے۔ اب یہ سمجھا چاہئے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈالکر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اُس میں فشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے۔ اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے۔ اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اُس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ اُس نمک کو شراب میں ڈالدیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا۔ اور زخم جگر پر جا لگتا ہے یعنی اگر بے محل بھی

کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے ؎

کیست دریں خانہ کہ خطوط شعاعی . مہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے۔ اور اُسنے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اِس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیئے ہیں۔ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا۔ اور اُن خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے ؎

دعویٰ او را بود دلیل بدیہی . خندۂ دندان نما بہ حسن گہر زد

خندۂ دندان نما اُس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو۔ اور اُس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں معشوق موتیوں کے حُسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اُسی چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حُسن پر ہنسا گویا اُسنے یہ دعویٰ کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعویٰ پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے میں اُس کے دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ حُسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے حُسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی مان لیا ؎

غیرتِ پروانہ ہم بروز مبارک . نالہ چہ آتش ببال مُرغ سحر زد

پروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیئے۔ پروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانہ میں ہو یا پروانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانہ پر۔ یعنی رشک حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اُس پر رشک آتا تھا دن کو ایسا کوئی نہ تھا کہ مجھ کو اُس پر رشک آوے۔ لو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانہ پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مُرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی

مستی اور بیخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانہ کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہو

لشکر ہوشم بہ زرمی نہ شکستی غمزۂ ساقی شخست راہ نظر زد

نظر فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا۔ اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر اُس پر شراب پی گئی بیخودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی گیا تھا ناچار ہوش جاتے رہے ۵

زان بُتِ نازک چہ جائے دعویٰ خون ست دست وے و دامنے کہ او بکمر زد

اِس شعر کا لُطف وجدانی ہے بیانی نہیں ہے معنی اِسکے یہ ہیں کہ اُس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اُس کو وقت عزم قتل۔ دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اُس کا ہات ہے اور وہ دامن کہ جو اُنھوں نے گردان کر کمر پر باندھا تھا ایسا لچکا کمر کو پہنچا ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے پس کوئی اُس سے خون کا کیا دعویٰ کرے گا۔ قطعہ

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم ہر چہ ز طبع زمانہ بہارہ سر زد
شاخ چہ بالد گرار مغان گل آورد تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضائے طینتِ خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں مثلاً گھاس۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو بھی منظور نہیں کہ اُس کا رس نکلے اور اُس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اُسنے اُس گھاس میں سے یہ بات پیدا کی پس اسی طرح انگور ہیں۔ اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ثمر ہے۔ ہم نے اپنے زورِ عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے ۵

کام نہ بخشیدۂ گنہ چہ شماری غالبِ مسکین بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اِس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا پس جب میں لائق توجہ کے نہیں ثواب

عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے۔ ۱۲۔ غالبؔ

بنام منشی جواہر سنگھ جوہرؔ

برخوردار۔ تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا۔ اور چھاپے کے قصیدہ کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر وانہ ہونا معلوم ہُوا۔ ہاں لالہ جھجمل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ اِن دنوں میں خصوصاً اِس شدّت سے نزلہ چھاتی پر گرا کہ وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رہی بارے کچھ فرصت ہو گئی ہے۔ بھائی یہ آفتاب سرکوہ ہیں ہیرا کا اُن کے پاس رہنا اچھا ہے۔ تم سے جو ہو سکیگا تم اُس کے مصارف کیواسطے مقرر کر دوگے غزل تمہاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر بھیجدی گئی۔ اسکا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے مصرع چرا نہ یاس بجان امیدوار افتد۔ یہاں افتد مہمل ہے۔ یاس بدل افتادن ویاس بجان افتادن روزمرہ نہیں۔ اور بھی کئی افتد ایسے ہی ہیں ؎

شیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد | بساں سایہ ہمانیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایہ کا باعتبار سیاہی رنگ ہے۔ اب یہاں دو افتد ٹھیک ہیں گزار افتادن روزمرہ اور دوسرا افتد بمعنی واقع شود ؎

شنیدہ ام بجفائے تو مبتلاست مدو | چرا نہ شور بجانِ امیدوار افتد

شور اُفتادن روزمرہ ہے۔ اور یاس اُفتادن غلط ؎

بہ تحیرم کہ دوزخ کسان دوزخ را | کجا برند چو آہم شرارہ بار اُفتد

یہاں اُفتد بمعنی واقع شود ٹھیک ؎

نہ گبرم و نہ مسلمان بحیرتم کہ مرا | سوائے دوزخ و مینو کجا گزار اُفتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفرین ؎

قرار در وطن افسردہ می کند دل را | خوشا غریب کہ دور از دیار یار اُفتد

یہاں بھی اُفتد صحیح و بامعنے ؎

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل کند | خوش ست بنشیم اگر یار پردہ وار اُفتد

یہاں بھی اُفتد بمعنی واقع شود ؎

ترا کہ شیوہ دگرگون کنی بزعم بتان | خوش ست گر بجفا بر دفا قرار اُفتد

افتد یہاں بھی ٹھیک ہے بات اتنی ہی تھی کہ بود گد لا لفظ تھا کنی صاف ہے ؎

خط رُخ تو بدل دادہ خطِ آزادی　　　　خوشم کہ در شکن زُلف تا بدار اُفتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہوگئی معنی کا عیار کامل ہوگیا ؎

چکد ز خامۂ جوہر سخن چنانکہ گہر　　　　بہ در سوج گُدا ز سحر بر کنار اُفتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔ از اسد اللہ نگاشتہ شنبہ نہم اپریل ۱۸۵۳ع ؛

بنام منشی ہیرا سنگھ

فرزند دلبند سعادتمند منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دُعائیں قبول ہوں اور اُن کے جتنے مطالب و مآرب ہیں وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں۔ بھائی لبِ ساحل کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا ؎

میتے آں گدائے خونین دل　　　　بود تبخالۂ لبِ ساحل

لبِ بام لبِ فرش لبِ گور لبِ چاہ لبِ دریا لبِ ساحل یعنی کنارہ کے ہے مستعمل اہل ایران لبِ بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آ ہیئے پس لبِ دریا اُسے سمجھئے جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی میں جائے۔ لبِ ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھئے تو دریا میں گرے۔ لبِ دریا سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے۔ جیسا نہانے کیواسطے۔ اور لبِ ساحل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لبِ بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کڑاڑے کے کنارے پر سے کودتے ہیں کڑاڑ ساحل اور کڑاڑے کا کنارا لبِ ساحل جو صاحب کہ لبِ ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے اور اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستان۔ بوستان کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر ہدایت تاک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھینگے تو یقین ہے کہ دیکھ لینگے۔ نجات کا طالب غالب ؛

بنام میر مہدی صاحب

آیئے جناب میر مہدی صاحب دہلوی بہت دنوں میں آئے کہاں تھے۔ بارے آپکا مزاج خوش ہے میر سرفراز حسین صاحب اچھی طرح ہیں میرن صاحب خوش ہیں ؎

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے　　　　یانتک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے۔ قد اس کا کتنا لنبا ہے۔ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں رنگ کیسا ہے جب یہ نہ
بتا سکو گے تو جانو گے کہ قسم جسم و جسمانیات میں سے نہیں ایک اعتبار محض ہے۔ وجود اس کا صرف
تعقل میں ہے بہر رنگ کا سا اس کا وجود ہے یعنی کہنے کو ہے دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم
آپ اپنی قسم ہو گئے تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے ہونے کی دلیل ہے ۱۲ سلہ

میخواہم از خدا و نمی خواہم از خدا — دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

الف و نشر مرتب ہے میخواہم از خدا دیدن حبیب را نمی خواہم از خدا ندیدن رقیب را۔ خوار و زار و خستہ و
سوگوار یعنی تو اس میں موجود ہیں مگر بول چال ٹکسال سے باہر ہے ایک جملہ کا تمامہ مقدر چھوڑ دیا ہے۔ اور پھر اس
بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنی فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اساتذۂ مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں
ہے۔ کوئی صاحب ہونگے کہ انہوں نے لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہہ دیا اور کسی استاد کا
نام لے دیا کہ یہ اُن کا ہے۔ تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے۔ جو جس کے
کانوں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے رتھ میرے نزدیک مذکر ہے یعنی رتھ آیا
لیکن جمع میں کیا کرونگا ناچار مؤنث بولنا پڑیگا یعنی رتھیں آئیں سلہ خبر مؤنث ہے باتفاق۔ مگر کاغذ
اخبار اس کو خود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے میں تو مذکر کہونگا یعنی اخبار آیا۔ پیر ہوئی یا ہوا یہ منطق
عوام کا ہے ہمیں اس سے کچھ کام نہیں ہم کہینگے کہ دوشنبہ ہوا پیر کا دن ہوا۔ یہ پیر ہوئی یا پیر ہوا سلہ ہم
کیوں بولینگے ۱۲ بلبل میرے نزدیک مؤنث ہے جمع اس کی بلبلیں۔ طوطی بولتا ہے۔ بلبل بولتی ہے ۱۲
بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا۔ اپنا عندیہ لکھتا ہوں۔ جو چاہے مانے جو چاہے نہ
مانے ۱۲ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۸ دسمبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ قاطع برہان کے مسودے سب بیٹے پھاڑ ڈالے اس واسطے کہ ہر نظر

سلہ شاید ان کا مطلب یہ ہے کہ رتھ کی تذکیر و تانیث میں جو اختلاف ہے وہ صرف افراد کی حالت میں ہے یعنی کوئی رتھ
آیا اور کوئی رتھ آئی کہتا ہے لیکن جمع کی حالت میں بالاتفاق سب رتھیں آئیں بولتے ہیں پس ناچار مؤنث ماننا پڑا۔ لیکن
فی الواقع ایسا نہیں ہے جو رتھ آیا بولتے ہیں وہ جمع کی حالت میں رتھ آئے بولتے ہیں جیسے یار آئے دوست آئے آدمی
آئے۔ جانور آئے اور یار آیا۔ دوست آیا آدمی آیا۔ جانور آیا ۱۲

سلہ مرزا صاحب نے صاف صاف تحریر نہیں فرمایا کہ اگر کوئی شخص بحسب ضرورت صرف پیر ہوا بولے تو یہ درست ہے یا نہیں بیشک
پیر ہوا مذکر کے ساتھ بولنا درست ہے تمام زن و مرد خاص و عام اسی طرح بولتے ہیں مرزا صاحب مرحوم کے زمانہ میں شاید کچھ
خواص اور اہل علم دوشنبہ کی جگہ صرف پیر کا لفظ نہ بولتے ہوں لیکن اب وہ لوگ جنت کو سدھارے ۱۲

میں اُس کی صورت بدلتی گئی۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہوگئی۔ ہاں اُس کی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں نواب صاحب نے کر لی ہیں۔ ایک میرے واسطے ایک ضیاءالدین خان کیواسطے۔ میری ملک کی جو کتاب ہے اُس کی جلد بندھ جائے تو بطریق مستعار بھیجدونگا تم اس کی نقل لیکر میری کتاب مجھ کو پھیر دینا۔ اور یہ امر بعد محرم واقع ہوگا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ سمجھیں گے۔ صرف برہان قاطع کے نام پر جان دینگے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہونگی وہ اُس کو مانیگا۔ پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہوا وراس زبان سے اُس کو لگاؤ ہو۔ اساتذہ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہوا ور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو۔ ہٹ دھرم نہ ہو۔ پانچویں طبع سلیم وذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی واد دیگا ۲؎ فہمایش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنبشی داس ولد لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے میری زبان سے کبھی تم نے سُنا ہے۔ اب تفصیل سُنو۔ امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر سوزد مضارع سوز امر سوزش حاصل بالمصدر۔ اسی طرح ہیں خواہش و کاہش و گزارش وگدازش آرایش و پیرائش و نمائش۔ فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب لفظ عربی الاصل ہے۔ ان کو موافق قاعدہ تفرس فہمیدن و طلبیدن کر لیا ہے اور اُس قاعدہ میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنی بفہم۔ سمجھ۔ طلب یعنی بطلب مانگ۔ فہمد مضارع بنا طلبد مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل مصدر کیوں نہ بنائیں۔ سُنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہئے۔ فہم تھا صیغۂ امر فہمد سے نکلا تھا۔ الف اور یے کہاں سے آیا۔ فہمائی تو نہیں ہے۔ جو فہمائش درست ہو۔ کہیں فرمایش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائے امر حاصل مصدر فرمایش ۱۱؎ پہلے حکیم میر اشرف علی کو دُعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد۔ میاں میں نے رات کو اپنے عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر کاظم وین کے بارہ سو چھتر ہوتے ہیں لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمایش ٹکسال سے باہر ہے۔ غالب ؎

تمت بالخیر

مکتوباتِ غالب

فارسی ملک ایران کی زبان ہے۔ مگر سلاطین غزنویہ کے ساتھ ہندوستان میں آئی تھی۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے اس کو سرکاری اور اپنی درباری زبان بنایا تمام غزنوی اور غوری بادشاہوں نے اس کی تقلید کی۔ اور فارسی یہاں تک اس ملک میں رائج ہوئی۔ کہ لوگ اپنی نجی خط و کتابت میں بھی فارسی ہی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ لہذا مکتوبات اور خط و کتابت کی قدیم کتابیں مثلاً رقعاتِ قتیل اور ابوالفضل کے انشات وغیرہ سب فارسی زبان میں ہیں مگر جب انگریز ہندوستان میں آئے۔ تو انہوں نے بھی فارسی کو بہت عرصہ تک قائم رکھا۔ ان حالات میں غالب کا ہمیشہ فارسی ہی میں خط و کتابت کرنا۔ اور اس کا گرویدہ رہنا حق بجانب ہے۔ بلکہ مرزا صاحب فارسی کو چھوڑ کر اردو میں کچھ لکھنا بھی موجب ننگ و عار خیال کیا کرتے تھے۔ مگر زمانہ افصح المودین ہے حضرت غالب اپنے ذاتی حالات کے اقتضات سے مجبور ہوئے۔ کہ وہ اُردو ہی میں خط و کتابت کریں۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان مرزا صاحب نے اپنے اُردو خط و کتابت کا آغاز کیا۔ چونکہ وہ آگرہ کی پیدائش اور دہلی کی سکونت کی وجہ سے ایک خاص اہل زبان ادیب اور شاعر تھے ان کے اُردو نثر لکھنے میں چنداں تکلیف واقع نہیں ہوئی۔ حالانکہ فارسی لٹریچر میں ایک گونہ کمال حاصل ہونے کے باوجود بھی ان کو اپنے فارسی خط و کتابت میں سخت محنت برداشت کرنی پڑتی تھی چنانچہ مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام ایک خط اُردو ئے معلّیٰ میں موجود ہے جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی

کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور میرا یہ حال ہے ؎

مضمحل ہو گئے قوے غالبؔ اب عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے۔ اُردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آ گے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھے اور بھیجے ان میں سے جو صاحب الی الآن موجود ہیں ان سے بھی عندالضرورت اسی مروّج زبان میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہُوا کرتا ہے۔

مولینا حالی لکھتے ہیں کہ مرزا غالب جب بہادر شاہ ظفر کے ہاں مہر نیمروز وغیرہ لکھنے پر مصروف ہوئے۔ تو ان کی تمام دماغی قوت اسی تاریخ نویسی کے مشغلے میں صرف ہو جاتی تھی۔ پس آسانی کے لحاظ سے مرزا کو اپنے دوستوں سے خط وکتابت کرنے میں زبان اُردو کا استعمال کرنا پڑا لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ مرزا کو وہ خطوط جو اُردوئے معلّیٰ اور عودِ ہندی میں شامل ہیں۔ دو باتوں کو مدنظر رکھ کر اُردو ہی میں تحریر کرنے پڑے تھے۔

اوّل۔ اُردو زبان ۱۸۵۵ء کے بعد عام طور پر ہندوستان میں رائج ہو چکی تھی اور جیسے کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ مرزا نے بھی اس کو ایک مروّج زبان خیال کر کے اسی میں اپنی خط وکتابت کو جاری کیا۔

دوئم۔ مرزا کی اُردو خط وکتابت عموماً اپنے بے تکلف دوستوں اور شاگردوں ہی کے نام ہوتی تھی۔ اور غالباً اُن کی آسانی کے لئے یا چونکہ فارسی آمیختہ یا تازی کی نسبت ایک بامحاورہ دہلی کی زبان زیادہ تر ترجیح کے لائق تھی۔ لہذا۔ مرزا کے مکتوبات آئندہ اُردو ہی میں لکھے جانے لگے۔ اور چونکہ خود ان کو اور ان کے دوستوں کو بھی اپنی مادری زبان ہی کی خط وکتابت میں زیادہ لُطف حاصل ہو سکتا تھا۔ اسلئے یہ طرز تحریر اختیار کیا گیا۔

مرزا صاحب کو اپنے خطوں میں ایک پُر تکلّف سلیس اور خاص اپنی طرز کی عبارت لکھنے کا خیال کچھ شاید حالات زمانہ ہی کے مشاہدہ سے ہُوا ہو گا چنانچہ ۱۸ر جون ۱۸۵۲ء کو آپ ایک خط میں مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں کہ شائقِ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہرگوپال تفتہ تحریر میں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے

ہو۔ اب ضرور آ پڑا کہ ہم بھی جواب اسی انداز سے لکھیں۔ آگے لکھتے ہیں ''سنو صاحب تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا۔ اور اب اس کے دونو بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس آ رہے ہیں اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں۔ اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب اس ہنگامی عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے۔ مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے۔ ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھ دیتے ہیں کہیں پانی لڑھاتے ہیں کہیں خاک اُڑاتے ہیں۔ اور میں تنگ نہیں آتا۔ تو ان معنوی پوتوں سے کہ ان میں یہ باتیں مطلقاً نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔''

ابتدا میں مرزا غالب کی خط و کتابت اپنے خاص رنگ میں اسقدر رنگی ہوئی نہیں تھی لیکن جوں جوں دوستوں کا دائرہ بڑھتا گیا۔ اور ان کے ساتھ یہ لٹریری دلچسپی بھی بڑھتی گئی۔ مرزا صاحب کی یہ رنگینیاں بھی حد کمال تک پہنچ گئی تھیں۔ چنانچہ اپنے خانگی تعلقات کی مصیبتوں کا کچا چٹھا ایک دوست کو لکھ بھیجا ہے مگر کس تکلف اور لطف بیانی کے ساتھ۔ آپ فرماتے ہیں ''سنو عالم دو ہیں۔ ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یُوں بھی ہُوا ہے۔ کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ سات رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہُوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی اور شہر دہلی کو زندان مقرر کیا۔ اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیلخانے سے بھاگا تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ بایاں کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے۔ اور پھر اسی مجلس میں بٹھادیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے۔ دو ہتھکڑیاں اور بڑھادیں۔ الخ''

اس خط میں اور اُس خط میں جو اوپر مرزا تفتہ کے نام درج کیا گیا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہ مرزا صاحب کی خاص اسٹائل کا آغاز تھا اور یہ انجام ہے۔ غالباً اُردو خط و کتابت میں اس

قسم کا خاص لطف جو مرزا کے مکتوبات میں موجود ہے اور کسی ادیب کی نجی خط وکتابت میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ آجکل سر سید۔ آزاد۔ امیر مینائی۔ داغ۔ حسن نظامی اور شبلی وغیرہ سب کے مکاتیب شائع ہو چکے ہیں لیکن وہ مرزا کے مکتوبات سے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔

مولانا حالی صاحب مرزا کی اردو نثر کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ مرزا نے اردو نثر لکھنا اول اول اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ مگر انسان جس کام کو شروع شروع میں حقیر سمجھتا ہے آخر وہی اسکی شہرت اور قبولیت کا باعث ہو جاتا ہے۔ غالب کی فارسی نظم و نثر کی ہندوستان میں وہ قدر و قیمت نہیں ہوئی جو کہ ان کی اردو خط وکتابت یعنے اردوئے معلّے کی۔

مرزا نے اپنے خاص خاص مکتوبات میں آداب والقاب کا وہ پرانا طول طویل طرز خطاب بالکل موقوف کر کے صرف اس قسم کے القاب پر اکتفا کیا ہے۔ یعنی برخوردار کامگار میر افضل علی۔ طال عمرہٗ۔ پیر و مرشد خان صاحب عالی نشان جناب مولوی صاحب مخدوم۔ بھائی صاحب۔ میاں صاحب۔ اخی مکرم جناب چودہری صاحب شفیق بالتحقیق۔ وغیرہ وغیرہ۔

ادائے مطالب کا طریقہ ان خطوں میں ایسا اختیار کیا گیا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ باتیں کر رہے ہوں۔ چنانچہ اسی بات کا اشارہ کر کے مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔ بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے مکالمہ ہے۔ غرض مرزا صاحب کی طرز تحریر میں جو جو خوبیاں ہیں ان کو مولانا حالی نے یادگار غالب میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ ہم اس کا یہاں اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ مختصر یہ کہ سلوب بیان میں جدت۔ شوخی تحریر۔ خوش طبعی ظرافت نصیحت کی نصیحت اور عالمانہ تنقیدیں۔ ان کے خطوں کا خاص زیور ہیں۔

مکتوباتِ غالب میں مرزا کی ساری سوانح عمری حرف بحرف موجود ہے۔ چنانچہ بدایوں پریس سے ایک مختصر سی بیوگریفی بنام نکات غالب حال ہی میں شائع ہوئی ہے جو اسی مقصد کو پورا کرتی ہے۔ میری دانست میں مرزا صاحب اسی خیال سے اردوئے معلّے کے طبع کئے جانے کے اول اول خلاف تھے کہ اس کے ذریعہ سے ان کی پوری لائف ہر شخص کے مطالعہ سے

گذرنے کا احتمال تھا۔ اور وہ حد درجہ کے وضعدار اور خودداری میں مبالغہ کی حد تک پہنچے ہوئے تھے لیکن افسوس ہے کہ ایام غدر کی مصیبتوں نے ان کی اس وضعداری میں بھی خلل ڈال دیا تھا۔ اور وہ سرکار کی ملازمت کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔ مگر حقیقت میں بعض حکمائے سرکار اور مرزا کے درمیان غدر سے کچھ پہلے ہی کشمکش شروع ہو گئی تھی اور گورنمنٹ ہرگز ان سے خوش نہیں تھی۔ چنانچہ مولوی کریم الدین نے تذکرہ طبقات الشعرا میں جو سناون کے غدر سے بہت پہلے لکھا گیا تھا۔ اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ غرض غالب کا برٹش گورنمنٹ کے ساتھ اختلاف ہونے سے اس کا بڑا پایا نہایت تلخی سے گذرا۔ اور شاید اس کی موت کا بھی یہی سبب ہوا ورنہ وہ ایک ترکی النسل۔ نہایت تنومند آدمی تھا۔ مرزا کی خوراک بھی بہت اچھی تھی۔ وہ خوش خوراک، خوش پوشش۔ ایک زندہ دل اور بارباش آدمی تھے۔ اس کے علاوہ ان کی رگوں میں ترکی خون تھا۔ اور اس کے اہل خاندان میں بعض کو طول عمری کی نعمت بھی حاصل ہوئی تھی۔ مگر دہلی کی قدیم سلطنت کے انقلاب پا جانے نے مرزا کو بہت جلد بڈھا اور اپاہج کر دیا۔ چنانچہ اُردوئے معلےٰ کے بیسیوں خطوط اسی مضمون سے لبریز ہیں۔ بلکہ غدر کے نہایت دردانگیز حالات اگر لکھنا چاہو۔ تو وہ اسی اُردوئے معلےٰ سے ماخوذ کئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر مذاق و مطائبات کی نظر سے ادب اُردو کے بعض اعلیٰ درجے کے لطائف جمع کرنا چاہو۔ تو اس مقصد کے لئے بھی اُردوئے معلےٰ ہی تمام اُردو لٹریچر سے انتخاب کیا جا سکتی ہے۔

نثر میں مرزا [illegible] کی جو تصانیف [illegible] ہیں۔

اُردوئے معلےٰ، عود ہندی، لطائف غیبی، تیغ تیز اور نامہ غالب وغیرہ مگر ان میں اردوئے معلیٰ تو زیادہ تر ان خطوط کا مجموعہ ہے جو کہ مرزا غالب نے اپنے اور اپنے دوستوں کے سوشیل حالات کو مدنظر رکھ کر لکھے تھے۔ اور عود ہندی میں ہیں عموماً وہ اصلاحی خط ہیں جو انہوں نے بعض شعرا کو ان کے اشعار کی اصلاح کے متعلق وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ مگر لطائف غیبی وغیرہ میں برہان قاطع کے طرفداروں کو جواب دیا گیا ہے۔

ہم اگر چاہتے تو مرزا کے ان خطوط سے سید احمد، آزاد، امیر مینائی، داغ، شبلی اور حسن نظامی

وغیرہ کے خطوط سے مقابلہ کرکے دکھلا دیتے کہ ان سب میں مرزا کا انداز بیان سب سے نرالا ہے مگر وہ ایک تحصیل حاصل ہے۔

المختصر موجودہ اُردو معلی میں بیسیوں وہ خط موجود نہیں ہیں۔ جو کہ غالب نے اپنے دوستوں کو لکھے تھے۔ مگر مرزا مہدی نے جب اس مجموعہ کو پہلی مرتبہ شائع کروایا۔ تو وہ شرف طبع سے محروم رہے مثلاً "رقعات مرزا غالب بنام سید غلام حسنین قدر بلگرامی" جن کو اُردو معلی کے حال کی ایڈیشن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ قدر صاحب وہی قدر بلگرامی ہیں جن کی رشحات قلم سے قواعد العروض جیسے ضخیم تالیف آج تک یادگار ہے۔ ان کے نام مرزا غالب کے چند ادبی اور اصلاحی خطوط ضرور دلچسپی سے پڑھے جائینگے۔

راقم خاکسار سرخوش[1]

عطیہ جناب فضیلت مآب مسٹر سرخوش صاحب

رقعات غالب

بنام

سید غلام حسنین قدر بلگرامی

بندہ پرور آپکے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ آپنے مجھ کو یاد کیا۔ دوسرے آپکی طرز عبارت مجھ کو پسند آئی۔ تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد مغفور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد ہوں۔ خواہش آپکی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو۔ جب مزاج میں آئے آپ نظم و نثر بھیجدیں میں دیکھ کر بھیجدیا کروں گا۔ اور آرائش گفتار یعنی حکم اصلاح میں دریغ نہ ہوگی۔

---

[1] جناب مسٹر بشیر محمد صاحب۔ گورنمنٹ ٹیلیگراف آفس۔ لاہور ۱۲

بارہ برس کی عمر سے نظم ونثر میں کاغذ مانند اپنے نامہ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوہ کی ورزش میں گذرے اب جسم وجان میں تاب و تواں نہیں نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اردو وسواس میں عبارت آرائی متروک۔ جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے یا نور کا سب میں ہے اور ہاتھ باگ پر کیا لکھوں اور کیا کروں یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں ؎

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ　　　　مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے پیدا ہوئے ہیں اور کی فیض رسانی اور قدردانی کو کیا روئیں اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہونگے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہونگے اللہ ہی اللہ ہے کل آپ کا خط آیا آج میں نے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب میں آپکو ملال نہ ہو والسلام مع الاکرام از اسد اللہ نگاشتہ بست وسوم فروری ۱۸۵۶ء

ایضاً۔ حضرت میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں مگر میں کیا کروں آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے اگر مثل آپ خود نظر ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہر گز جگہ نہ پائیں جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کر دیں تب حک واصلاح کا طور ہے میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت زردشت آتشکدہ الخ زردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانے سے زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا آتشکدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔ آب حرام اشتیاق آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ درحقیقت وسعہ و راوق کی طرح اسم نہیں ناچار شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہئے اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

ماہم دوسہ جاگی علی التواتر زدہ بودم۔ مازدہ بودم تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے من زدہ بودم یا مازدہ بودیم اس سے علاوہ دوسہ جاگی بکاف فارسی یعنی چہ جام معلوم کاف تصغیر کا جانک چاہئے جانگ کیا مگر یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحویر بناتا

ہے ظہوری جلال آنجہیر۔ طاہر وحید کسی کے ہاں جام کو جام نہیں لکھا۔ دوسرے جا کی جگہ دوسرا ساغر
یا دوسرا قدح لکھو۔ پا تیماری گلستان بر باغبان است و تیماری او بر قدر دانان۔ میں اس فقرے کو
نہیں سمجھا یعنی بر باغبان کہا ہے تیماری کیا ہے۔ تیمار بمعنی بیمار داری و غم خواری ہے جب یہ لفظ خود
افادۂ معنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدری کیسی۔

تیرہ شبی ہا بسر آمد۔ تیرہ شبے ہا بسر آمد چہ۔ تیرہ شبے بسر آمد یعنی چہ۔

لیلائے دیدم کہ با ہزار طرۂ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔
جاگی مکرر دیکھا گیا معلوم ہوا حضرت نے جو کہیں جاگی خوار دیکھا ہے تو اس کو جام خوار یعنی
شراب خوار سمجھا ہے یہ غلط ہے جاگی خوار اسی نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو روٹی کپڑے پر
اس سے کام لیتے ہوں۔

ورنہ توبہ باز است و باب رحمت فراز۔ معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا
بند ہے فراز اضداد میں سے نہیں ہے۔ باز کھلا، فراز بند۔ قدر زعفران زار را بوئے گل کرد۔ اس کا
لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ قدر زعفران زار کیا۔ اور پھر اس کو کس نے بوئے گل کر دیا۔

سر کرے کدام زبان است عربی یا فارسی۔

حسب لیاقت خود کافی است خود ہم چہ محل دارد۔ مگر یہاں شیوۂ قتیل [illegible] مجبورم ہماں سکہ قتیل
صاحب جن کی تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کر رہے ہو کہ قتیل ہے کیا۔ لہجہ کا تتبع بھانڈوں کا
کام ہے نہ دبیروں کا اور شاعروں کا زیادہ زیادہ جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا
سلام نیاز عرض کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا ہر مہینہ میں آٹھ خط تک بلکہ
سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا۔ بھیجئے۔ رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے
تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا دوپہر کو آنا بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا جناب
کے خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے والسلام۔

ایضاً۔ حضرت آپ کے خط کا کاغذ پارہ پارہ اور ایک طرف سے سراسر سیاہ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے

تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے ناچار جُدا گانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

رنگت بوزن سنگت ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعضے متصرف کریں گے تو لون کا تلفظ موہوم سا رہ جائیگا۔

رنگنا بوزن چھند جانہ کہینگے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں ؎

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے ؎ ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی۔ یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔

خرام کو کون مونث بولیگا مگر وہ کہ دعوے فصاحت سے ہاتھ دھولیگا۔ رفتار مونث اور خرام مذکر ہے رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے حرف مسروری جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں موحدہ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر بڑا جھگڑا ہوا مولوی امام بخش با کو بے کہنا جائز نہیں رکھتے تھے آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اِس کا جواز ثابت کر دیا مگر صرف ازروئے تلفظ اور اُس کی اجازت کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں اُردو میں طا کو طوی اور ظا کو ظوی کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی طا ظا کو طا ظا ہی کہینگے نہ طوی ظوی نہ طے ظے علیٰ ہذا القیاس حروف باقیہ راقم اسد اللہ خان۔

الوری ؎

بعہد جود تو دائم بیک شکم زاید | زغایت کرم اندر کلام تو بے ظیست
زمانہ صوت سوال و صدائے آرے را | باعتقاد تو صد جست لون مگر بے را

ایضاً۔ مشفق میرے میں بعد آپکے جانے کے دلّی سے رام پور آیا اور یہاں بیٹھے آپکا دوسرا خط پایا پہلا خط مجھے دلی میں پہنچا تھا مگر چونکہ اُس خط میں آپنے مسکن کا پتہ نہیں لکھا تھا میں تحریر جواب میں

قاصر رہا اب جو یہ خط رام پور میں پہنچا اس میں پتہ مرقوم تھا میں پاسخ نگار ہوا آپکے مسودات ایک بکس میں تھے وہ بکس وہیں رہا اب جب تک دلی نہ جاؤں گا اُن کو نہ پاؤں گا اور ایک آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلی میں تھا تو ایک خط میاں نوروز علی خان کا تمہارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تھا چونکہ اُن دنوں میں مجھ کو آپکا مسکن معلوم نہ تھا میں نے اُس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں اگر وہ سعادتمند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے اب آپ جو مجھ کو خط بھیجئے تو رام پور بھیجئے پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔ خوشنودی کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ سید صاحب تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہ ہونا اب غزلوں کو دیکھا کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجرائے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں صرف اسم مبارک خطوط و عرایض پر لکھا جاتا ہے رہا قصیدہ کا بھیجنا زاید محض اور بے فایدہ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اُٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گذرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گذرانوں اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتے یہ توسط میرے خلاف وضع ہے مجھ کو معاف رکھئے اور اب جو خط بھیجئے دلی کو بھیجئے گا کہ میں اس مہینہ میں اُدھر کو جاؤں گا رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو والسلام مع الاکرام غالب۔ سہ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۰ء۔

ایضاً۔ میر صاحب ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں سولہ نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا غدر کے بعد پنشن جاری ہو گئی لیکن دربار اور خلعت بند ایکے چولارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم کے مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگذاشت ہو گیا مگر دلی میں دربار نہیں انبالے آ ؤ گے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے میں نے تغیر میں وجدان کا مزا پایا اور انبالے نہ گیا رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے دربار کیا میں دربار میں نہ گیا دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلا لیگیا

بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف والفاظ کی قید نہیں ہے ہاں ردیف الف کی یہ امر قابل پرسش کے نہیں بدیہی ہے دیکھ لو اور سمجھ لو یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ وصائب وسلیم وکلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف والفاظ کا مقابلہ کرو کبھی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بحر نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف والفاظ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ؛

ایضاً۔ سعادت واقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے کہیں اصلاح کی حاجت نہیں مگر دوسری تاریخ میرے سمجھ میں نہیں آئی اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہیں یعنی پانسو تیس کلوخ انداز را پاداشش سنگ است۔ اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجایش کہاں کہ پانسو تیس نکلجائیں اور ۱۲۷۸ بچ رہیں۔ صاحب تم بہت دن سے بیکار ہو ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا یہ رقعہ ٹھری لیکر لکھنؤ چلے جاؤ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دل یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھواو اپنی نظم ونثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم اُن پر ظاہر کرو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگذار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دینگے مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائیگا معزز ومکرم رہو گے زندگی کا لطف اُٹھاؤ گے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے پھر چلے آنا بخت آزمائی ہے ؛

ایضاً۔ بندہ پرور۔ آپکا خط لکھنؤ سے آیا حالات معلوم ہوئے یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپکے سپرد ہوا ہے یہ بھی لکھئے چندروز صبر کرو اگر وطن میں ہوتے تو اس بیکاری میں گھر کی خبر کیا لیتے جس طرح جب گذرتی اب بھی گذر جائیگی بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا بہرحال ابھی اضافہ کیواسطے نہ تم کہو نہ میں لکھوں دو چار مہینے کام کرو اس میں اگر بلگرام میں چھاپہ خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دیکر چلے جائیو یہاں بعد چندروز کے اضافہ ہونا بھی تو حیز امکان سے باہر نہیں ؛

ایضاً۔ سید صاحب سعادت واقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے آپکا خط آیا اور

میں نے اُس کا جواب بھجوایا۔ اِس رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہئے اور یہ رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجئے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو کب تک کھلیگا جاری ہے تو تصحیح کس کے طور پر ہے قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں چپتا لگا ہے یا نہیں اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو تشنے بھیجدوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے ملگئے یا نہیں قاطع برہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہکر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں اُن میں سے ایک جلد لیکر جناب فیضمآب خداوند نعمت آیہ رحمت قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اُس پایہ پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھکر متصور نہیں یہ مجال کہاں کہ داد کا طالب ہوں صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔ سیجھے سید صاحب منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ فرمائیں اُس تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو جو الفاظ حضرت کی زبان سے سُنو ہو بہو لکھ بھیجو ہاں مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اِس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا بھائی میں از راہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اِس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ دوشنبہ پنجم ذی القعدہ و مئی سال رستاخیز ء

ایضاً۔ سید صاحب آپکا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مُہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہنچا میں تم سے بہت راضی ہُوا کہ تم نے تکلیف اُٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہکر اُن کے حکم سے ایک نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اِس تالیف میں کھایا ہے یقین ہے کہ اُس کی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤنگا ہاں صاحب جناب منشی صاحب سے یہ کہدینا کہ پچاس میں سے ۳ جلدیں میں نے پائیں اب قیمت کا روپیہ بھیج کر ۴۷ اور منگائے لیتا ہوں کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں اہل مطبع کو خدا منشی

صاحب کے سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہہ لینگے چھاپا ماہ ۷ میں شروع ہُوا ۹ ۷ میں تمام ہوگا مولوی
ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم
کرکے لکھو۔ جواب کا طالب غالب ۲۴ مئی سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً - سید صاحب آپنے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا اپنے پاس امانت رکھئے
جب مفتی صاحب آئیں اُن کو پہنچا دیجئے تمہارا قصد یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا وہاں کے ہنجار (؟)
میں کچھ سستی ہائی جو فسخ عزیمت کیا اس کی کیفیت ضرور لکھئے اور جو کچھ تم نے سپارش کے باب میں لکھا
ہے بَیں اس خواہش کو کیونکر قبول کروں وہ شخص میرا شاگرد نہیں مرید نہیں صورت آشنا بھی تو نہیں
کیونکر لکھوں معہذا تمہارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے یعنی وہ صاحب سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری
شکایت و حکایت لکھی ہوگی جب غالب نے مجھ کو یہ لکھا ہے۔

اسوقت آپکی خوشنت انجمیز تحریر پہنچی اُدہر اُس کو پڑھا اور ادھر یہ خط تمہیں اور ایک مرزا عباس
کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا لیکن چونکہ بلاد شرقیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے
ناچار یہ تینوں خط بند کرکے تمہارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط بیڈ رکھ چھوڑتا ہوں
کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دوں گا خاطر جمع رکھو بیٹے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا
کہ مفید مطلب ہوگا انشاء اللہ العلی العظیم خوشنودی احباب کا طالب غالب چہارشنبہ ۱۲ پر تین بجے

ایضاً - حضرت کیا فرماتے ہو ہوا بھی ہو قضا بھی ہو اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولی آ نہیں سکتا
بیتابی ہو عتابی ہو کیونکر درست ہوگا وہاں موحدہ کے مابعد یائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگے۔ چابی
کہ بائے فارسی اور یائے حطی ہے چابے اور کاپے اور راپے اور باپے یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں
چاپے لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے بلکہ مزا دیتا ہے تار بجلی اور
دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دئیے ہیں اوروں نے بھی باندھے ہیں روبکاری
اور طلبی اور فوجداری اور سرشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں چابی یعنی کلید شوق سے
لکھو نہ چابی۔ تاریخ لکھتا ہے ۵ میم صاحب کے آگے کے الفاظ بھول گیا ہوں آخر مصرع یہ ہے

کس کس کے ناز بیجا اُٹھاؤں کس کس کے۔ الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں سے نگین دل سوا کھو وے
تو گھر نیلام ہو جائے۔ والسلام غالب ۱۲

صاحب تم نے مثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں کہیں انشا میں جو اغلاط تھے دُور کئے اور ہر اصلاح
کی حقیقت اُس کے تحت میں لکھدی فکر تاریخ مثنوی سے مدۃ العمر معاف رہوں ۱۲ غالب ؎

ایضاً۔ صاحب واللہ سوائے اِس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا کیسے چار خط تم نے بھیجے کیوں
باتیں بناتے ہو۔ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ
بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر مہینے پہلے ہی سے سُنی ہے مگر یہ
نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے اب دریافت ہُوا کہ تمہارے ہمسایہ میں آئے ہیں اب اُن سے ملئے
خدا اُن کو مروت کی توفیق دے۔ مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے
میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہئے۔ غالب ۱۲

ایضاً۔ قدرت

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو ٭ ڈالدوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

آنڈو بدال ہندی یا بدال عربی بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا میں اسکی حقیقت سے
آگاہ نہیں ہاں سُنا ہے کہ فلانا سردار ایسا بہادر ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں
انڈوڑ لوا دئے ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مانع رفتار ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند
خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال انعام میں نہ چاہئے۔ غالب ؎

آبتن و آبست کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ آبست کو بجائے آبستن سمجھتا ہے
آبست کوئی لفظ نہیں ہے آبستن اصل لفظ اور آبستنی مزید علیہ یہ دونوں صحیح بلکہ آبستنی زیادہ فصیح گر
معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں فیضی کی سند قبول اور مسموع۔ ارمغان
وار مغانی آبستن و آبستنی اے یہ تو فارسی لغت ہیں فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول کو
فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے آجتک سُنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو ہاں کبریائی الٰہی

یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبیر لکھیں گے نہ رب کبریا کبریا صفت واقعی ہے لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے جیسا زید عدل بجائے زید عادل جناب کبریا بجائے جناب الٰہی جا رہے ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔ حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال کہ بہ معنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ احوال بمعنی جمع مستعمل نہیں ہوتا جیسے حور کہ بمعنی حورا کے اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دیکر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں سعدی کہتا ہے ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف　　از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری کہکر اس کی جمع حوریان لاتے ہیں حافظ لکھتا ہے ؎

حوریان رقص کنان ساغر شکرانہ زدند۔ میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے ؎

جان غالب تاب گفتاری گمان داری ہنوز　　سخت بیدردی کہ میپرسی ز ما احوال ما

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے وہ آبستنی کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھتا صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

ہر لحظہ دارم نیشتے چوں قرعہ رمالہا۔ اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے۔ واد کا طالب غالب

ایضاً ؎ چھیڑ خوبان سے چلی جائے اسد　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ناسخ ؎ رہن رکھوا کر تیرا عمامہ لوا دوں شراب　　زاہد تجھ کو کروں مرہون احسان تو سہی

اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے ۱۲ قدر

جواب۔ اسماء کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار۔ ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہو سکتی مثلاً چوری کا گڑ میٹھا اس کی فارسی نہ پوچھیگا مگر نادان سہی اور تو سہی کی فارسی کیونکر بنے یہ روزمرہ اردو ہے ؎ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔ اسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے۔ وصل اگر نیست حسرت نیز عالیست وا ردو

زاہدا تجھ کو کروں مرہون احسان تو سہی۔ ایک نوع کی تنبیہہ ایک قسم کا دعویٰ ہے نامرد باشم اگر فلاں کار نکنم تا فلاں کار نکنم نیاسایم۔ اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اُردو کے خاص روزمروں کی فارسی بنا لیے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں فارسی میں ہیچ نیست کی جگہ خاک نیست کبھی کوئی نہ کہیگا قتیل چاروں شانے چت گرا ہے ؎ کشتہ برشتہ تہان بود وگر خاک نبود۔ یعنی ہیچ نبود لاحول ولاقوۃ ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا چونکہ میں بلیماروں کے محلہ میں رہتا ہوں اُسنے پتا لکھا کہ در محلہ گربہ کشاں واہ فارسی ۱۲ غالب ؎

مردم از من داستان رانند واز دوران چرخ گشتت صرف طعمۂ زاغ وزغن عنقائے من

ایضاً۔ صاحب بیس برس دن سے بیمار تھا ایک پھوڑا اچھا ہوا دوسرا پیدا ہوا اب فی الحال دونوں پاتوں ہاتھوں میں نو پھوڑے ہیں دونوں پاؤں پر دو پھوڑے پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عمق ہڈی تک ہے اُنھوں نے مجھ کو بٹھا دیا اُٹھ نہیں سکتا حاجتی دھری رہتی ہے پلنگ پر سے کھسل پڑا پھر پڑ رہا روٹی بھی اسی طرح کھاتا ہوں پاخانے کیا کہوں کیونکر جاتا ہوں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں نیم مُردہ ہوں قریب بمرگ ہوں افادہ واستفادہ واصلاح کے حواس نہیں غزل رہنے دی یہ حال تم کو لکھ بھیجا۔ نجات کا طالب غالب شنبہ ۲۳۔ اگست ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ سید صاحب تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خاں بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گذار ہوتے ہو جو کچھ نیکی اور نکوئی اُس اقبال نشان نے تمھارے ساتھ کی ہے وہ بعینہ میرے ساتھ کی ہے اُس کا سپاس میں ادا کروں خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں بھائی اُس کا جوہر طبع از روئے فطرت شریف ہے پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے یہ اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اُس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف بھی عاید ہوتا ہے وہ اپنے

جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا ہے میں تو زر کو خاک
خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا کاش کے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں
تو سب سے پہلے پہنچتا جی اُس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھوں اُس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے
میں اب اچھا ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں چھوٹے بڑے زخم بارہ اور ہر زخم خون چکاں
ایک درجن پھاہے لگ جاتے تھے جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے
وہ کھا کر جیتا ہوں کبھی کھاتا ہوں کبھی پیتا ہوں مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ
دونوں پاؤں کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں مفصل متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان
ہو ہی نہیں سکتا مگر ہاں یہ میرا شعر ہے

درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن این کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست

اب کے رجب یعنی ماہ آئندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستّرواں برس شروع ہوگا ع چو ہفتاد آمد اعضا
رفت از کار پس اب شکوہ ضعف نادانی ہے ایمان سلامت رہے۔ نجات کا طالب غالب شنبہ
۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ گ۔۔۔ صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا
ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا مرزا کی بی بی میری بہو ہے بیٹی نہیں تم نے جو لکھا ہے کہ تیرے
نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کے لکھا میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا بھانجی کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ
نواسا نواسی مجھ کو اُس کی اولاد کا جد فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے خیر یہ تو ظرافت تھی تم یہ تو بتاؤ کہ
مرزا لکھنؤ کیوں جاتا ہے اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا بذات خود اس تکلیف
بیجا کو گوارا کرنا کیا ضرور یہ بات جواب طلب ہے۔ میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ مرزا کی اشد علت سے
قطع نظر میرا دل بھی تو پتھر یا لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے ایک بہن اُس کی مجموع
اولاد وہاں میسر آتو وہ خانہ باغ ہے بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو کس کا جی نہ چاہیگا بشرط صحت
آؤں گا انشاء اللہ۔ صبح یکشنبہ ۳۔ رمضان ۲۲۔ فروری سال حال ۔

ایضاً۔ قرۃ العین میر غلام حسین سلمکم اللہ تعالیٰ تمہارا خط پہنچا دل خوش ہوا مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو تم کچھ لکھو تو جانوں واللہ اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے اُن کو دیکھا ہو چہ جائے اختلاط وارتباط صرف برعایت جانب حق چند کلمات انہوں نے لکھے ہیں تم میرے یار ہو اور میری خدمتگذاری کے حقوق ہیں تم پر مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگواؤ میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کردونگا تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو عامی نہیں ہو عالم ہو آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دہجیاں اوڑائی ہیں تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان ایک سوالات عبدالکریم مع استفتاء وافتاء دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچینگے تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا مدعی کا کلام درصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اُس پر مویدعلیہ اُس پر محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اُڑ جائیگا میرے اِس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھئے اور اجازت بھیجے کہ میں نسخہ مطبوعہ نا مطبوعہ محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے اُسی دن سے آپ اُردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجئے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالب اثنا عشری حیدری۔

ہاں صاحب آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی کا خط مع اشعار آیا اور میں نے اُس کا جواب بھجوایا اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا مگر آغا کا خط نہ آیا اِس مسودہ کو صاف کرکے تمہارے پاس بھیجتا ہوں آغا صاحب کا جب خط نکل آویگا وہ بھی بھجوا دیا جائیگا سعادت واقبال نشان مرزا عباس بیگ خان کو میری دعا کہنا اور یہ ورق اُن کو سراسر پڑھا دینا مسودہ شروع برنظم قطعہ

نخلبند حدیقہ تحقیق ... آبیار گل ونہال وگیاہ
ناخدائے سفینۂ معنی ... آں محمد حسین والا جاہ
سوئے من ناگرفتہ رو آورد ... بسرم گل زنامہ زد ناگاہ

رندی و راستی شعار من است | مومنم لا اله الا اللہ
بستودن اگرچہ شادم کرد | من ہماں ناکسم سخن کوتاہ
من کہ میرنجم از نگہ کہ مرا | در نظر نیست غیر روز سیاہ
دیژہ در آرزوئے دیدن اوست | کہ نگہ داشتم بدیدہ نگاہ

قلمرو مہر و وفا را داد پیشہ دادور آغائے نام آور کہ سخن در ستایش این تاہوکش یاہوسرائے سزودہ است ہمانا خود را از روئے انصاف بہ شیوۂ خستہ نوازی و درویش ستائی ستودہ است یا د آوری را قدردانی انگاہ پنداشتہ باشم کہ برخود گمان کمالے داشتہ باشم از انجا کہ از عز و جاہ بہرہ و از علم ہنر نشان ندارم ہر آئینہ از ان نگزیرد کہ سپاس قدر افزائی بجائے آرم۔ نگارش خواجہ در بارہ نکوئی قاطع برہان نامہ نگار را بہ شگفت زار افگند چہ این سواد نامقبول طبائع دانشمندان ہند افتادہ است و دعوی مرا مسلم نمی دارند و گفتار مرا نمی پسندند از ان میان یکے کہ در زور آزمائی و مردم گزائی شیر شرزہ و مار گرزہ را ماند بے ہنری خیرہ سر از پارسی ناآگہے و از تازی بے خبرے خشمش جہان فرو گرفت کہ ہمچو دیوانگان کف برلب آورد و از ان کف بد انسان کہ تگرگ از ابر بار منیچہ چند فرو ریخت خواجہ سنجیدہ باشد کہ چہ گفتم و از ین گفتن چہ خواستم فرومایہ کتابے نوشت و در آن فروکاش نامہ جامع برہان قاطع را کہ یکے از عوام دکن است بہ ہمہ دانی نام گرفت و غالب کہ جز زباندانی فرزانگان پارس گناہے ندارد در زبان بیاد دشنام گرفت مبالغہ نہ پندارند و چناں اندیشند کہ چوں مخنثان در ستیزہ کف برکف زنند و از قوم ہنود سوقیان در موسم ہولی بہ تلنگ دائرہ دف زنند چہ گویند ہماں گفت بلکہ لختے نا سزاتر از ان گفت حیف کہ گیتی را ہدادر پیگاہ سخن چوں امیر علی شیر محتسبے و مانند مولوی جامی مفتی نیست تا این آدم پیکر دیو سار بادافراہ نکوہش ہجا دکیفر نفرین نارادا یافتے ناچار بدین مایہ خوشنودی

حل مغلقات۔ ناگرفت مرادف ناگاہ۔ دیژہ بواو مکسور و یائے مجہول و زائے پارسی مفتوح بمعنی خالص و خاص وخصوصاً و علی الخصوص۔ تاہو شہرا انشراب۔ یاہو سرائے فقیر انشان گزیر یعنی از ان گزیر و چارہ نباشد۔ ۱۲
شرزہ بشین و زا مفتوح صفت شیر بمعنی خشمگین۔ گرزہ بوزن شرزہ قسمے از مار۔ منیچہ مرادف ژالہ و تگرگ فروکاش مرادف زدمایہ۔
تلنگ دائرہ بتا مکسور و لام مفتوح تال سہ سے۔ آرش براء مکسور بمعنی مفتی۔ بادافراہ سزائے کار بد کیفر مثلہ ۱۲

کہ ہرگاہ ہوشمندان سخندان آں نگارش بے آرش را خواہند نگریست باد برودت آں شعر از شعیر نشناس
موجب ریش خندی خواہد بود خود را تسلی دادم کہ دشمن پیشکش از دوست ہمہ آں ہمیخواہد کہ چوں رسم نامہ نگاری
از ہر دو سوئے بمیان آمد دیگر ایں سلسلہ از ہم نگسلد و آمد و رفت نفس آسا متواتر و متوالی مانند تنہائے بیکدیگر مہر
گرائے وجہر در میانہ ہم جاوید پائے باد بندۂ علی ابن ابی طالب اسد اللہ المتخلص بہ غالب ؎

ایضاً ۔ سید صاحب تم قدر راور نور چشم مرزا عباس قدر دان خاطر جمع رکھو نوکری تمہاری ہو جاوے گی صاحب
کی اور راجہ کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو
یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت بے شمار زمین سراسر سبزہ زار
بہت خوش بہت نہریں مٹی نظر نہیں آتی سبزہ یا لہریں فقیر غالب تمہارا خیر خواہ اور تمہارے ممدوح کا دعا گو
ہے ۱۲۸۴ھ ؎

ایضاً ۔ تئیں کا لفظ متروک اور مردود و قبیح غیر فصیح یہ پنجاب کی بولی ہے مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن
میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی وہ تئیں بولتی تھی تو بی بیاں اور لونڈیاں سب اُسی پر ہنستی تھیں ؎

عنان بر سینہ چوں پیچد کرنگ[1] برق جولانش ‏ ‏ ‏ خروش رعد غرّاں می شود پا در رکاب از بیم

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ سندھ کا رہنے والا اُس کا منطق کیا اور اُس کی زبان کیا پا در رکاب
ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مستعد ہونے سے خواہی منشاء عزیمت خوف ہو خواہی کوئی اور سبب
عنان بر سینہ پیچیدن مہمل محض مہمل نہ روزمرہ نہ محاورہ نہ اصطلاح نہ مفید معنی ورنگ نہ مفید معنی
شتاب ۔ غالب ؎

طیار صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی املا اس کی طائے حطّی سے طیر ثلاثی مجرد و طائر فاعل طیور جمع باز
داروں میں اس لفظ نے جنم لیا حقیقت بدل گئی طوئی تے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے
لگا باز داروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز فلاں شکرہ طیار شدہ است و صید میگیرد بہر حال
ابتدائے قرشت سے یہ لفظ بالکل آیا اس لفظ کو متحدث اور در اصل اُردو اور تائے قرشت اور

---

[1] کرنگ بروزن تفنگ اسپ سمند خنگ ۱۲ رس یک سب ۱۲ غ ۔

بمعنی آمادہ اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیئے اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی جائز نہ ہوگا ۱۲ غالب ؛

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ حضرات یہ تینوں اسم مذکر ہیں منکر سے مجھے بحث نہیں مجیب کا میں احسانمند نہیں لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں منطق فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے زیادہ جھگڑا بے فائدہ ۱۲ غالب ۔ ؎

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالبؔ نے تمام جوہر تیغ زبان ادھر آئے

غزل کی ز سے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے قدم مفرد قدموں جمع ہے ۱۲ غالب ۔

کھو رہا ہوں متعدی ہے پوربئے اس کو لازمی جانتے ہیں لازمی کھو گیا ہوں ۔ ہم کہینگے جاگتے ہیں اہل پورب کہینگے جگتے ہیں ۔ جان و دل ول و جگر یہ صحیح جان و جگر کسال باہر ۱۲

فریاد مونث ہے فریاد کرینی چاہئے فریاد کرنا انگریزی بولی ہے ۔ فکر مونث ہے معشوق کو ہر اُم بنا ناظر فا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے ۔ الراقم ؎

اندیشہ بلند رو لامکان نورد چوں خواست بام جاہ ترا نردبان نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقدان نہاد

پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا جو مصرع ثانی میں نہاد بمعنی مصدری ہے دوسرے شعر میں دید کا اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھولیں مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اُتنا ہی دُور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا فرقدان ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقدان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا بہت قریب ۔ ہم فرقدان پر گئے وہاں بھی قریب نہ پایا فرقدان پر ہزار زینے رکھی اُس پر چڑھ کے دیکھا تو بام ممدوح میں اور اُس مقام

میں اُتنا ہی بُعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں یہ مبالغہ حدِ تبلیغ و غلو سے گذر گیا ۱۲
لگا دیتے ہو اور اُٹھا دیتے ہو خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم معشوق مجازی کو تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہیں خدا کو یا تو کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا نظر بہ قرینہ افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا ؎

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو　　ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذالقیاس دو ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغہ جمع رکھدیا تاکہ خوبان اور بتان کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کی طرف آپ کے لفظ کے ساتھ۔ یا قضا و قدر کی طرف۔ اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا ۱۲ غالب

س۔ بود اور باشد کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بمعنی ہست آتے ہیں یا نہیں ۱۲ قدر۔

ج۔ البتہ آتے ہیں ۱۲ غالب

س۔ نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے ۱۲ قدر۔

ج۔ بیجا ہے جب تک علامت استمرار نہ ہو معنی استمراری کیونکر لیے جائیں ۱۲ غالب۔

س۔ پارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ۱۲ قدر۔

ج۔ خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی فارسی میں کہاں سے ہو گی مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی ۱۲ غالب

س۔ کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے ۱۲ قدر

ج۔ جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں مثلاً گشتن کو گشاندن نہ لکھیں گے گرد سے مصدر بنائینگے گردیدن اور اُس کو گرداندن اور گردانیدن کہینگے جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہو گا وہ متعدی

نہ بنے گا جیسے برشتن اور خستن ۱۲ غالب۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اُردو میں کیا آیا ہے۔

ج۔ اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی پناہ کا لفظ مشترک ہے اُردو میں اور فارسی میں پناہ کا ترجمہ اُردو میں پوچھنا نادانی ہے ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے۔ برنہ آنا فصیح نہ بر آنا ٹکسال باہر۔ قافیہ ہائے اصلی الفیہ سیکڑوں ہیں اُن کو چھوڑ کر نسخہ اور نامہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نامناسب نہیں ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب۔

ایضاً۔ حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے اصلاح دینے سے توبہ کی ہے شعر سُننا تو ممکن ہی نہیں بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہے پچھتر برس کی عمر پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں ساٹھ برس بکا مدح کا صلہ ملا نہ غزل کی داد بقول انوری ؎

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح ۔۔۔ وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم الدولہ خدا بخش بیامرزاد۔

بنام شیخ لطیف احمد بلگرامی

میاں لطیف مزاج شریف غالب گوشہ نشین کی دعا تمہارا مسودہ آیا کہیں کہیں اصلاح کی پائی سو دو تحریر بھی مجھے پسند آئی دل خوش ہوا لیکن ؎

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن ۔۔۔ نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

سید ابن حسن خان صاحب وہاں موجود ہیں یہاں محض وجود بے جود وہ تو میرے نزدیک علامہ ہیں اور جوان ہیں اُن کے نزدیک ایک مُشت استخوان ہوں وہ بھی بوسیدہ اور ناتوان اگر خانصاحب وارستہ مزاج ہیں تو سید غلام حسنین قدر بھی وہ تو میرے قدردان بھی ہیں اور شاگرد بھی ہیں اگر کچھ بھی اپنے دل و دماغ میں قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلاح دریغ نہ کرتا کیا لکھوں اور کیا کہوں

نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور ہاتھ میں رعشہ طاری ہے کان سماعت سے عاری ہے ؎

عتابِ عروسان در آمد بجوش　　صراحی تہی گشت و ساقی خموش

فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مر جائے غالب نیم مردہ نیم جان رہ جائے ؎

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی　　موت آتی ہے پر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی

اگر جوان ہوتا اور بیمار تو آپ سے دعائے خیریت چاہتا اسی برس کا بڈھا ہو نے آیا ہوں دعائے مغفرت کا امیدوار ہوں شراب کمبخت اب بھی چھوٹتی نہیں نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

کعبے کس منہ سے جاؤگے غالب　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

نجات کا طالب غالب

محمد حیات کاتب ایمن آبادی ستمبر ۱۹۲۲ء

مطالب الغالب

(یعنی دیوانِ غالب کی جدید ترین اور بہترین شرح)

اُردو شاعری کے انتہائی مدارج ارتقاء نے غالب جیسے عالی خیال اور نغز گو شاعر کو پیدا کر کے اُس کے شاعرانہ ذہن و تخیل، اُسکے مخصوص و نو شرا اسالیبِ بیان میں ایسے ایسے علمی و عقلی نفسیاتی، وجدانی، حقائق کی جلوہ ریزیاں کیں کہ سارا جہانِ اُردو آئینہ دارِ اعتراف ہو گیا۔ پھر عام سطح سے مرتفع تر مضامین پر نظر و نقد کرنے والا طبقہ بھی پیدا کر دیا کہ بلندئ خیال اور رفعتِ فکر کا مطالعہ کر سکیں۔ اسی ضمن میں غالب کے کلام کی متعدد شرحیں شائع ہو چکی ہیں لیکن تمام شروحِ ماسبق سے مفصل و مکمل، مولانا سُہاؔ، کی جدید التالیف شرح "مطالب الغالب" ہے جس میں معانی و مطالب کی تفسیر لغت و بلاغت اور تمام قرائن سیاق کے ساتھ، کلام کے پہلو بہ پہلو ہے۔ بعض غیر مطبوعہ قصائد و سلام کا بھی اضافہ ہے، جو اسوقت تک کسی اشاعتِ دیوانِ غالب میں موجود نہیں لیکن جنکے متعلق مؤلف موصوف کی تحقیق میں کلامِ غالب ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ شرح کی ابتدا میں مؤلف کا ایک فاضلانہ مقدمہ، اور چند متعلقہ تصاویر بھی شریک ہیں۔ حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ۔ قیمت مجلد دو روپے .... عـہ

المشتہر

شیخ مبارک علی پبلشر و تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور